TIGHT BINDING BOOK

UNIVERSAL LIBRARY

OU_222470

UNIVERSAL LIBRARY

**OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY**

Call No. ٨٩١ د ٣١ ض ۹ ض    Accession No. U 1170

Author ضامن کنتوری

Title ارتقائے تخیل مرثیہ فیا علی لکھنوی

This book should be returned on or before the date last marked below.

| | | | |
|---|---|---|---|
| 12 APR 1991 34 | | | |

جملہ حقوق محفوظ ہیں

اِنَّ مِنَ الشِّعرِ لَحِکمَۃً وَاِنَّ مِنَ البَیَانِ لَسِحراً

# ارژنگ خیال

یعنی

## حصہ اول

کلیات عمدۃ الشعرا و زبدۃ الادبا لسان الملک الملتہ عالیجناب مستغنی
عن الالقاب **مولوی سید محمد ضامن صاحب ضامن** کنتوری

مولف و مترجم
ارمغان فرنگ - عبرتکدۂ سندھ - آثار عرب وغیرہ - سابق مدیر رسالہ
استبصار رائے بریلی

مرتبہ

خاکسار محمد فیاض لکھنوی المتخلص بہ **فیاض**

مطبوعۂ

گورنمنٹ سنٹرل پریس حیدرآباد دکن

اظہر نوشت

قیمت - قسم اول (سے) قیمت - قسم دوم (عاں)

هو المتکلم

# دیباچہ مصنف

## حامداً و مصلیاً

اس زمانہ کساد بازاری میں جبکہ شاعری ایک بانگ بے ہنگام سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی کسی شاعر کا اپنے کلام کو طبع اور شائع کرنا آب بہ غربال گرفتن کا مصداق ہے لیکن واردات و کیفیات ہمیشہ واردات و کیفیات ہیں، و حقائق و معارف ابدالآباد تک حقائق و معارف شاعری ایک فطری جذبہ ہے جو کبھی فنا نہیں ہو سکتا البتہ اس کا اچھا یا برا استعمال اکتسابی استعداد اور ذوق خداداد پر منحصر ہے ؎

لفظ بیکاری ندارد نسخۂ باغ وجود * حیرت آئینۂ شو ہر سبزہ طوطی نامہ ایست

ہرچند کہ یہ مختصر مجموعہ جو اہل نظر کے پیش نظر کیا جاتا ہے تحفۂ برگ سبز سے بھی مناسبت نہیں رکھتا تاہم اگر دیکھنے والے اتنا دیکھ لیں اور سمجھنے والے اتنا سمجھ لیں کہ ؎ در حسرت دیدار نگہ تا مژہ اشک است تو شاعر کی جگر پالائی کا یہی کافی و وافی صلہ ہے ؎

جمال تا نہ شود مائل نظارہ خویش * ز آئینہ نتواں عرض ناز فہمیدن

ز ہر دلی کہ بہ این رنگ گل کند آہے * تواں حقیقت چندیں مجاز فہمیدن

بندہ بے نیاز

ضامن کنتوری

حیدرآباد دکن

U 1170

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آزاد دہلوی

ہر شے میں جلوہ گر ہے نور جمال تیرا
ہر برگ کاہ سے ہے ظاہر کمال تیرا

پروانہ کو محبت خورشید کی ہے بیجا
دل اور خیال تیرا ! میں اور وصال تیرا

کون و مکاں کے جلوے جچتے نہیں نظر میں
ہے جب سے دیدۂ دل محو جمال تیرا

الفت کا تیری دل کو جسکا بُرا پڑا ہے
چھٹنا محال اسکا ملنا محال تیرا

دیتا نہیں گذرنے کوئی خیال دل میں
کیسا اٹکھرا ہے پیارے خیال تیرا

رحمت پہ کر بھروسہ توبہ کے در کھُلے ہیں
کام آرہے گا اک دن یہ انفعال تیرا

بس ایک شب کی خاطر ساری ہوا و شہ تھی
اے بدر ہم نے دیکھا اوجِ کمال تیرا

سارے جہاں میں تو نے آزاد کس کو چھوڑا
پھیلا ہوا ہے پھر کیوں صیاد جال تیرا

رہتا ہے کس کی خاطر ہر دم اُداس ضامن
ہم نے کبھی نہ دیکھا چہرہ بحال تیرا

یگانۂ عالم خوبی میں وہ حبیب ہوا
یہ حسنِ خلق کسی کو کہاں نصیب ہوا

سوائے عشق نہ تھا کوئی چارہ ساز اپنا
یہی مرض یہی دارو یہی طبیب ہوا

ہم اپنی جان میں اور اوسمیں فرق کر نہ سکے
بعید رہ کے بھی وہ اس قدر قریب ہوا

کبھی کہے گا نہ کوئی اُسے غریب دیار
ترے دیار میں جو آن کر غریب ہوا

شہید عشق کا اللہ رے عروج و وقار
کہ نردبان فلک پایۂ صلیب ہوا

ہم اک الٹتے رہے نسخۂ وفا کے ورق
کوئی حکیم ہوا اور کوئی ادیب ہوا

ترے سوا کوئی کیا دے صلائے ادعونی
ہیں مستجاب دعائیں کہ تو مجیب ہوا

خدا کے بندوں نے عہد الست بھی توڑا
بتوں کے عہد میں یہ حادثہ عجیب ہوا

دکھائیں ہم نے کیا کیا ڈراونی شکلیں
خیال غیر کا پتیارہ مہیب ہوا

دیار دل میں اڑائے جو آہ نے جھنڈے
تو نالہ فوج و غم و درد کا نقیب ہوا

یہ اٹھتے بیٹھتے کی ہے دعائے دولت حسن
زمانہ کہتا ہے ضامن ترا نقیب ہوا

غزل

قلب بیتاب خیال رخ جاناں میں رہا
مرغ بے پر ہوس سیر گلستاں میں رہا

دل وحشت زدہ میں خار الم سینکے چبھا
تار باقی جو کوئی جیب و گریباں میں رہا

گردش بخت یہاں پاؤں لگا چکر نہ وہاں
مجھکو یکساں ہے وطن میں کہ بیاباں میں رہا

گرچہ یوسف نہیں لیکن ہے زمانہ کو عزیز
کوئی بیچے ہم اگر ظلم کے زنداں میں رہا

دست شوق ایک گھڑی کے لئے بیکار نہیں
اون کے دامن سے ہٹا میرے گریباں میں رہا

ایک ہی ہمکو وجود اور عدم آب بقا
جو بچا خضر سے وہ چشمۂ حیواں میں رہا

اثر ولولۂ عشق نہ پوچھو ضامن
حیرت حسن بنا اور دل حیراں میں رہا

سنگ سری جو یہ ہے اعتبار کیا ہوگا
نظر میں یاروں کی اپنا وقار کیا ہوگا

نہ پاس دنمع نہ ہے ننگ و نام ہی کچھ کام
جہاں میں ہم سا کوئی ہرزہ کار کیا ہوگا

گنہ کی شرم سے خوں ہو کے بہ گیا دلِ زار
اب اور قبر میں یارب فشار کیا ہوگا

زمیں ہی کو ہے جب بارِ مشتِ خاک اپنی
سرِ فلک پہ عروجِ غبار کیا ہوگا

ہے داغ ہو کے بھی دل لالہ کا گلشنِ عشق
خزاں جب ایسی ہے رنگِ بہار کیا ہوگا

اسیرِ دامِ غمِ روزگار ہیں جو لوگ
غمِ محبت انہیں سازگار کیا ہوگا

جب آرزو نہیں کیوں دلمیں آرزو کے ہوں داغ
اس اجڑے گھر میں یہ نقش و نگار کیا ہوگا

وہ نام چھوڑ جو سب کے دلوں پہ نقش رہے
کتابۂ سرِ لوحِ مزار کیا ہوگا

ریاضِ عشق کو خونِ جگر سے سینچا ہے
خزاں یہ باغِ ہمیشہ بہار کیا ہوگا

سکونِ قلب غلط۔ ترکِ آرزو معلوم
بغیر موت کے حاصل قرار کیا ہوگا

ہماری کشت سے برقِ فنا کو چشمک ہے
جو ہو بھی ابرِ کرم آبیار کیا ہوگا

عدو کا قلب ہوس دوست اور داغِ وفا
یہ شورہ زار بھلا لالہ زار کیا ہوگا

یہی کہ پھونک دے سیرے ہی دل کا خرمنِ صبر
ہوئی بھی آہ اگر شعلہ بار کیا ہوگا

دلوں پہ خود غرضی چھاتی جاتی ہے ضامن
جب اپنے غیر ہوئے غیر یار کیا ہوگا

تپش یہی ہے تو انجامِ کار کیا ہوگا
مآلِ عشق دلِ بیقرار کیا ہوگا

کب اس کے پاس ہو وہ دل جو خون ہو کے بہے
ہماری طرح سے ابرِ اشکبار کیا ہوگا

ہمیشہ جام تھا اس میکدہ میں اپنا تہی
سرور ہی نہیں آیا خمار کیا ہوگا

کہاں کہاں نہ لگائیگا آگ رنگِ حنا
بنے یہ ہاتھ جو شاخِ چنار کیا ہوگا

تھی پہلے دل کی طلب کن خوشامدوں سے اور اب
دیا تو یہ کہ یہ ہے داغدار کیا ہوگا

ملے گی داد غریبوں کی لوگ کہتے ہیں
پھر آپ جانیئے روزِ شمار کیا ہوگا

اگر اسی شبِ فرقت کا دوسرا رخ ہے
ہمارا کام بروزِ شمار کیا ہوگا

مری نگاہ سے چھپنے کو رخ پہ کھولی ہے زلف
اگر الجھ گئے باہم یہ تار کیا ہوگا

کہیں چٹکتے ہیں غنچے کہ ٹوٹی توبۂ شیخ
یہ شور دیکھ تو اسے بادہ خوار کیا ہوگا

بہت ہوا تو ہے دوران سرِ فلک کی طرح / بلند ہو کے سرِ افتخار کیا ہوگا

ذرا میں دل کو تو پہلو میں دیکھ لوں ضامن
وہ دیکھتے ہیں ادھر بار بار۔ کیا ہوگا

۲۱۵

غبار اپنا جو اس دامن سے دور اے نازنیں ہوگا / کہاں جائیگا ننگِ آسماں بارِ زمیں ہوگا
چھپے گا دلمیں کب تک شیخ کے ذوقِ ریاکاری / یہ دھبہ بڑھتے بڑھتے ایک دن داغِ جبیں ہوگا
تمھیں دلداریاں آتی ہیں تم جانو خبر رکھو / نہ پوچھو بیدلوں سے دل کہاں ہے؟ دل کہیں ہوگا
ہمیں کیا دل گنواؤ جان کھوؤ پر یہ کہتے ہیں / یہ گیسو۔ یہ سیہ گیسو۔ یہ مارِ آستیں ہوگا
کہو تم۔ سنتے ہیں ہم۔ لیکن اسکی یاد بھولیگی / جو مالک بن کے جان و دل کا ناصح دلنشیں ہوگا
مری فریاد۔ اور واں تک پہنچے میں نہ مانونگا / وہ اتنا دور ہوگا؟ جو رگِ جاں سے قریں ہوگا
فریب آہنگ ہے سازِ نشاطِ محفلِ ہستی / جگر چاکی میں گل کا خندہ عشرت آفریں ہوگا؟

بہائے گوہرِ معنی سے ہے تحسیں نکتہ سنجوں کی
خریداران جواہر ریزوں کا ضامن ہیں ہوگا

۱۳۲۵

یہی رونا ہے جو اے دیدۂ تر کیا ہوگا / میں کہاں جاؤں گا یہ شہر یہ گھر کیا ہوگا؟
دیکھیے پوٹ گناہوں کی بڑھی جاتی ہے / کون اٹھائیگا اسے وقتِ سفر کیا ہوگا
عشق ہے عربدہ جو پہلے ہی سے جانتے تھے / جو کچھ آئے ترے جی میں وہی کر کیا ہوگا
حسنِ سیرت نہیں جب ہیچ ہے سب دولتِ حسن / زرِ گل پھر گلِ تصویر کا زر کیا ہوگا
بالِ پرواز نہیں طاقتِ رفتار نہیں / پھر اسیری کا الم قید کا ڈر کیا ہوگا
ہر طرف ناز کے انداز کے پہرے ہوں جہاں / ایسی محفل میں غریبوں کا گزر کیا ہوگا
لیکے دیکھو تو ذرا دل کو یہ ہے گنجِ وفا / ہم نے مانا نہ سہی نفع۔ ضرر کیا ہوگا
جان انمول سہی جائیگی اک روز ضرور / پھر ترے عشق ہی میں جائے اگر کیا ہوگا
سچ تو ہے نکلیں جب ارمان ہو تم دلمیں / یہ چقلش ایسی ہو جس گھر میں وہ گھر کیا ہوگا

ضامن اب رہنے ہی دو شعر جسے شعر کہیں
ایسی حالت میں سرِ راہگذر کیا ہوگا

کیا نباہوں یار کے کوچہ سے میں کیونکر اٹھا
سانس نے دابا گلا۔ دم رک گیا۔ پھر گر پڑا
دیکھ ساقی آسماں پر چھائی رحمت کی گھٹا
تیکھی چتون کس لئے دلدوز باتیں کس لئے
منعم اتنی حرص دنیا ہے دلیل ابلہی!
میر اداں جاتا تھا غیروں پر بلا نازل ہوئی
اللہ اللہ موت کو بھی دل لگی سمجھے ہیں وہ
قبر میں کچھ پوچھنے کو آئے تھے منکر نکیر
پھر دل مایوس ابھرا ہے تری امید پر
جوشِ طوفاں دب گیا اب کچھ موافق ہے ہوا

دل اٹھا دنیا سے اوسکے در سے جب بستر اٹھا
محفل جاناں سے اٹھا میں مگر مر کر اٹھا
طاق سے لے شیشۂ مے ہاتھ میں ساغر اٹھا
قتل ہی کرنا ہے گر تلوار لے۔ خنجر اٹھا
کس سے غیر از گاؤ یہ بارِ گراں ای خر اٹھا
ایک ہنگامہ مچا آفت کا شور و شر اٹھا
کہتے ہیں بیدار ہو ہم آئے ہیں لے سر اٹھا
ہو گئے دم بند جیب میں یا علی کہکر اٹھا
یا کہ صحرا میں بگولا کھا کے اک چکر اٹھا
ناخدا سے کہئیے پردے چھوڑ دے لنگر اٹھا

لاکھ چاہا چھپ سکا ضامن چھپانے سے نہ راز
نقشِ الفت دل میں بیٹھا داغ سینہ پر اٹھا

حباب یم اشک ہے دل کسی کا
کہ واں ہے دامانِ ساحل کسی کا

محافظ ہے جب تو کیا بحر کیا بر
نہ کشتی کسی کی نہ ساحل کسی کا

قدح میں ہے لالہ کے خونِ بہاراں
کہ ہر جام [illegible] ہوا دل کسی کا

کس انداز سے کہتی ہیں [illegible] کرکے
یہی تھا تم[illegible]را دل کسی کا

یہی کارخانے ہیں دنیا کے ضامن
کہ خرمن کسی کا ہے حاصل کسی کا

دل ناداں کی ہوس کا ریو نسے کیا ہوگا
اوس کو منظور جو ہوگا وہی اچھا ہوگا

شادیٔ وصل و غم ہجر ہیں کہنے کے لئے
جب دوئی ہوگی تو ہر حال میں رونا ہوگا

غیر اپنا ہو کسی طرح سے ممکن ہی نہیں
تفرقے لاکھ پڑیں غیر نہ اپنا ہوگا

آفتاب آگیا سر پر تو ہیں پھر ایک کے ایک
گو گھڑی بھر کو جدا جسم سے سایا ہوگا

عارضی فصل سے ہے تمہید وصالِ جاوید
قطرہ سو گردشوں کے بعد بھی دریا ہوگا

ذرہ و ذرہ میں وہی شکل نظر آئے گی
عشق گر سرمہ کشِ چشمِ تماشا ہوگا

محفل آرائے تصور مری غفلت ہوگی
چشمِ سر بند مگر دیدۂ دل وا ہوگا

اوس کا عشرت کدہ ہوگا دل نیرنگ اساس
اوس کا خلوت کدہ آغوشِ تمنا ہوگا

عکس جس طرح سے ہے شخص کی ہستی کی دلیل
قیس اک آئینۂ صورتِ لیلیٰ ہوگا

پھونک دیگی خس و خاشاکِ ہوس برقِ جمال
زیرِ چرخ وفا داغ سویدا ہوگا

ہوگا حائل نہ حجابِ من و تو جب ضامن
جلوہ گر رابطۂ صورت و معنیٰ ہوگا

یاں جو سمجھے ہیں بڑے انکو بھی روتے دیکھا
اشک شبنم ہی سے منہ پھولوں کو دھوتے دیکھا

فکر احساں کی کریموں کو ہوئی وجہ ملال
نفعِ دہقاں کے لئے ابر کو روتے دیکھا

خوابِ خرگوش میں افسوس کٹی ساری عمر
اب جو بیدار ہوئے بخت کو سوتے دیکھا

جو کیا تونے وہ تھا وہم و گماں سے خارج
اپنی خواہش کو نہ پورا کبھی ہوتے دیکھا

بات کیا ہے کہ تمہیں جب کبھی دیکھا ضامن
آستیں آنسوؤں سے ہم نے بھگوتے دیکھا

کب عشق میں برگشتہ مقدر نہ ہوا تھا
کس دن یہ مرے یاد لگا جگر نہ ہوا تھا

جبتک مرا دل ۔ دل تھا ترا گھر نہ ہوا تھا
ہر نقشِ تمنا بتِ آذر نہ ہوا تھا

قد جتنا بڑا زلف میں اُتنے ہی پھنسے دل
اک دن تھا کہ یہ سرو صنوبر نہ ہوا تھا

یوسف کہیں اس بت کو مگر فکر یہی ہے
مسجود کبھی کوئی پیمبر نہ ہوا تھا

ٹکڑوں سے گلے مل کے صبا ہوگئی رخصت — وا بھی ابھی آغوش گل تر نہ ہوا تھا
اتنی ہی کشش میں ہوئے توبہ کے جدا بند — خمیازہ یہ خمیازہ کہ ساغر نہ ہوا تھا
واں اشک ندامت سے ہوا سر و جہنم — یاں دامن مژگاں بھی ابھی تر نہ ہوا تھا
کیا قدر تنک مایہ ہو۔ دنیا میں کہیں بھی — شبنم کا گہر زینت افسر نہ ہوا تھا
برق نظر اور مزرع دل پوچھئے کیا ہو — اک تخم محبت ہے کہ اخگر نہ ہوا تھا
تھا کلک قضا صورت یوسف پہ بھی نازاں — اوس وقت کہ تو نقش مکرر نہ ہوا تھا

کیا جانے حبیب اٹھ گئے سے ترے ضامن
درس سخن اچھی طرح ازبر نہ ہوا تھا۔

غزل

کی ہی جو بے اعتنائی کیا ہوا — وہ بت ناآشنا کس کا ہوا
کس نے لیا میرا دل یہ کیا ہوا — دل کی جگہ درد کیوں پیدا ہوا
دل تمھیں دیکر ملا یہ پھل مجھے — خوار ہوا در بدر رسوا ہوا
موسم گل ساقیا زوروں پہ ہے — حیف ہے نشہ ہو گر اترا ہوا
تیغ نظر کام اپنا کر گئی — جان گئی دل کے ساتھ اچھا ہوا
فوج الم نے لیا بس دل کو گھیر — اک علم نالہ کیا برپا ہوا

کہتے ہیں ضامن نہ دل اوس سے لگا
وہ بت ناآشنا کس کا ہوا

غزل

زندگی میں تو یہ عذاب نہ ملتا — جاں ملی تھی دل خراب نہ ملتا
گر دکھاتا نہ تو کرامت ساقی — ماہ سے جھک کے آفتاب نہ ملتا
میں بھی ہوتا ترے حجاب کا قائل — غیر سے تو جو بے حجاب نہ ملتا

عشق صادق تھا رہا سے زلیخا
ورنہ بچھڑا ہوا شباب نہ ملتا

سرد مہری تمہاری جلنے نہ دیتی
دل کو اتنا جو التہاب نہ ملتا

کیوں پھنسا کہہ کے بد عذابیں واعظ
گر نہ ملتا ہمیں ثواب نہ ملتا

دل جو غواص بحر عشق نہ ہوتا
آنکھ کو یہ دُرِ خوش آب نہ ملتا

کہیے سودائی کہیے عیب ہی کیا ہے
ہم کو دربار سے خطاب نہ ملتا

خوش ہوں وہ میری عرض پر جو خفا ہیں
بس یہی کیا تھا جو کچھ جواب نہ ملتا

شکر ہے رحمتوں سے کم ہیں خطائیں
پھر قیامت تھی گر حساب نہ ملتا

تو نہ تھا کیا گدائے میکدہ ضامن
کیوں تجھے ساغرِ شراب نہ ملتا

عشق دشوار بہت تھا مگر آساں سمجھا
درد سمجھے جسے سب میں اسے درماں سمجھا

باغباں باغ کو ہے گل کی ہنسی چمک برق
کیا سمجھ کر اسے تو عیش کا ساماں سمجھا

دیدۂ آبلہ اور خار بیابانِ جنوں
تیرا دیوانہ مگر سایۂ مژگاں سمجھا

دل میں ذوقِ گنہ آنکھوں میں فروغِ رحمت
خطِ ساغر کو معافی کا میں فرماں سمجھا

حیرتِ آئینۂ حسن ہے بیتابیٔ عشق
میری وحشت کو وہ تمکین کا عنواں سمجھا

سرگرانی تھی جو ہنگامۂ ہستی سے بہت
کنجِ مرقد کو بھی میں حشر کا میداں سمجھا

جب سے نیرنگِ حقیقت کا تماشا دیکھا
ہم نے ہر قطرہ کو جولاں گہِ عماں سمجھا

راحت اس دارِ فنا میں نہ ادسی کیلئے جب
غم کو کم اور مسرت کو فراواں سمجھا

اُف رہی واماندگیٔ پائے حقیقت طلبی
ذرہ کے چاکِ جگر کو میں بیاباں سمجھا

شکوہ کو شوخ نے اظہارِ تشکر جانا
تارِ اشکوں کا بندھا سبحۂ مرجاں سمجھا

روح کو جسم کے اندر جو پرافشاں پایا
دل پر شوق نکلتا ہوا ارماں سمجھا

داغ بھر کے تو یہ جانا کہ ہے گلزارِ خلیل
دل ہوا خون تو میں رنگِ بہاراں سمجھا

عرضِ مطلب پہ نہ پایا کبھی مطلب کا جواب
اور جو پوچھا کہو سمجھے تو کہا ہاں سمجھا

دل کے کھو جانے کی روداد کہوں کیا **ضامن**
طاقِ نسیاں تھا جسے ابروئے جاناں سمجھا

١٢٣٢

میں کیا، مرا وجود بھی کوئی وجود تھا
تھا بھی اگر تو بے خبر ہست و بود تھا

بے بود ہے جو کچھ ہے جو تھا بے نمود تھا
اک تیری ذات کے لئے واجب وجود تھا

دستِ قضا نے مجھ کو دیا بھی تو وہ لباس
ثابت نہ جس میں تار کوئی اور نہ پود تھا

آدم کو وجہ قطعِ منازل تھیں لغزشیں
وہ عارضی فراق نویدِ خلود تھا

یکساں ہے یاں کی عشرت و عسرت گذشتنی
ہر حال میں کفیل ترا دستِ جود تھا

وودی ہوئی ہے نبض کی رفتار آجکل
یا دو دو آہِ دل کا فلک پر صعود تھا

دل لگئی نگاہ میں سمجھا کہ دل ملا
یہ کون دیکھتا ہے زیاں تھا کہ سود تھا

ق

نیرنگیاں تھیں پردہ کشِ اعتبارِ رنگ
کیا کیا نہ دلفریب طلسمِ وجود تھا

دیکھا بغور جب تو جھلک سیمیا کی تھی
دھوکا نظر کا سرخ و سیاہ کبود تھا

گر گر پڑا ہوں خوف سے تیرے خیال پر
ظاہر میں پائے بندِ رکوع و سجود تھا

ہر چند دور ہیں تھی نظر حسن بے حجاب
دل پردہ دارِ جلوۂ بزمِ شہود تھا

دنیا سے دل اٹھا کے ترے در پہ آ جمے
اپنی نماز یہ بہ قیام و قعود تھا

**ضامن** رہے خموش جو ہم اون کی بزم میں
واں پر کچھ اور شیوۂ گفت و شنود تھا

١٢٣٥

ہم کو جانا جو تم نے کیا جانا
خیر اچھا کیا بُرا جانا

نہ پری اور نہ مہ لقا جانا
کھو کے دل تم کو دلربا جانا

*

جا ملے اوس سے جو تھا خضر طریق | گھر کبھی پایا جو راستہ جانا
نہ حقیقت نہ معرفت سمجھے | کچھ نہ جانا کہ ہم نے کیا جانا
میری خواہش میری مراد ہی کیا | شرط ہے اون کے جی میں آجانا
چاہیے رکھ رکھاؤ بھی تھوڑا | سہل ہے دل کسی کا پا جانا ؟
ہڈیاں بھی نہ چھوڑنا اے غم | ہے قسم تجھ کو یوں ہی کھا جانا
ق
حسن کو بے نیاز جب دیکھا | عشق کو درد لا دوا جانا
عشوہ کو محشر آفریں پاکر | ہر میں دل کو مرا ہوا جانا
ہجر میں نالہ نارسا نکلا | شوق کو طاقت آزما جانا

اپنی روداد کیا کہیں ضامن
دل کا آنا تھا جان کا جانا

دل حسرتوں سے عشق کو خالی نظر پڑا | منزل سمجھ کے اپنی یہیں پر اتر پڑا
پہلو میں رہ کے اس نے ہمیں کو کیا فریب | دل پر بھی صحبتوں کا تمھاری اثر پڑا
اوس چشم مست خواب کو چھیڑا غضب کیا | تھا شیر نر کہ ٹوک دیا اور بپھر پڑا
یہ جانتا اگر تو ملاتا نہ ہاں میں ہاں | بیٹھے بٹھائے عشق کا جھگڑا اک سر پڑا
یوں کون پھینکتا ہے تمھاری گلی میں دل | دو چار ادھر پڑے ہیں تو ایک آدھ اودھر پڑا
پیری کی صبح آئی اور اپنا یہ حال ہے | سوتا ہو جس طرح سے کوئی بے خبر پڑا
ملتی ہے تم کو یوں ہی پڑی گر متاع دل | کیوں ڈھونڈتے نہیں کہیں ہی شہر بھر پڑا

ضامن بتوں سے دل کو بچائے ہوئے رہو
شیشہ ہے ٹوٹ جائیگا پتھر پہ گر پڑا

ہر شے میں ترا جلوۂ زیبا نظر آیا | مجھ کو تو اندھیرا بھی اجالا نظر آیا

تو وہ ہے کہ چمکا جو ترا نیرِ اجلال
خورشیدِ جہاں تاب بھی ذرہ نظر آیا!

دیکھا میری بیتابیِ دل کو بھی کسی نے
مجھ کو تو زمانہ تہ و بالا نظر آیا

واعظ کو بلاؤ کہ توبہ کی خبر لے!
ساقی لیے پھر ساغر و مینا نظر آیا

جلوت تھی کہ خلوت تھی حقیقت کہ تصور
ہوں نقش بہ دیوار وہ نقشہ نظر آیا

ہر گوشہ میں وہ نکلے اسی جلوہ کی جھلک سے
ہر داغِ جنوں مجھ کو سویدا نظر آیا

کچھ نظروں ہی نظروں میں ہوئی قیمتِ دل طے
بِکتا ہوا کچھ آج تو سودا نظر آیا

پھرتے ہوئے اک چشمِ فسوں ساز کو دیکھا
مٹتا ہوا ہر نقشِ تمنا نظر آیا

یاں گوشۂ عزلت میں ہے سیر اک جہاں کی
کس سے کہیں ضامن ہمیں کیا کیا نظر آیا

ترے علاج سے اے چارہ ساز کیا ہوگا
گھٹا جو دردِ جگر دردِ دل سوا ہوگا

محیطِ آز میں گر دل سا ناخدا ہوگا
ہماری زورقِ ہستی کا حشر کیا ہوگا

ہمیں دل کے دینے میں کرتا نہ اس قدر جلدی
یہ کیا خبر تھی کہ وہ دیر آشنا ہوگا

سوا نہ آہ سے جب کچھ تو نالہ کیا کرتے
وہ بے اثر تھی جہاں یہ بھی نارسا ہوگا

کسی کے حصہ کا غم ہو ہمیں کو دے اے چرخ
بچے گا آج سے جو کل کا ناشتا ہوگا

فروغِ حسن جہاں سوز ہوتا جاتا ہے
خدا ہی جانے کہ انجامِ عشق کیا ہوگا

شراب پی کہ ہے میراثِ جم نہ کھا غمِ دہر
کبھی سحابِ الم سایۂ ہما ہوگا

حریفِ شورشِ محشر ہے بیخودی اپنی
نہ گوش زد کبھی واعظ کا ہمہمہ ہوگا

ہے کحلِ چشمِ بصیرت ترا جمالِ جمیل
وہ کور ہوگا جو محرومِ توتیا ہوگا

ترے کرم پہ جو تکیہ رہے یونہی مالک
سریرِ بادشہی نقشِ بوریا ہوگا

جنابِ شیخ کی گوں کا نہیں ہے ضامن رند
یہ پارسا بھی جو ہوگا تو بے ریا ہوگا

ذوقِ صہبائے طرب اندہ فزا ہو جائیگا
بڑھتے بڑھتے قطرہ طوفانِ بلا ہو جائیگا

ہو اگر چشمِ تماشا ایک ہی غیب و شہود
جائیں گے کعبے جو ویراں بتکدہ ہو جائیگا

موجِ بال افشانیِ بلبل ہے طغرائے بہار
ہو نہ دیکھے گل کہاں تک خود نما ہو جائیگا

تجھ پہ تو یہ ہستیِ موہوم پہ اتنا غرور
ابنِ آدم آدمی بن کیا خدا ہو جائیگا

دیکھ سے بہرِ رگِ اندیشہ نشترِ وہمِ غیر
شکوے کا دفترِ بیانِ مدعا ہو جائیگا

ہاں نشاط آہنگ ہے بادِ سحرگاہِ بہار
خندہ لیکن گل کو آوازِ درا ہو جائیگا

عقدہ ہے ضامن یہ تیرے رشتہ تقدیر کا
ایسی آسانی سے وا بندِ قبا ہو جائیگا؟

خیالِ داغِ قلبِ لالۂ حمرا نہیں جاتا
ترا عاشق توہم پیشہ ہے سودا نہیں جاتا

یہ صحرا ہے ہمارا قیس یاں کیوں ٹھوکریں کھائے
کہو اوس سے ادھر سے ناقۂ لیلیٰ نہیں جاتا

مجھے بہلاتے ہیں شیخِ حرم اک زمزمی دیکر
یہ کیا جانیں مذاقِ ساغرِ صہبا نہیں جاتا

نمک اور نہ دستاویز آئے واں سے دل دیدہ
نہ سمجھے یہ بھی آخر مال ہے پھیکا نہیں جاتا

چلے تھے نقدِ ہستی لیکے تیری جستجو کرنے
وہ نکلا ناروا بے زادِ اداب جایا نہیں جاتا

دو عالم جلوہ گاہِ حسن ہیں جس کی تماشا ہے
اوسی کا طالبِ دیدار سے پردہ نہیں جاتا

میں سمجھا تھا ہیں دونوں گھر خدا ہی کی خدائی میں
حرم کو بتکدہ سے شیخ کیا رستہ نہیں جاتا؟

تجلی گاہِ جاناں دل ہے یا کہسار سوچو تو
جہاں جاتے ہو تم میں اوس جگہ موسیٰ نہیں جاتا

بہت ہموار آتے تھے نظر کوچے محبت کے
وہ ٹھوکر کھائی ہے اس راہ میں سنبھلا نہیں جاتا

نہیں ممکن ہے تجھ سے جب علاجِ وحشت اے ہمدم
تجھے پھر کیا اگر ربطِ سرِ خارا نہیں جاتا

جوازِ عام سے ہے ضامن جوازِ خاص میں داخل
نہ جائے قافیہ سے گر کہیں ایطا نہیں جاتا

وہ نقشِ سنگِ درِ زاہد جو طغرائے جبیں ہوتا
کہاں کے جیب و داماں پنجۂ وحشت مزاجب تھا
جو لذت آشنا ہوتا عتابِ ناز پرور کا
(۲۲) نہ سنتا اور نہ کہتا کوئی قصہ طور و موسیٰ کا
تو ہم فطرتی سے وجہ غفلت ورنہ انساں کو
ہر اک عالم تماشائی حجابِ بے حجابی کا
جو ہوتا دل کو ذوقِ نغمۂ سازِ حقیقت کچھ
شہود و غیب پردے ہیں تماشا گاہِ قدرت کے

نہ یہ داغِ ریا دیتا فریبِ آن واں ہوتا
جگر کا چاک بڑھتے بڑھتے چاکِ آستیں ہوتا
ترے حق میں بھی اے ناصح یہ سرکہ انگبیں ہوتا
وہ حسنِ عشوہ ساماں برق افگن گر کہیں ہوتا
دل ہر ذرہ مجرائے شعلہ نورِ یقیں ہوتا!
نہ یوں پردہ نشیں ہوتا نہ ایسا دلنشیں ہوتا
طنینِ پشہ کانوں کو سرودِ راستیں ہوتا
وہاں ہوتا ہے جو کچھ کیا برا تھا گر یہیں ہوتا

غبار کوچۂ جاناں ہوا اچھا ہوا ضامن
یہ جسم نازنین آخر کبھی رزقِ زمیں ہوتا؟

مرض بڑھتا نظر آتا ہے کچھ اے چارہ گر میرا
تامل کیوں ہوا نہیں نمود و بود شبنم کیا
طرب ہو یا طلب کیفیت انجام حسرت ہی
وہ تمثال فنا ہوں صفحۂ ارژنگ ہستی پر
نوید مرگ ذوقِ تاجِ زر ہے شمع محفل کو
(۲۳) کمندِ شوق دل کو لے گئی بامِ حقیقت تک
دل آہنگ وفا چھیڑے تو شک ہوتا ہے نالو کا
ہوا ذوقِ تماشا طرح ریز خود فراموشی
خدا ہی ہے جو ہاتھ آئے نشانِ منزلِ مقصد
نہیں پابند مرکز گردشیں پرکارِ وحشت کی
جو از خود رفتہ ہو کیا فکر اسے قطعِ منازل کی

تمنائے سکوں دل سے ہے جگر میں سر میرا
ادھر جھکیے گا مہرِ حسن ادھر ہوگا سفر میرا
بھر آتا ہے وہیں دل جام خالی ہو اگر میرا
کہ مجھ سے پہلے اڑ جائیگو ہی رنگِ اثر میرا
خیال نفع جب کرتا ہوں ہوتا ہی ضرر میرا
فلک پرواز نکلا طائر بے بال و پر میرا
عجب وحشت نوا ہی پردۂ سازِ اثر میرا
تمثال آئینہ آغوشِ حیرت میں ہے گھر میرا
ہوس خضرِ طریقت اور ہے رستہ پر خطر میرا
نبیے گا جادہ کھچکر حلقۂ سیرت ادھر میرا
صراطِ مستقیم ذوق ہے تارِ نظر میرا

دل روشن ہا کب رہن طوفان ہوس ضامن
ہوا موجِ طلب کو مہد آسائش گہر میرا

مری وفاؤں کا محضر دل حزیں نہ رہا
دکھایا نقش تصور نے پایۂ تصدیق
مکان دہر نہیں جائے امن و آسائش
ریاض عشق میں ہے فیض عام داغوں کا
دکھایا کیوں تمہیں دل ہم نے وائے نادانی
تغافل اوسکو ہے اب غیر سے بھی مد نظر
تھی ہم کو پہلے ہی گردش فلک کج میں چکی

تھا نقش جس پہ ترا نام وہ نگین نہ رہا
زیادہ دیدۂ دل رہن دوربین نہ رہا
بعافیت کوئی دو دن یہاں مکیں نہ رہا
تہی یہاں کبھی دامان خوشہ چیں نہ رہا
خیال نرگس فتان سرمگیں نہ رہا
مرے لئے کوئی معیار مہر و کیں نہ رہا
سکون تجھ کو بھی کچھ روز اے زمیں نہ رہا

دکھائے ہم نے بہت سبز باغ ضامن کو
تری گلی کے سوا وہ مگر کہیں نہ رہا

محل اپنا ہی دل ہے ساری کلفت اور مسرت کا
ہمیشہ سے ہے جویا آدمی اسرار قدرت کا
ہے دل پہلو میں یا بجلی کا ٹکڑا کوئی پنہاں ہے
چلے ہیں سامنے مالک کے جنس ناروا لیکر
بڑھا کر حرص کا دامن عبث کانٹوں میں الجھائیں
خس و خاشاک سے امواج دریا نہیں رک سکتا
ہم اس دھوکے میں تھے واعظ کہ اک دن توبہ کر لینگے
تعجب کیا اگر دریائے رحمت کو بھی جوش آئے
ادھر دیکھو بہار داغ دل دیکھی نہیں تم نے

حقیقت میں نہیں معیار کوئی رنج و راحت کا
ابھی تک در مقفل ہے مگر گنج حقیقت کا
یہ فرقت کی ہے بیتابی کہ دیباچہ ہے وحشت کا
یہ حاصل ہے ہماری زندگی بھر کی ریاضت کا
وہ پیش آئیگا ہر حالت میں جو لکھا ہے قسمت کا
پڑا اک یاس میں پیچھے قدم ارباب ہمت کا
کھلا اب بند کر آیا ہے تو دروازہ جنت کا
ہے طوفاں خیز ہر قطرہ مرے اشک ندامت کا
مری اس اجڑی منزل میں ہے نقشہ باغ جنت کا

برا ہے عشق کا انجام ضامن سچ ہے یہ لیکن
کسی پر آکے پھر دشوار ہے رکنا طبیعت کا

ٹپکا پسینہ اون کے رخ بےمثال کا
لبریز تھا چھلک گیا ساغر جمال کا

آئینہ خیال مجلی اسی سے ہے
تحقیق دور کرتی ہے زنگ احتمال کا

حملوں سے کیا سباک کے ضرر اہل فکر کو
دامن ہوا سے اڑ نہیں سکتا جبال کا

کوشش سے بن ہی جائیگی کوئی نہ کوئی شکل
یہ مدعا ہے گردش چاک کلال کا

کھوتا ہے حسن طبع کو کب نقص ظاہری
روشن تھا نور قلب سے چہرہ بلال کا

گر خود نما ہے خلق میں ہو کوئی مستفیض
پردیں کے عقدہ کھولدے ناخن ہلال کا

ڈرتے ہیں لوگ موت سے کیوں آخر اسقدر
یہ خوفناک نام ہے تغیر حال کا!

دنیا کی صیدگاہ میں آزادیاں کہاں
ہر مرغ دل اسیر ہے دام خیال کا

سرو جہان و سرو چمن میں بہت ہے فرق
ضامن یہ ڈھنگ خوب نہیں ہے مثال کا

چارہ جب ہو نہ سکا عقل کی بیماری کا
نام رکھا گیا تقدیر خطا کاری کا!

مجمع حشر میں ہے شرم گنہ تیرے ہاتھ
میرے ستار یہی وقت ہے ستاری کا

پیش کر سکتے ہیں کب ہم کوئی بخشش کی دلیل
عذر مسموع نہیں مجرم اقراری کا

زخم دل نے مجھے اسطرح کی لذت بخشی
کبھی احساں نہ لیا مرہم زنگاری کا

لے ہی ڈالا نہ چلا عشق سے آخر کچھ زور
ورنہ دعوی تو بہت تھا ہمیں ہشیاری کا

اٹھیئے اس باغ سے یوں دوش صبا پہ ہو بار
بوئے گل کو ہے بہت ناز سبکساری کا

قافلہ کوچ پہ تیار ہے ضامن اٹھو تو
ہو چکی نیند بس اب وقت ہے بیداری کا تو

۱۳۲۳ھ

شمع ساں ہو کے قتیلِ تپشِ دل اٹھے
ہوشیار آیا تھا اس بزم میں غافل اٹھا

کشمکشِ کافِ کرم تیغِ دو دم تھی ہم کو
فرقِ ہمت سے نہ بارِ کفِ مقبل اٹھا

جوششِ رحمتِ حق دیکھیے کیا کرتی ہے
ابر بن کر تیغِ حسرتِ سائل اٹھا

آپ کھل جائیگا ہم کون ہیں اور کون ہو تم
بیچ سے گر کبھی یہ پردۂ حائل اٹھا

بدل بیجا نے کیا گد یہ گروں کو گستاخ
موجِ دریا سے غبارِ لبِ ساحل اٹھا

لوحِ ہستی نہیں مانوس حقیقت رقمی
نقش جب اسپہ اٹھا کوئی تو باطل اٹھا

اس کی جا نہیں جز زاویۂ کنجِ عدم
بہت ابھارا دنیا ہی سے جو دل اٹھا

ثمر خدمتِ اربابِ صفا ہے دل صاف
پہلے خرمن وہ لگایا تو یہ حاصل اٹھا

نہ ملی اشک کو نالہ کی رسائی ضامن
قدمِ شل نہ کبھی جانبِ منزل اٹھا

۱۳۲۲ھ

دل جا کے کوئے زلف میں پایا نہ جائیگا
اس راہ سے پلٹ کے پھر آیا نہ جائیگا

ساقی پلائے شوق سے جامِ مئے طرب
رنجِ خمار ہم سے اٹھایا نہ جائے گا!

ماما ہمارے نالہ میں تاثیر بھی سہی!
لیکن کسی کا دل تو دکھایا نہ جائے گا

صہبائے عشق منہ سے لگائیں نہ اہلِ ہوش
پی کر یہ جام ہوش میں آیا نہ جائے گا

کرتے ہیں دوست کیوں میری دیوانگی کی فکر
سر سے بلائے عشق کا سایہ نہ جائیگا

دیکھ اے صبا نہ چھیڑ کسی پائمال کو
اٹھا تو یہ غبار بٹھایا نہ جائے گا

ضامن شاہی ہو نہ کہیں دل سے داغِ عشق
پتھر کا نقش ہے یہ مٹایا نہ جائے گا

ہے کچھ کچھ موج میں عالم مرے حالِ پریشاں کا
وہ دریائے الم ہوں جو صدا مورد ہے طوفاں کا

اہی کشتی امید کا تو کھینے والا ہے !
کہ طوفاں خیز ہے عالم ہوا ہے بحر حرماں کا

سہئے کام جہاں سے ساغر حرماں بدلیں گے
تحمل بھی تو ہونا چاہئیے ساقی کے احساں کا

ایضاً

زلیخا عذر عصمت عشق کے آگے نہیں چلنا
گواہ چہرہ دستی چاک ہے یوسف کے داماں کا

ہوائے نفس ہے برہم زن جمعیت خاطر
بندھے شیرازہ کیونکر دل کے اجزا پریشاں کا

نہ ہو کس طرح سے ننگ اسیری میری آزادی
کہ دل پابند ہے موج ہوائے ساز و ساماں کا

ہم اے **ضامن** غریق قلزم ذخار حسرت ہیں
ہماری خاک پر احسان نہیں گور غریباں کا

کس کام کا ہے دل گر دلدار تک نہ پہنچا
بے قدر ہے جو سودا بازار تک نہ پہنچا

ہم کیسے مان لیں یہ نالہ گیا فلک تک
کیا ایسا فاصلہ تھا کیوں یار تک نہ پہنچا

پھیلائے پاؤں طول عمر خضر نے کیا کیا!
پر اون کے گیسوؤں کے اک تار تک نہ پہنچا

ایضاً

کیا میرا پارۂ دل اک پھول سے بھی کم تھا
یہ لعل کیوں تمھاری دستار تک نہ پہنچا!

روز ازل ہوئی تھی دونوں میں شرط لیکن
محشر کا فتنہ موج رفتار تک نہ پہنچا!

کب نبدۂ ہوا کو عزت ملی جہاں میں!
نغمہ کا گل کسی کی دستار تک نہ پہنچا!

آتے وہ یا نہ آتے وعدہ تو کوئی کرتے
یہ مژدۂ شفا بھی بیمار تک نہ پہنچا

انعام عام جب ہے تیرا تو پھر یہ کیا تھا
دو چار تک تو پہنچا دو چار تک نہ پہنچا

**ضامن** یہ پارۂ دل لعل گراں بہا ہے
کیا غم سخن تر اگر بازار تک نہ پہنچا

دل کہاں اونکے پاس یا ہوگا
یا تو رونے میں بہ گیا ہوگا!

کہتے ہیں مرگیا مریض فراق
تم نے بھی کچھ نہ کچھ سنا ہوگا

کرنہ سودا بدی کا دنیا میں
کچھ بھلا کر ترا بھلا ہوگا

ہے یقیں میرا نامۂ اعمال
اشک حسرت نے دھو دیا ہوگا

مایۂ دل ہے ایک داغ اے چشم
دھو گیا یہ بھی گر تو کیا ہوگا

اوسکو دینے میں دل ہمیں چوکے
کیا خبر تھی کہ بیوفا ہوگا

وصل کی بات بن کے پھر بگڑی
کچھ رقیبوں نے کہدیا ہوگا

کیوں ڈراتا ہے عشق سے ناصح
جان جائے گی اور کیا ہوگا

چھیڑتے کیوں یہ جان کر ضامن
باتوں باتوں میں وہ خفا ہوگا

سودائے زلف ضامن بہر خدا نہ کرنا
سر پر بلا نہ لینا دل پر جفا نہ کرنا

ناکامیوں کا خطرہ بدنامیوں کا ڈر ہے
بیمار غم کی عیسی ہرگز دوا نہ کرنا

دیکھا زبان و دل ہی باہم رقیب نکلے
افشائے راز الفت پھر بر ملا نہ کرنا

اپنا عدو ہو جو وہ ناصح کو دوست سمجھے
اپنا کیا نہ کہنا ان کا کہا نہ کرنا

بیتابی محبت اک شعبۂ جنوں ہے
میرے کہے سنے پر تم اعتنا نہ کرنا

رنگ پریدہ رخ تفسیر بیدلی ہے
عرض تمنائے الفت اسکے سوا نہ کرنا

کہنا وہ ہائے اونکا اتنا ہی حوصلہ تھا
ذکر وفا دوبارہ اسے بیوفا نہ کرنا

جیتے ہیں جینے والے مرتے ہیں مرنے والے
عاشق کے غم میں دیکھو تم زلف وا نہ کرنا

ہاتھوں سے اونکی ضامن چھوٹی عناں تمکیں
آہیں تو کر چکے ہو نالے ذرا نہ کرنا

دیتا ہے دل کو لطف نوا ہائے راز کا
نغمہ صریر خامۂ معنی طراز کا

ہوں ناظر نظارۂ اسرار کائنات — میرا ہر ایک شعر ہے گنجینہ راز کا
ترکش ضرور تیروں کے رکھنے کو چاہیے — گھر دل میں کیوں نہ ہو مژہ ہائے دراز کا
کچھ اور بڑھ گئی ہیں ادھر بے نیازیاں — الٹا اثر پڑا یہ فسونِ نیاز کا
اب دل کو آرزو بھی نہیں مہر و لطف کی — خوگر میں ہو چکا ہوں ستم ہائے ناز کا
اک عرصۂ دراز سے وہ سنگ آستاں — ہے سجدہ گاہ میری جبین نیاز کا

غزل

ضامن یہ رعب عصمت دلدار دیکھنا
وحشت میں بھی خیال ہے اخفائے راز کا

کوئی مونس ہے نہ ہمدم ہے نہ یاور اپنا — ہاں کچھ ارمان ہیں اور ایک مقدر اپنا
جز غم و رنج و الم وحشت و تنہائی و یاس — عشق کی راہ میں کوئی نہیں رہبر اپنا
ہوگا دنیا میں نہ ہم سا بھی کوئی خانہ بدوش — جس جگہ بیٹھ گئے بس ہے وہی گھر اپنا
ایک دو جام جو ساقی ہمیں دیدیتا ہے — زاہد بس ہے یہی بادۂ اطہر اپنا
دیکھیں ہے کس کے مقدر میں شہادت لکھی — سان پر آج چڑھاتے ہیں وہ خنجر اپنا
کوئی اتنا بھی نہیں ہے جو کرے چارہ گری — فائدہ پھوڑ کے اے وحشت دل سر اپنا
پوچھتے حال کچھ اس خانہ برانداز کا ہم — ایک دم بھی جو ٹھہرتا دل مضطر اپنا
کس لیے مفت میں بدنام کریں وحشت کو — کوہ و صحرا میں پھراتا ہے مقدر اپنا

غزل

کچھ نہ حاصل ہوا الفت میں تو نکلی ضامن
حال تم نے کیا بیفائدہ ابتر اپنا

کچھ حال نہ پوچھیے ہمارا — الفت نے بتوں کی مفت مارا
ان سے تو نہیں امید باقی — ہاں دیتی ہے آرزو سہارا

دل ہی نہ رہا ہزار افسوس — جھگڑا اٹھا جس کے دم سے سارا
باتیں نہیں کیں یہ سخت تم نے — پتھر مرے دل پہ کھینچ مارا
حیران ہوں خود کہ عرصۂ عمر — کیا جانیے کس طرح گذارا
کیوں سر پہ لیا یہ خون ناحق! — کیوں عاشق بیکس کو مارا
واللہ تری جفا نے ظالم! — دل کر دیا میرا پارہ پارہ
اللہ ری تیری بے وفائی — دل پاتے ہی کر گیا کنارا
کھو بیٹھے اوسے بھی ہائے افسوس — اک دل تھا جو آفتوں کا مارا
دعویٰ ہے تجھی سے خوں بہا کا — تیری ہی ادا نے مجھ کو مارا
دل سے زچ آ گیا تھا میں بھی — اچھا ہوا کر گیا کنارا!
دل ہی میں رہی امنگ دل کی — گو ہم نے اسے بہت ابھارا
اس بحر الم کا بھی الٰہی — ہو گا آخر کہیں کنارا

رکھیں کس سے امید ضامن
اللہ کا ہے مگر سہارا

جفا کرتے نہ تھا طالب میں تم سے مہربانی کا — مگر اس بیرخی نے لطف کھویا زندگانی کا
خیال یار گھبرایا ہوا ہے تنگیٔ دل سے — اس اجڑے گھر میں کچھ ساماں نہیں ہے میہمانی کا
بقائے محض تھی پہلے مگر تیری اداؤں نے — سکھایا ہے قضا کو یہ طریقہ جاں ستانی کا
سنوں کیونکر نہ مثل اشک شرم بے زبانی سے — کہ شمع بزم سے ہے شیوہ تری آتش زبانی کا
نہیں زنہار منشائے قناعت پستیٔ ہمت — مگر بے غیرتی کیوں ہو وسیلہ کامرانی کا
دو عالم کی بقا کا ہے فنائے عشق سرمایہ — یہ مرنا غازہ ہے روئے حیات جاودانی کا

نظر یہ انقلاب آئے سرائے دہر میں ضامن
کہ ہے غم کا محل وہ دل جو گھر تھا شادمانی کا

۱۳۱۳ھ

ملال کیا ہو نہیں ہے ضامن زمانہ گر دست دار اپنا
ہے اک مقدر رسا ہمدم اپنا ہے دل سا اک غمگسار اپنا
ہنیم معنی کی پرورش کو نہ کیوں رہے دا اکنار اپنا
کہ ہم نہ ہوں گے جہاں میں جسدم تو ہوگا یہ یادگار اپنا
وہ ذی حمیت ہے جو کسی حال میں نہ دے اعتبار اپنا
ہزار گردش ہوئی فلک سے مگر نہ کھویا وقار اپنا
عبث ہے اظہار عشق اے دل خموش کیا تجھکو اس سے حاصل
اوسے ترا اعتبار ہوگا نہیں جسے اعتبار اپنا
ہیں کہتے سب لوگ جس کو دنیا وہ ہے طلسمی کوئی مرقع
دلوں کو گرویدہ کرلیا ہے دکھا کے نقش و نگار اپنا
ہے میرا دل نخل زار حسرت یہاں عمل ہے سدا خزاں کا
چمک چمک کر دکھا رہی ہے کسے یہ جلوہ بہار اپنا
جو نشان حیا وہ سمجھے سمجھو شگاف تیغ حوادث اوسکو
فلک دلاتا ہے تم کو عبرت دکھا کے سینہ فگار اپنا

غرض نے خودداریوں کو ضامن بدل دیا چاپلوسیوں سے
ہزار افسوس اپنے ہاتھوں سے ہم نے کھویا وقار اپنا

نہ تو فصیح زمانہ اور نہ جلاد رہا
غیر کا وعدہ کیے جائیے جاتے جاتے
درسگاہ ہوس اب مدرسۂ عشق بھی ہے
مل گیا ظلم کا دنیا ہی میں ظالم کو عوض
مٹ گیا نام جو تصویر تری کھینچ نہ سکی

۱۳۱۳ھ

قصۂ ظلم زمانے کو مگر یاد رہا
کبھی ہو جائے گا پورا ابھی اگر باد رہا
نہ وہ شاگرد رہے اور نہ وہ استاد رہا
کرۂ نار سدا خانۂ حداد رہا
کچھ دنوں شہرۂ نقاشی بہزاد رہا

سرکشی اور ہے اور جرأت اخلاق اور
دیکھنا خانہ احساں کو نہ کرنا برباد

چھاؤنی یاس نے چھائی جو امیدیں نہ رہیں
کیا ہوا سرو اگر نام کو آزاد رہا

یہی اک گھر ہے جو ہر عہد میں آباد رہا
دل ہے وہ شہر اجڑنے پہ بھی آباد رہا

باتیں وہ کیجیے ضامن جو ہوں شایانِ وفا
لطف کیا لب پہ اگر شکوۂ بیداد رہا

۱۲۲

رہے دنیا میں نام نیک حاصل کر کمال ایسا
بقا ہو جس کو غافل ہے جمال ایسا نہ مال ایسا

بڑھایا بے نیازی نے تمہاری دلربائی کو
وگر نہ ہم نے دیکھا ہے بہت حسن و جمال ایسا

شکست توبہ سے بھی کم ہے جس کے ٹوٹنے کا غم
کہو جمشید سے رکھتے ہیں ہم جام سفال ایسا

الٰہی تو بچا دل کو کسی کی زلف پیچاں سے
نظر آتا ہے کچھ مجھ کو اس آئینہ میں بال ایسا

ہوا کیا تجھ کو حاصل ہم غریبوں کی اسیری سے
بچھایا کیوں بساط دہر پر صیاد جال ایسا

مریض عشق کی رشک مسیحا لے خبر جلدی
نہیں دیکھا کسی بیمار کا ہم نے تو حال ایسا

بنائیں کس طرح فرش رہ اغیار ہم اسکو
نہیں پروسعت اپنا یار داماں خیال ایسا

گراں اب بھی دلوں پر ہوں کہ جسم ناتواں میرا
کھٹکتا ہے عدو کے دیدۂ بدبیں میں بال ایسا

سنایا جاں فزا مژدہ کوئی قاصد نے کیا ضامن
نہ دیکھا تھا کبھی ہم نے ترا چہرہ بحال ایسا!

۱۲۳

قلب اپنا مطمئن نہ تہ آسماں ہوا
ایسا بھی ہوگا دل کوئی جو شادماں ہوا

دنیا میں پاس وضع کا وجہ زیاں ہوا
اچھا رہا جو تابع رسم جہاں ہوا

تقدیر تھی مخالف تدبیر ہر روش
جو کچھ ہمارے پیش نظر تھا کہاں ہوا

خوئے کرم کا ہوتا ہے اظہار وقت پر
رنگ اثر نہ روئے دوا سے عیاں ہوا

اوس کے خفا ہی میں رہنے میں ہے جان دل کی خیر
اچھا ہوا نہ یار اگر مہرباں ہوا

بدلا کبھی نہ مسلک رفتار اہل وضع !
مغرب سے آفتاب نہ اک دن عیاں ہوا

نشو و نما سے پہلے ہی پامال ہوگیا !
میں مثل سبزہ خلق تہ آسماں ہوا

ضامن ہمارا مایۂ ناز ایک دل تھا صرف
آج اونکی اک نگاہ میں وہ رائگاں ہوا

خوبی قسمت سے ساقی ہم کو ہرجائی ملا
بادپیمائی میں لطف بادہ پیمائی ملا !

جو ملا در سے ترے درخور دارائی ملا
سربلند کیا نشان داغ جبیں سائی ملا

دل وہی دل ہے جسے الفت میں داغ و نالے ملے
سوز زردشتی ملا ساز نکیسائی ملا

لگ گئی آخر ٹھکانے تیزی دندان آز
جب کہ خوان یاس پر حلم جگرخائی ملا

عشق کے ہاتھوں میں ہے اب حرمت ناموس حسن
دامن تمکیں سے دست ناشکیبائی ملا

عقل تھی آئینہ دار حیرت انجام کار
کیا کریں خلوت میں وہ محو خود آرائی ملا

کاش ہوتا قیس کو کچھ پاس آداب وفا
سفلہ تھا آخر لقب مجنون صحرائی ملا

خضر فرخ پے کہاں ہیں ہمکو راہ عشق میں
کوئی مجنوں کوئی وحشی کوئی سودائی ملا

بزم مستوں کی ہے ضامن جو دل چاہے ترا
چھیڑ حکمت کا ترانہ ساز دانائی ملا !

عشق عالم میں اگر باعث رسوائی تھا
کس لیے حسن طلب گار تماشائی تھا

اور دل تھا جسے دعوائے شکیبائی تھا
ہاں کبھی وصل کا اوس کے میں تمنائی تھا

تیری امید میں اعجاز مسیحائی تھا
ورنہ دشمن مری جاں کا غم تنہائی تھا

خلوت عاشق و معشوق تھی بزم حیرت
تھا از خود رفتہ وہ یہ محو خود آرائی تھا

عافیت سوز تھی انوار تجلی کی جھلک
وہی اچھا تھا جو نادیدہ تمنائی تھا

اون سے شکوہ ہے تغافل کا عبث اے دل زار
ساعی ناز نزاع عذر شکیبائی تھا

پختہ کاران محبت میں نہیں اون کا شمار
قیس مجنون تھا فرہاد بھی سودائی تھا

آج کافی نہ ہوئی وسعت داماں نظر
دولت دید کا مدت سے تمنائی تھا

خاک بھی ہو مری صرف خم و ساغر ساقی
نام رہجائے کہ یہ بھی کوئی صہبائی تھا

آپ کے نام سے بھی ہم تو نہ واقف ہوتے
اوسکا احسان ہے جو دیدہ تماشائی تھا

شکل اک آئینہ دل میں دکھا کر ضامن
کہدیا اون سے غلط دعوے یکتائی تھا!

وصف رخ زیبائے بتاں ہو نہیں سکتا
اللہ کی قدرت کا بیاں ہو نہیں سکتا

بیتاب ہے دل ضبط فغاں ہو نہیں سکتا
افسوس کوئی راز نہاں ہو نہیں سکتا

جو تار ہے تار نفس تفتہ دلاں ہیں
اوس زلف پہ سنبل کا گماں ہو نہیں سکتا

پر درد بہت ہے مرا افسانہ نہ پوچھو
کیونکر وہ سنو گے جو بیاں ہو نہیں سکتا

آنکھوں سے یہ ظاہر ہے کہ عاشق ہیں کسی کا
جبتک کہ نہ ہو آگ دہواں ہو نہیں سکتا

اک دل کے عوض ملتے ہیں لاکھوں درم داغ
ہاں عشق کے سودے میں زیاں ہو نہیں سکتا

جس شخص کی طینت میں نہیں لطف و مدارا
ہرگز کبھی ممدوح جہاں ہو نہیں سکتا

ہے عشق دل زار کو جس پردہ نشیں کا
اوس تک گذر وہم و گماں ہو نہیں سکتا

خم ہو گئی ضامن کی کمر بار الم سے
اس عمر میں یوں پیر جواں ہو نہیں سکتا

بحر کو قطرہ تو میں قطرے کو دریا سمجھا
ہے طلسم نظری ہستی دنیا سمجھا!

کس طرح دے کوئی یارب اسے الفت کا ثبوت
داغ دل میں نے دکھایا تو سویدا سمجھا!

کوئی بیجا تو نہ تھا حالت دل کا اظہار
پھر مرے کہنے کو کیا جانئے وہ کیا سمجھا!

شعبدہ چرخ نے تازہ جو دکھایا کوئی
تو اُسے بجان ہستی کا میں تماشا سمجھا

ہوگئی میری وفا خود غرضی پر محمول
خیر جو کچھ وہ ستمگر مجھے سمجھا! سمجھا

نہ رہی طاقت پرواز تو شاہین امید
ہستی طائر مقصود کو عنقا سمجھا

میں وہ مایوس تمنا ہوں کہ اے بخت سیاہ
سایۂ بال ہما کو ترا سایہ سمجھا!

کچھ ہوس نے حق و باطل میں نہ کرنے دیا فرق
شعلۂ خس کو بھی میں شمع تجلی سمجھا

کھو دیے ایسے غم فرصت ہستی نے حواس
چشمک برق کو بھی زیست کا عرصہ سمجھا

ناز بیجا کے اٹھانے کی ہے طاقت کس کو
ضامن اچھا ہوا اگر وہ مجھے جھوٹا سمجھا

لقب ہو اگر ہے مسیحا کسی کا
کیا کچھ کسی نے مداوا کسی کا!

ہے داغ چشم خورشید بہر تماشا
بہت دور پہنچا ہے شہرہ کسی کا

بنا ہے کہیں کوئی گلچین عشرت
اجڑتا ہے باغ تمنا کسی کا

کسی کی شبستان خلوت بنا دل
ہے شمع حرم داغ سودا کسی کا

ستم بھی بجا ہے جفا بھی روا ہے
جو ہو کچھ کسی نے بگاڑا کسی کا

ہے دلچسپ آہنگ ساز حقیقت
ہو رونا کسی کا کہ ہنسنا کسی کا

چراغ لحد ہوگا داغ تمنا
ہمیشہ رہا دل میں جلوہ کسی کا

ابھی تک ہیں چرچے زخود رفتگی کے
کیا تھا کسی نے نظارا کسی کا

مٹے ہم تو گر دیں جینا پڑیگا
ہے موقوف مرنے پہ آنا کسی کا

لگانے ہیں جو وار پڑتا ہو اوچھا
اونھیں بھاگیا ہے تڑپنا کسی کا

کوئی زہرہ وش آغوش میں ہے
ہے برج شرف میں ستارا کسی کا

تصور کی صورت گری دیکھ ضامن
کھچا صفحۂ دل پہ نقشہ کسی کا

غزل

سنبھالیگی دل خاک ہمت کسی کا — ہے منہ پھیر لینا قیامت کسی کا
ہوس نے جو کی حد سے بڑھنے کی خواہش — تو مانع ہوا رعبِ عصمت کسی کا!
بچھاتے رہیں گے پسند آگیا ہے — الٰہی بساطِ محبت کسی کا!
کہیں کیا سرِ بزم کیسا گراں تھا — نہ کرنا وہ صاحب سلامت کسی کا
تڑپتا ہے دل نالہ کرنے کو لیکن — ہے روکے ہوئے پاسِ الفت کسی کا
اگر زندگی ہے تبا دیں گے اکدن — کہ سچا تھا جذبِ محبت کسی کا

سراپا چلے دل لگانے کی ضامن
کریں گے پھر اب عشق حضرت کسی کا

غزل

ہم پہ ٹوٹا بھی اگر کوہِ الم کیا ہوگا — تم سمجھ لو اسے انجامِ ستم کیا ہوگا
دل ہیں میخواروں کے آئینۂ اسرار الست — ہاتھ آیا بھی اگر ساغرِ جم کیا ہوگا
نہ زمانہ ہی موافق نہ تعلق ہی وسیع! — جان جائیگا ہم آزادوں کو غم کیا ہوگا
جب یہ ثابت ہے کہ ہے عالمِ اغراض جہاں — پھر کسی کا کوئی ممنونِ کرم کیا ہوگا
عشق کی اول منزل ہی میں ہم بھول گیا — گر چلے اور بھی دو چار قدم کیا ہوگا
سادگی سادہ مزاجی ہے تواضع کی دلیل — سر بھرا ہے جو ہواؤں سے وہ خم کیا ہوگا

اس زمانہ میں نہیں قدرِ سخن کی ضامن
گر دکھائے بھی کوئی زورِ قلم کیا ہوگا

لیجیے بیمارِ فرقت آج اچھا ہو گیا — دستِ مرگ اس کیلئے دستِ مسیحا ہو گیا

۱۲۱۵ھ

ابرِ نیساں آبیار اور بوئے گل تھی آشکار
خود بخود سیرِ چمن سے کیف پیدا ہو گیا

وجہِ دلتنگی ہے گوہر کو جدائی بحر کی!
مل گیا جو قطرہ دریا میں وہ دریا ہو گیا

شورِ بیتابیِ دل تھا سازِ برگِ بیخودی
نالہ صوتِ قلقلِ مینائے صہبا ہو گیا

عشق تھا از بسکہ ویراں سازِ شہرِ آرزو
دامنِ دل روکشِ دامانِ صحرا ہو گیا

ہم نے کھینچی اس چمن میں زحمتِ بیحاصلی
ہر طراز رنگ عکسِ بالِ عنقا ہو گیا

دیکھنا بالیدگی ذوقِ عرضِ مدعا
گوشۂ دل محشرستانِ تمنا ہو گیا

تھی علاجِ وحشتِ دل بسکہ از خود رفتگی
یادِ پیمائی جو چھوڑی بادیہ پیما ہو گیا

تھا دل خوں گشتہ کیا خمخانۂ رنگِ نشاط
زخم کا لگنا شکستِ مہرِ صہبا ہو گیا

ضعف نے رکھ لی رہِ الفت میں شرمِ بیکسی
نقشِ پائے رہرواں ہمدم ہمارا ہو گیا

برق کیا جانے کسی دل پر گری یا طور پر
آج لیکن پھر کوئی نذرِ تماشا ہو گیا

بحثِ ماہیت سے ہی کیا ہم کو فلکِ قبض و بسط
بحر قطرہ ہو گیا یا قطرہ دریا ہو گیا

دل نے ضامن کی نہیں حاشا تری پردہ دری
ضبط سے باہر ہوا جب درد نالہ ہو گیا

طریقِ عشق میں بے سود ہے زادِ سفر لینا
اگر درکار ہو کچھ درہمِ داغِ جگر لینا

کہاں اظہارِ دردِ دل کہاں انکا یہ فرمانا
چلو اچھا ہوا جو ہو سکے تم سودہ کر لینا

جو ہو تد نظر سیرِ سوادِ کشورِ الفت
تو پہلے چاہیے تیغِ ادا کے گھاٹ اتر لینا

لٹا جی کھول کر پہلے خزانہ دیدۂ تر کا
بھرا ہے دل جیب و دامن گوہرِ مقصد سے بھر لینا

کبھی کی روشناسی ہو تو وعدہ پر بھی دل دیدیا
کھرا سودا بہت اچھا ادھر دینا ادھر لینا

چھپی رہنا ابھی آرزو دل ہی کے پردے میں
اگر مل جائے کچھ موقع تو تھوڑا سا ابھر لینا

یہ شوخی دیکھیے کہیے اگر میں تم پہ مرتا ہوں
تو فرماتے ہیں ایسی کیا ابھی جلدی ہے مر لینا

ہٹا وہ امتحاں کے معرکے سے بوالہوس پیچھے
کہاں جاتا ہے اب تلوار پر اسکو بھی دھر لینا

گریباں پھاڑ تا وہ صبح کا دہ دل کا شق ہوتا
قیامت تک نہ بھولے گا ترا اذن سفر لینا

غزل میں جب نہ ہوں مضموں طبیعت کند ہوتی ہے
یہ کیا سیکھا ہے ضامن رطب و یابس لیکے بھر لینا

ہے یہ داماں تر زاہد کہ جب مے نوش ہیں دریا
نچوڑے گر ابھی رحمت کا اٹھے جوش میں دریا

نہ برسے ابر اتنا [illegible] آئے ہوش میں دریا
لیے ہے ایک ایک آنسو مرا آغوش میں دریا

حجاب تیرہ بختی [illegible] ہے شورش یاس حسرت کی
کہ جیسے سنسناتا ہو شب خاموش میں دریا

نہیں تر دامنی [illegible] گر [illegible] باطن کو
ہے خشک آئینہ گو رکھتا ہے یہ آغوش میں دریا

کروں [illegible] غم کی حالت میں
کہ اندیشہ ہے طوفاں کا جو آئے جوش میں دریا

گنہ کی [illegible] کرم ہو گی
ہے اک ساغر سے بھی بدتر کہ مے نوشوں میں دریا

بھلا ہوتا ہے کیا اس شیشہ و ساغر سے رندوں کا
[illegible] ساقی بزم نوشانوش میں دریا

شب وعدہ فلک کیوں پانی برسانے لگا ضامن
کیا تھا کیا کہیں اس نیلگوں سر پوش میں دریا

تری نظر سے نظر جب ملی یہ حال ہوا
کہ سرکشی [illegible] مجھے وبال ہوا

ڈبو یا اشک ندامت نے دفتر عصیاں
گناہگاروں کو تیرے سبب انفعال ہوا

تمہارے گلشن خوبی سے پھول چن لائے
کبھی دراز اگر دامن خیال ہوا

نہیں ہے عرش خدا [illegible] بام عروج
غرور حسن نے کیا موردِ زوال ہوا

ہوائے یاس کی موجوں نے رنگ یہ باندھا
دراز رشتہ ہوس میں قضا کا جال ہوا

کبھی تو چاہیے فکر معاد اے غافل
نصیب ہے [illegible] رحمت کا [illegible] ہوا

تمہاری بزم سے اٹھتے ہی مر گیا عاشق
یہ کیا کہا کہ جدا [illegible] ملال ہوا

فراق یار میں مونس ہو کوئی کیا ضامن
گیا وہ پاس سے جب غیر اپنا حال ہوا

ہیں جھکا کر جو سر عجز مقابل ٹھہرا !
رو کش طاق حرم ابروئے قاتل ٹھہرا

دل کے حق میں ہوئیں امواج فنا ذورقِ امن
گر کے منجدھار میں ڈوبا لب ساحل ٹھہرا

خواب ہستی کی بجز مرگ نہیں کچھ تعبیر
اک ہی حرف کتاب مطالب کا جو باطل ٹھہرا

ہم سے فرقت میں تری جان بھی دیتے نہ بنی
سہل جس کام کو سمجھے وہی مشکل ٹھہرا

غمزدہ آپ کے ہیں قید تعلق سے بری
نالہ ہو کر کہیں پابند سلاسل ٹھہرا !

۱۲۱۴ھ

قطرہ قطرہ ترے الطاف کا دریا نکلا
اور وہ دریا کہ نہ جس کا کوئی ساحل ٹھہرا

ہمیں نخوت کی ہوا جسمیں وہی فرق نیاز
آستان حرم ناز کے قابل ٹھہرا !

عرصۂ عمر ہے کم راہ طلب دور و دراز
دیکھ ناداں نہ گزرگاہ کو منزل ٹھہرا

آپ کھوئے گئے ہم خضر کے پیرو بن کر
جذب ناقص سبب دوری منزل ٹھہرا

دل حیرت زدہ ہے محو جمال رخ دوست
بن کے آئینہ یہ تصویر کے قابل ٹھہرا

داغ دل سوز جگر دیدۂ تر نالۂ زار
کشور عشق کا ضامن یہ محاصل ٹھہرا

نبض ساقط ہوئی دم بند ہوا دل ٹھہرا
قافلہ آج وفا کا سر منزل ٹھہرا !

اختلاج اور بڑھا زلف کا سودا کر کے
ہو کے پابند سلاسل نہ کبھی دل ٹھہرا

آنکھ ملتے ہی کیا تیغ ادا نے زخمی
پڑ گئے جان کے لالے جو ذرا دل ٹھہرا

۱۲۱۵ھ

مدت العمر جسے سوچتے گذری انجام
عاقبت میں وہی انجام سے غافل ٹھہرا

آج انکار ہے ملنے سے خدا کی قدرت
پہلے میں عہد وفا لینے کے قابل ٹھہرا

سچ ہے خورشید سے کون آنکھ ملا سکتا ہے
جلوۂ حسن ترا پردہ کو حائل ٹھہرا

یاد مونس ہے کہیں عالم تنہائی میں !
اور کہیں ذکر ترا رونق محفل ٹھہرا

بن گیا عشق میں دل آئینۂ حسن ازل
شیخ یہ بتکدہ کعبہ کے مقابل ٹھہرا

ہے بہت مطلق و مختار میں فرق اے ضامن
کیا ہوا مبدء افعال اگر دل ٹھہرا

بنایا گھر جو دل داغدار میں کیا تھا
تمھیں بتاؤ اس اجڑے دیار میں کیا تھا

نہوتی عشق کی گر چوٹ خمیر انساں میں
تو لطف ہستی ناپائدار میں کیا تھا

خوشی خوشی اوسے سر پر لیا جو پیش آیا
سوائے جبر مرے اختیار میں کیا تھا

کہاں وصال میں پوری ہوئیں سب امیدیں
میں کیا بتاؤں مزہ انتظار میں کیا تھا

گلوں کی جامہ دری بلبلوں کی فریادیں
بس اور آمد فصل بہار میں کیا تھا

دبا کے مجھکو بجز آب شرم کیا پایا
حصول قبر کو ایسے فشار میں کیا تھا

ہماری خاک کو سجدے کیے فرشتوں نے
عروج قسمت مشت غبار میں کیا تھا

یہ رنگ تھا نہ یہ بو تھی تمھارے گیسو کی
تھا خون بستہ وہ مشک تتار میں کیا تھا

نجات روز کے جھگڑوں سے مل گئی ضامن
گیا گیا دل بے اختیار میں کیا تھا

جسکو ہم سمجھے تھے اختر وہی اخگر نکلا
دشمن خرمن امید مقدر نکلا !

دل ہی دل زلف میں کافر کے نظر آتے ہیں
سرو سمجھے تھے جسے ہم وہ صنوبر نکلا

کس قدر ہے مری جانب سے کدورت یارب
اشک بھی اوسکے تصور میں مکدر نکلا !

عشق کا دل کی بدولت ہوا دنیا میں رواج
شان اللہ کی قطرے سے سمندر نکلا

دشت وحشت میں نہیں ہے کوئی ساتھی تو نہو
ہر بگولا ترے دیوانہ کا رہبر نکلا

شوق نظارہ اونہیں تھا اسے ہے خواہش وصل
حوصلہ دل کا تو آنکھوں سے بھی بڑھکر نکلا

غیر کیا تھ دم نزع وہ آئے ضامن
دل کا ارمان جو نکلا بھی تو کیونکر نکلا

دل لگا کر اون سے ناحق منفعل ہونا پڑا
عمر بھر اپنے کیے پر آپ ہی رونا پڑا
سر سے سودا بالش سنجاب کا جاتا رہا
ہو گیا اغراض کا لینا پڑا احسان خلق
دل زمانہ کی کشاکش نے دیے سارے نکال
حضرت دل نے کیا سودائے الفت اذہمیں
صورت گلہائے باغ اور ابر نیساں خلق میں

ہجر میں رو رو کے بینائی کو بھی رونا پڑا
داغ بدنامی کو آب اشک سے دھونا پڑا
پاؤں پھیلا کر جو خاک قبر پر سونا پڑا
بھاگتے تھے جس سے آخر ڈھونڈھ وہ ڈھونا پڑا
اینڈتے تھے جو بہت سیدھا انہیں ہونا پڑا
جاں سی انمول شے کو مفت میں کھونا پڑا
ایک کے ہنسنے کی خاطر ایک کو رونا پڑا

اُن کے جھوٹے وعدوں نے ایسی دکھائے سیر باغ
ڈیہ میں ضامن ہمیں تخم امل بونا پڑا

یوں عمل جانیے اس کا سفلہ پن ثابت ہوا
تم ملے مجھ سے ہوا حاصل تماشا زندگی
دل ہے اپنی ذات سے اک محشرستان خیال
اجلے کپڑوں میں نہیں چھپتی سیاہی عمل
بڑھ گیا خون جگر سے دل کے آنسو کا وقار
پہلے کہہ جاتا تھا سب کچھ در حدیث دیگراں
ساتھ میں دل کے اٹھائیں کیسی کیسی گردشیں

آس طفل اشک کی تھی بد چلن ثابت ہوا
آج جا کر ارتباط جان و تن ثابت ہوا
اس کے دم سے کنج خلوت انجمن ثابت ہوا
مسئلہ یہ قبر میں زیر کفن ثابت ہوا
جسکو سمجھے تھے گہر لعل یمن ثابت ہوا
ضبط کر نیسے مرا دیوانہ پن ثابت ہوا
خضر سمجھے تھے جسے وہ راہزن ثابت ہوا

کب ہی نخل بے ثمر کی قدر کیا حاصل اگر — حسنِ قامت سے کوئی سرو چمن ثابت ہوا
ہوکے آنسو سوزِ الفت سے بہا دل مثلِ شمع — دامن تر میرا داماں لگن ثابت ہوا

دی کبھی فرقت میں گر احباب نے تکلیفِ سیر
خارزار یاس ضامن ہر چمن ثابت ہوا

دل میں خیالِ جلوۂ جاناں نہ آگیا — ذرہ میں نورِ مہرِ درخشاں سما گیا!
اب کیا بتائیں عشق کے سودے میں کیا گیا — اک دل کے ساتھ جلنے کا سارا مزا گیا
ساقی ہے اس قدر مجھے کیوں بیخودی کا جوش — کیا سب مئے الست میں تنہا چڑھا گیا
آشفتہ سر ہوں وہ ہے مرا حرفِ مدعا — پانی پہ کلکِ موج سے جو ہو لکھا گیا
کیا کیا گمان ہم کو سراب ہوس پہ تھے — دستِ ہوائے یاس اوسے بھی مٹا گیا
نورِ نگاہ جو ہی وہی شعلۂ جمال — مانندِ برق خرمنِ ہستی جلا گیا
عادل کے آگے تھی کسے عذرِ گنہ کی تاب — دہشت سے بند بند مرا تھر تھرا گیا

ضامن یہ خامشی ہے تری ترجمانِ عشق
کہ یا نہ کہ زباں سے میں بھید پا گیا

لفظِ کن خامۂ قدرت نے نہ لکھا ہوتا — تم نہ ہوتے تو فقط نام خدا کا ہوتا
سازِ ہستی سے ہے کیوں نغمۂ شادی کی امید — سببِ گریۂ مولود تو سمجھا ہوتا
تو نے کیوں چھیڑ دیا تذکرۂ شوق اے دل — اوسکو منظور جو ہوتا وہی اچھا ہوتا
مبتلائے غمِ ہستی کیا آزادی نے — کہیں اچھا تھا اگر سلسلہ برپا ہوتا
ق
صلۂ تلخیٔ غم ہے طربِ خلوتِ انس — آپ میں آکے سوئے غیر نہ دیکھا ہوتا
جانتا انجمنِ عیش ہے یہ بزمِ خیال — چشم سر بند مگر دیدۂ دل وا ہوتا

بیخودی جلوۂ محبوب کی تھی آئینہ دار
ہوشیاری کا بدل عالم رؤیا ہوتا

جب مزا تھا کہ اکیلا وہی رہتا دل میں
اوس کا خلوت کدۂ آغوش تمنا ہوتا

لطف سرگشتگی شوق تو ملتا ضامن
بادہ پیمانہ سہی بادیہ پیما ہوتا

قلب بسمل ہے کسی کی شوخی تحریر کا
کیا قلم میں تھا زباں کے بدلے پیکاں تیر کا

ہے ابھی تو دل میں کانٹا نالۂ شبگیر کا
لا رہیگی تاکید ضبط عشق کیل شمشیر کا

عشق کی نیرنگیاں ہیں کسقدر عبرت فزا
چشمہ ہے زخم سر فرہاد جوے شیر کا

وصل شیریں چاہتا ہے جان شیریں کر فنا
یہ تو اک حیلہ ہے اے فرہاد جوے شیر کا

ہے مآل سعی بیجا شدت سوز نفس
یعنی جوہر تھی امید اشیاء آتشگیر کا

بیگناہی حضرت یوسف کی وہ، وہ قید غم
حلقہ حلقہ چشم عبرت بن گیا زنجیر کا

جوہر قابل کو حاجت کچھ نہیں اصلاح کی
دخل شمع ماہ تک ہوتا نہیں گلگیر کا

حیرت اور ہو پیدا ر بیحجابی ہاے حسن
آئینہ میں اور ہی عالم ہوا تصویر کا

چشم ظاہر بیں سے کیا سحر و افسون نمود
دوسرا رخ تو کوئی دیکھے کبھی تصویر کا

گر رہے گردن پہ رشتے وے کسی کو کیا خبر
دیکھ دامن میں نہ بھر جائے لہو نخچیر کا

عاشقوں کی زندگی بھی موت سے وابستہ ہے
ہے رگ جان جہاں ڈورا اتری شمشیر کا

سب سہارے چھوڑ دے پھر دیکھ کیا کرتا ہے وہ
بیستوں میں کہتے ہیں چشمہ ہے جوے شیر کا

ہیں گل داغ جنوں کے سینہ میں خرمن لگے
رکھ خیال اے آہ اس طومار آتشگیر کا

سر کٹا کر شمع نے حاصل کیا دونا فروغ
رو سیاہی مفت کی حصہ ہوئی گلگیر کا!

رہنما صیاد کی ہو جبکہ خود اوسکی قضا
مثل گل یوں کیوں نہ دے نقش قدم نخچیر کا

کون مارے اوسکو جو ہو کشتۂ تیغ ادا
سخت جانی سے مری دم بند ہے شمشیر کا

معنی روشن ہے شمع زیر دامان کمال
خوف صرصر اسکو ہے ضامن نہ ڈر گلگیر کا

# ردیف بائے موحدہ

۱۲۱۲

دیکھیں یہاں زمانہ کی نیرنگیاں عجیب
اہل جہاں عجیب ہیں وضع جہاں عجیب

ہوئے مغائرت سے ہے نہ رنگِ موافقت
ہے یہ طریق دوستی دوستاں عجیب

اغیار بیغرض ہیں تو احباب خودغرض
الفت عجیب تر ہے جو ہے مہرباں عجیب

گہ باعثِ مسرت و گہ باعثِ تعب
ہیں عالم خیال کی نیرنگیاں عجیب

ہوتا ہے اب زمین کی رفتار سے عجب
سمجھے تھے ہم کہ ہے روش آسماں عجیب

اٹھنے سے دل میں ساری خدائیکی آرزو
واللہ یہ عجیب مکیں ہے مکاں عجیب

ضامن کو ہم نے پڑھتے سنا آج بزم میں
اوس نے تو کچھ نکالی ہے طرز بیاں عجیب

۱۲۱۲

ملال کیا جو میسر نہیں وصال حبیب
مثل جہاں میں ہے مشہور النصیب نصیب

دکھائی دیتی ہے آئینہ خانہ دل میں
مجھے عروس تمنا بشکل ہائے عجیب

طلسم خانہ نیرنگ عشق ٹوٹا ہے!
شکست دل کی یہ ہرگز نہیں صدائے مہیب

سمجھ میں آئی نہ کچھ دہر کی فسوں سازی
تماشے دیکھیے اس اسٹیج پر عجیب و غریب

عروج حسن ہی تک تھی وہ دوستی ساری
کہاں گئے جنہیں سمجھے تھے آپ اپنا حبیب

ہماری بات بھی پوچھی نہیں کبھی صاحب
خدا کرے کہ نہ ہو ادنی بینوا کو غریب

نہیں درستی افعال کی دلیل اقوال
صفائے دل نہیں لاتی ہے ظاہری تہذیب

خطائیں دیکھ کے یہ چشم پوشیاں کیسی
دلِ خراب کی ضامن ضرور ہے تادیب

واہ ری قید اے خوشا بخت رسائے عندلیب
موج بوئے گل بنی زنجیر پائے عندلیب

وصل بھی گر ہو میسر تو خوشی ہوتی نہیں
بوالہوس جو ہیں یہ رمز آنکو بتائے عندلیب

نالہ ہائے جا و بیجا نے پریشاں کر دیا
اب تو کانوں کو نہیں بھاتی صدائے عندلیب

کون تھا دیتا جو فصل گل کے آنے کی خبر
عشق سوئے بوستاں ہے رہنمائے عندلیب

کل خزاں آکر مٹا دے گی گلستاں کا نشاں
پھر یہ گل ہوں گے نہ ہوگی یہ نوائے عندلیب

چار دن کے واسطے کرتی ہے اسمیں لگاڑ
آج ہیں ہمیں سے ناحق شکوہ ہائے عندلیب

جانور ہے وہ کہاں سے لائے ضامن کا بیاں
بارہا ہم نے سنے ہیں نغمہ ہائے عندلیب

پوشیدہ ہیں وفا میں جفائیں عجب عجب
دکھلا رہے ہیں دوست ادائیں عجب عجب

آیا ہے پھر کے دل سفرِ راہِ عشق سے
تجھے ہم آؤ تم کو سنائیں عجب عجب

رنگ بہار دیکھ کے بلبل بہت ہے پھول
اس باغ میں چلی ہیں ہوائیں عجب عجب

قاصد عجب طرح کی تری گفتگو ہے آج
وہ مجھ کو اپنے گھر میں بلائیں عجب عجب

رحمت سے اپنی بخشدے گر وہ عجب نہیں
ہر چند ہم نے کی ہیں خطائیں عجب عجب

شور شکست دل ہے کہ ہنگامہ حشر کا
کانوں میں آرہی ہیں صدائیں عجب عجب

ضامن کے درد کو ابھی سمجھے نہیں طبیب
تجویز ہو رہی ہیں دوائیں عجب عجب

پڑ گئی برق نظر کس کی سر جام شراب
آج اُبلی ہوئی ہے چشم تر جام شراب

چشم ساقی نے دکھایا ہنر جام شراب
رند بیہوش ہوئے بے اثر جام شراب

دور بے تیرے اشارے کے چلے کیا ساقی
لینے ہی عکس مژہ بال و پر جام شراب

۱۲۴

سب کے سر جھلکتے ہیں موج مئے مرد افگن سے — تیغ سر تیز ہے زیب کمر جام شراب
عید کا دن ہے عداوت ہی سے کہدے واعظ — کہ ہر آج ہے خون جگر جام شراب
وہ اگر کان گہر ہے تو یہ ہے معدن لعل — ہے صدف سے کہیں عالی گہر جام شراب
مردے جیتے ہیں دل مردہ کا جینا دشوار — نہیں عیسی کو بھی آتا ہنر جام شراب
جنگ دیو غم دنیا کے لیے کافی ہے — تیغ موج مئے ناب و سپر جام شراب
شور قلقل سے نے دیکھا یا دم عیسی کا اثر — روح تازہ ہوئی پاکر خبر جام شراب
دور سے مجھ کو جو ساقی نے کیا تھا محروم — ہو گیا خون سراسر جگر جام شراب
صحن جنت میں بھی جاری ہے اسی کا چشمہ — بحر زخار ہے زاہد شمر جام شراب
تیرے خال رخ رنگیں پہ ہے مائل ساقی — پہلے کب داغ بدل تھا قمر جام شراب

ساتھ دل کے گئیں سب دل کی امنگیں ضامن
ہوس سیر گل اب ہے نہ سر جام شراب

۱۲۵

دل کو چھوڑو ہے ایک خانہ خراب — پوچھو مژگاں سے آنسوؤں کا حساب
ہجر ساقی میں ایک ہیں دونو — خون دل ہو کہ ساغر مے ناب
سجدہ کرنے سے ہے غرض ہم کو — خم ابرو ہو یا خم محراب
عشق میں آئے خاک جی کو قرار — کہیں ٹھہرا ہے آگ پر سیماب
نظر شوق کو نہیں مانع — بیچ میں ہوں اگر ہزار حجاب
میری صورت ہے تیری شاہد حال — حرف ہیں کاشف رموز کتاب
حسن پر سب ہے عشق کا الزام — ہیں مقدم نتیجہ سے اسباب
ہو نہ ہو تیری ہی تمنا ہے — دل میں کرتا ہے کوئی دق الباب

بحث واعظ سے کیوں کرو ضامن
ہے خموشی ہی جاہلوں کا جواب

اپنی جفا سے آج جو قاتل کو ہے حجاب
پردے جو راز کے ہیں وہ پردے ہیں ساز کے
عہد وفا نہ نبھ سکا اب کیا جواب دیں
جو تو نے آج تک دیا سب بے طلب دیا
اس پاشکستگی پہ بھی ہم تو نہ رک سکے

خود کیوں نہ مر گیا ہی بسمل کو ہے حجاب
عاقل کو آئینہ ہے جو غافل کو ہے حجاب
ہے پیچ و تاب جان کو اور دل کو ہے حجاب
اب مانگنے میں بھی ترے سائل کو ہے حجاب
خود کیوں نہ کھینچ کے آئی یہ منزل کو ہے حجاب

ضامن ہوا ہے قیس کسی ہرزہ گرد سے
کیونکر نہ سے کہ صاحب محمل کو ہے حجاب

ہاتھ میں جام بغل میں ہے مینائے شراب
روح بن جائے اگر راح تو کیا اچھا ہو
ہم اوسے جانتے ہیں جو ہمیں رکھے بیہوش
"در میخانہ بہ بستند خدایا مپسند"
یہی دیں اور یہی ایماں ہے اپنا ضامن

عین ساقی کی تولا ہے تولائے شراب
خون کے بدلے رگ و پے میں سما جائے شراب
تم اوسے مانتے ہو جو ہمیں پلوائے شراب
کہ ہو تغیر و رنہ تر زیر و زبر یا جائے شراب
عین ساقی کی تولا ہے تولائے شراب

## ردیف یائے فارسی

دل دکھا کر ہم غریبوں کا نہ کچھ پائیں گے آپ
جانے والے کو بھلا کب روک سکتا ہے کوئی
کیوں ہے ناصح کوشش اصلاح حال عاشقاں
ہائے قاتل کا وہ کہنا کیوں ہیں سر پر خون لوگ
خانۂ دل کو منبت کرے کیوں داغوں سے ہم

ایک دن اپنے کیے سے خود ہی پچھتائیں گے آپ
یہ تو کہئے جائیے پھر کب ادھر آئیں گے آپ
بت سمجھتا ہی نہ ہو کیا اس کو سمجھائیں گے آپ
موت گر قسمت میں لکھی ہے یہ مر جائیں گے آپ
گر نہ ہو تو یہ امید اک دن ادھر آئیں گے آپ

میان میں کر لیجیے یا چھوڑ دیجیے ایک آدھ ہاتھ
اب ہوا میں یوں ہی کب تک تیغ چمکائیں گے آپ

آدمی بنجائیے بہت یہ بھی ہے کیا کوئی ادا
کچھ تو آخر ہاں نہیں منہ سے بھی فرمائینگے آپ

اب تو پاس وضع ہے لیکن نہ ملتے پہلے ہم
جانتے گر یکیوں دل بیکسے تڑپائینگے آپ

دل پریشاں ہے کسی کا لیجیے اُسکی خبر
کب تک ان سلجھی ہوئی زلفوں کو سلجھائینگے آپ

چاہیے ہمراہ ضامن قبر میں تصویر یار
اس اندھیرے گھر میں تنہا جاکے گھبرائینگے آپ

## ردیف تائے فوقانی

دلچسپیوں بغیر نہیں کاروبار زیست
یکساں نشاط و غم سے ہے قائم بہار زیست

کانٹے بھی اس چمن کے ہیں مانند گل عزیز
باقی ہی کیا رہے جو خزاں ہو بہار زیست

اتنا غرور کس لیے غافل یہی کہ ہے
جیب فنا میں اک گہر مستعار زیست

اک خضر ہیں کہ دیتے ہیں عمر ابد یہ جان
اک ہم ہیں عمر جن کو ہوا ناگوار زیست

فرصت قلیل، کام بہت ہیں، رہے خیال
کرنا ہے جو وہ کر لو نہیں اعتبار زیست

مرضی تری ہے، حکم ترا ہے، تری امید
قائم ہے جس سے ہستی ناپائدار زیست

ہے کارِ نیک حاصل صد خرمنِ حیات
ہے نام نیک تاج سر افتخار زیست

کمزور کی شکست ہے یاں اور قوی کی فتح
کہیے نہ کار زار ہے یہ کارزار زیست

باد فنا ہے گلشن ہستی کی آبیار
کھلتے ہیں گل تمنا کے سر شاخسار زیست

ضامن خوشی سے کاش دو چند ہی ہوا کہ غم
دلچسپیوں بغیر نہیں کاروبار زیست

لائی تھی فرط شوق میں لب تک نہ جی کی بات
کہتا ہے یوں بھی کوئی کسی سے کسی کی بات

بلبل نے کیا کہا تھا جو گل سینہ چاک ہیں
قاصد عبث ہے کد تجھے اخفائے راز میں
نازک بہت ہی ٹوٹ نہ جائے دل حزیں
کچھ کہہ کے بدگماں کو نہ ڈالو گمان میں
حیرت فروش حسن ہے حیرت مآل عشق

نازک دلوں سے اٹھ نہیں سکتی کسی کی بات
میں خوب جانتا ہوں جو ہے اونکے جی کی بات
عاشق سے اسطرح نہ کرو بیرخی کی بات
ٹھہرے گی دشمنی جو کہی دوستی کی بات
کیا کوئی آئینہ سے کہے آرسی کی بات

ضامن تجھے دل کیسا تھا وہ سب دل کے ولولے
کیا ذکر اس کا اب گئی گذری کبھی کی بات

ابھی سے چھوڑ اے دل چھوڑنی ہے گر بری عادت
مصر ہے تو عبث ناصح محبت ترک کرنے پر
تجھے شوق عبادت ہے ہمیں ذوق محبت ہے
بہت اچھا نہ تیا بادہ کو تر ہمیں واعظ

ہوئی دیرینہ جب جزو طبیعت ہوگئی عادت
کہیں اب چھوڑنے سے چھٹتی ہے اک عمر کی عادت
نہیں ممکن کہ ہو اے شیخ سب کی ایک سی عادت
مگر کہتے ہیں کم جاتی ہے پینے کی بری عادت

خدا سچا ہے ضامن دوست رکھتا ہے وہ سچوں کو
نہ سیکھو یہ بری خصلت نہ ڈالو جھوٹ کی عادت

میرا جانا بیرخی اون کی ہے کل کی واردات
اک فسانہ عبرت انگیں ہو زبانہ کے لیے
جب ہمیں تیرے ہیں پھر کیا ہم کو ان پر اختیار
اک نگاہ ناز پر تیری ادا سے کردوں نثار
ہوگا دنیا میں کھلاڑی عشق سا بھی کوئی کم
تلخ کامی ہم تجھی کو جانتے ہیں مغتنم

کچھ بھی غیرت ہے جو آدل ابتک لرزتا اونسی بات
گر لکھوں اونکو جو گذرے میرے دل پر حادثات
مال ہے دل بھی ترا اور جان بھی ہے تیرے ہاتھ
مجھ کو مل جائے اگر دو تو جہاں کی کائنات
دو ہی جا چاہے چلنے پائے تجھے کہ ہم نے کھائی مات
پھر یہ سنتے ہیں کہ ہے اون کا دہن تنگ نبات

دل میں کچھ داغ تمنا کچھ جگر میں داغ عشق
یہ ہے میری ساری پونجی اور یہ ہے کل کائنات

موت سے بدتر ہے جینا مردہ دل کیواسطے
تشنہ کام عشق کے حق میں ہے سم آب حیات

کہیے غیروں سے کریں بدگوئیاں ضامن کی اور
اس کا شکوہ کچھ نہیں ہے ذات ہی ویسی بات

ہم نے سو سو طرح نبائی بات
اس کے دل کی مگر نہ پائی بات

بے سبب کیوں بگڑتے ہو مجھ سے
کر کے باور سنی سنائی بات

مجھ سے کہیے نہ ذکر حوروں کا
شیخ صاحب یہ ہے پرائی بات

ناصحا چپ بھی رہ خدا کے لئے
ایک تیری نہ ہم کو بھائی بات

کیا کہا میں نے دل کے بارے میں
کچھ تمہاری سمجھ میں آئی بات

عشق خود سر پہ چڑھ کے بول اٹھا
دل نے پھر بھی بہت چھپائی بات

بات کرتے نہ گر دہن ہوتا
یہ بھی ہے یاروں کی بنائی بات

تم کو دیکھا یہ آنکھ کا تھا قصور
دل نے لیکن بہت بڑھائی بات

ذکر فرقت وصال میں ضامن
کیوں نکالی دبی دبائی بات

ہے گرم اک میرے دم سے بازار محبت
ملے گا پھر نہ کوئی خریدار محبت

تری پر پیچ زلفیں عجب دام بلا ہیں
نہ چھوٹا ایک زندہ گرفتار محبت

سوا شاہوں سے رتبہ ہے یاں کے گداگر کا
عجب مرتبہ عالی ہے سرکار محبت

نہیں اسلام سے کیا ہم کہ بت کے ہیں شیدا
رگ جاں اپنی گویا ہے زنار محبت

نہیں نکلے اکیلے پھنسا تو اسے دل کے
فرشتوں سے نہ اٹھا وہ ہے بار محبت

سر سودا زدہ جب اتر جائے گا تن سے — جبھی ہوگا سبکدوش گراں بار محبت

خلش ہی میں ہے ضامن دل وحشی کو راحت
رگ گل سے ہیں بہتر ہمیں خار محبت

ہاتھ آئے جو وہ یوسف بازار محبت — جاں بیچ کے لیں مول خریدار محبت
جو دل نہیں لذت چش آزار محبت — کیا جانے وہ لطف خلش خار محبت
ہے قفل دہن تمکنت حسن دلآویز — مشکل ہے کہ وا ہوں لب گفتار محبت
لینا نہ منّت اس کی ہیبت دیدۂ تر سے — اے ابر یہ ہے قلزم زخّار محبت
کیا کرتے جو دل دے کے جفا مول لیتے — اب آئے کہ جب اٹھ گیا بازار محبت
تکلیف مسیحا کو عبث دیتے ہیں احباب — اچھا کبھی ہوتا نہیں بیمار محبت
ضامن کو نہیں ساغر کوثر کی تمنا — اے حضرت واعظ یہ ہے سرشار محبت

## ردیف ثائے مثلثہ

مرنے والے کے لیے ہے تری تیغ عبث — اے مسیحا نہیں ہوتا خط تقدیر عبث
ناوک ناز نے پہلے ہی کیا دل کو شکار — چال پھیلاتی ہے اب زلف گرہ گیر عبث
کہو تم کس کے لیے تارک لذات ہوئے — واعظو کرتے ہو کیوں بادہ کی تحقیر عبث
شوخیاں ہیں کہاں ناز کہاں غمزہ کہاں — کیوں عدم کھینچنے کو کھچوائے ہو تصویر عبث
قبر کی ہے ترے کوچہ میں تمنا بہر مرگ — نہیں وحشت میں بھی یہ حسرت تعمیر عبث
ہمہ تن جوش جنوں تھا نہ رہا خوب ہوا — نالے کرتی ہے مرے واسطے زنجیر عبث
پیچ و تاب دل عاشق نہ ملے گا اس کو — پیچ کھاتی ہے تری زلف گرہ گیر عبث

خاکساروں کو تو رفعت کی بھی خواہش نہیں کچھ
پھر مٹاتا ہے تو ہمیں کیوں فلک پیر عبث

عاشقوں کے لیے کافی تھی ادا کی تلوار
آپ بدنام ہوئے کھینچ کے شمشیر عبث

دیجیے دل کو سزا آنکھ سے کیوں چھپتے ہیں آپ
بے گناہوں کو ہے ناحق کی یہ تعزیر عبث

ڈر خدا کا بھی نہیں سنگدلی کی حد ہے
دل کو ضامن کے دکھاتا ہو وہ بے پیر عبث

## ردیف جیم

ہر نفس ہے دل شکستہ کو خمیازۂ موج
چاک دامانی دریا ہے باندازۂ موج

جمع ہو دفترِ شرحِ گہر افشانیِ چشم
ہاتھ آ جائے اگر رشتۂ شیرازۂ موج

کیوں کہیں حال پریشانیِ دل عالی ظرف
نہ سنا بحر فلک سے کبھی آوازۂ موج

پائی جمعیت دل آپ نے کب مثل گہر
بیقراری سے ہے ٹوٹا ہوا شیرازۂ موج

بحرِ ہستی میں ملے نفس کو راحت کیونکر
کہیں رکتا ہی نہیں راہ میں جمازۂ موج

زلف لہرائی اُدھر اور ادھر بادِ صبا
پاؤں میں ڈال گئی سلسلۂ تازۂ موج

ٹوٹ جائیگا تھپیڑوں میں ہوس کے دل زار
کب حبابوں سے بنی محمل جمازۂ موج

کر کے اردو میں بھی صائب کا تتبع ضامن
بحرِ معنی میں دکھا دو روشِ تازۂ موج

ہلدر دبار قوم اٹھائیں لبانِ موج
دریا میں دوش موج پہ دیکھیں مکان موج

سالکِ رہِ طلب کے ہیں آلودگی سے پاک
دیکھی کبھی نہ گرد پس کاروانِ موج

ہر آرزوئے مردہ پہ ہے پائے آرزو
ہے عالم امید بھی گویا جہانِ موج

امید شکست و لیتِ تمنا کا رنگ ہے
ملتا ہے دل سے سلسلۂ دودمانِ موج

دب گرے تو ایک قدم اور بڑھ گئے !
مٹ مٹ کے لی ہے منزلِ مقصد بانِ موج

وہ کرے گی شورش بحر جہاں کا یہ
تا حشر قطع ہوتی رہے گو زبانِ موج

یا ہوں اس قدر میں ترے انتظار میں
ہے فرش راہ چادر آبِ روانِ موج

ہ طلب میں میری طرح سر کے بل چلو
کہتی ہے یہ پکار کے سب سے زبانِ موج

لِ حباب ٹوٹ نہ جائے دلِ حزیں
آشفتہ خاطروں سے نہ پوچھو بیانِ موج

شفتگی کا میری جو **ضامن** بیان ہے
مصرع ہر اک غزل کا دکھاتا ہے شانِ موج

## ردیف حائے حطی

ل آج باتیں کرتا ہے دیوانے کیطرح
سمجھاؤ دوستو اسے سمجھانے کی طرح !

س میکدہ میں ہم کو نہ حاصل ہوا سرور
گردش بلی نصیب کو پیمانے کی طرح !

ہو سکتی ہے کسی کو بھلا اس سے کیا امید
ملتا ہو جو یگانوں سے بیگانے کیطرح

ہندی لگی ہے پائے نسیم بہار میں
تو یہ چلے گی یہ میرے مستانے کی طرح؟

وہ بت ہے جو دست کے کاموں کی گتھیاں
سلجھائے اپنے ہاتھ سے سب شانے کی طرح

لا ہو خم فلک سے امید مے طرب
خالی ہے یہ بھی میرے ہی پیمانے کی طرح

س ناگوار چیز پہ کیوں کر کٹے گی عمر
تا چند کھائیگا کوئی غم کھانے کی طرح

شب تو سحر ہو جاں دم رخصت کرے گا نذر
جلدی ہی کیا ہے جائیے گا جانے کی طرح

گردش نے آسمان و زمیں سے کے مٹا دیا
اس آسیا میں پس گئے ہم دانے کی طرح

رسوائے دہر بنتے ہیں اگلی زمانہ میں
تھا کوئی قیس بھی ترے دیوانے کیطرح

پُر داغ دل دکھائے شب قدر کی بہار
معراج زلف پر ہوا گر شانے کیطرح

کیا شعلۂ جمال کی لائیں گے غیر تاب
سوز دل کمس نہیں پروانے کیطرح

**ضامن** بس اب وصال میں جاں نذر دیجئے
دل آپ پہلے دے چکے بیعانے کیطرح

## ردیف خائے معجمہ

کر اپنی خود روی سے نہ ضامن بلا کا رخ
ہوئے اسی طرف سے جدھر رہنما کا رخ

احباب عید کرتے ہیں دیکھا ہے آج چاند
یارب دکھا مجھے بھی مرے مہ لقا کا رخ

دے آئے عندلیب کو جا کر کوئی خبر
خوش ہو کر پھر چمن کی طرف ہے صبا کا رخ

بیڑے کی خیر مد نظر ہے جو ناخدا
پھیر اوس طرف جہاز جدھر ہے ہوا کا رخ

قاصد کی بات کا مجھے آتا نہیں یقین
کہنا ہے اس طرف ہے ترے دلربا کا رخ

ہوتی جو قدر عشق میں مرنے کی خضر کو
کرتے نہ بھول کر کبھی آب بقا کا رخ

عصمت کا رعب ہو گیا از خود حجاب چشم
دیکھا گیا نظر سے نہ اس باحیا کا رخ

رفتار دہر تابع حکم اله ہے
پھرتا نہیں بغیر مشیت ہوا کا رخ

ضامن ہم آپ سالک راہ فنا ہوئے
پھر گیا اگر خطا نے دکھایا بلا کا رخ

## ردیف دال مہملہ

ہجوم یاس میں رخصت ہوئی کبھی کی امید
دل گرفتہ کو ہو کیا شگفتگی کی امید

امید یاس سے بدلے نہ یوں کسی کی خدا
عدوئے جاں ہوئے تھی جن سے دوستی کی امید

فقیر ہو کہ غنی سب ہیں تیرے دست نگر
ترے کرم سے ہے وابستہ ہر کسی کی امید

یہ درد وہ نہیں جس کی دوا کریں عیسی
مریض عشق کو ہو خاک جانبری کی امید

ہے پائے رحمت حق درمیان زہد و گناہ
ہماری یاس سے بدلی نہ متقی کی امید

سکون قلب کا باعث ہے قید مذہب کی
ہمیشہ ٹھوکریں کھاتی ہے فلسفی کی امید

نمونہ حسن کو سمجھے تھے حسن سیرت کا
سہی قدوں سے نہ تھی ہم کو کجروی کی امید

ائے شکر میں بھی جسکو خجل ہوتا ہے
فلک نے کی بھی جو پوری تو اوس دل کی امید

ں سے جان بچاکر وہ خود ہوئے روپوش
جزاب خضر سے واں کیا ہو رہبری کی امید

ب صاف نہ دینا یہ ہے کرم سے بعید
دعائیں دیگا بر آئی جو ملتجی کی امید

ہوس وصال کی اچھی نہیں سُنا ضامن
مزید یاس سے بدلے نہ یہ خوشی کی امید

وغ ماہ تمھاری جبیں سے ہے گلہ مند
چراغ صبح کا مہر مبیں سے ہے گلہ مند

ھی نہ ہجر میں طوفان اشک روک سکی
ہمارا دیدۂ تر آستیں سے ہے گلہ مند

فراق کی ایسی ہوئی ہے لذت گیر
کہ روح رابطۂ ما وطیں سے ہے گلہ مند

یب قدر ستم ہائے ناز کیا جانے
خدا کی شان وہ تم سے حسیں سے ہے گلہ مند

ں کٹائے ہیں پر تیغ ناز کے ہوتے
کہ ذوالفقار بھی روح الامیں سے ہے گلہ مند

کہ جرعہ کش جام نامرادی ہوں
مذاق تلخ مرا انگبیں سے ہے گلہ مند

ں پہ آنکھ سے ٹپکے نہ خون دل کیونکر
یہ مے شکستگی ساتگیں سے ہے گلہ مند

ں جو مہر کو لگ جائے کیوں نہ ہو اندھیر
ہٹاؤ ہاتھ جبیں آستیں سے ہے گلہ مند

ں آئے دیدۂ کم بیں کو کیا فروغ کمال
ہمیشہ شپرہ مہر مبیں سے ہے گلہ مند

راؤ آکے کشاکش سے نزع کی اللہ
کہ شوق دید دم واپسیں سے ہے گلہ مند

ھاؤ ڈھونڈھ کریں ضامن تلاش مضموں میں
سمند فکر بہت اس زمیں سے ہے گلہ مند

## ردیف ذال معجمہ

دم ہے وصف یار سے کام و دہاں لذیذ
کیونکر نہ ہر بیاں سے ہو مرا بیاں لذیذ

واعظ ثواب روزہ کہاں لطف مے کہاں
اُسے بے خبر ز لذت شرب مدام ما
لذت ملی ہے روح کو نعمت کے شکر سے
قند و نبات سے ہے سوا تیری بات بات
یاں تلخ باتوں میں ہے محبت کی چاشنی
ان کے کبھی کبھی کے تلطف میں ہے جو لطف
شیرینی کلام کا لطف اور کیا ملے!

ہے تیری داستاں سے مری داستاں لذ
اس طرح کا ہے بادۂ کوثر کہاں لذ
نعمت سے تیری گرہوئے کام و زباں لذ
ایسی ہیں کب جہان کی شیرینیاں لذ
ہیں اور کی دعا سے تری گالیاں لذ
اوس سے زیادہ ہے ستم جاودان لذ
ضامن ہے حرف حرف غزل بکیاں لذ

# ردیف راء مہملہ

نظر انجام پہ ڈالے کوئی آشفتہ جاں کیونکر
یہ مانا ہے بہت تکلیف اس قید تعلق میں
ہمیں تو ان سے بھی ہر لحظہ خطرہ ہے رقابت کا
وہ نکلا ہے ابھی مسجد سے زاہد باوضو ہو کر
نہاں کے ماند آں رازے کہ زو سازند محفلہا
ابھی کل تک تو ان کو شوخیاں سمجھے ہوئے تھے ہم

غرض پہچانتے دیں اوسے سود و زیاں کیو
کٹیں گی میرے کاٹے سے مگر یہ بیڑیاں ک
بنائیں دیدہ و دل کو الہی رازداں کیو
ذرا کچھ تو بتا دو لی تھیں کل انگڑائیاں کیو
قیامت ہے قدم غیروں کا آیا درمیاں ک
ادائیں آج تیری ہو گئی ہیں جانستاں کیو

حفاظت شل جاں جس دل کی ہم نے کی تھی اے ضامن
ذرا سی چوک میں دیکھو ہوا وہ رائگاں کیونکر

پا کے زر ہنستے ہیں اب نادار پر
اٹھ گئے کا ہک متاع عشق کے

پھول گئے گل دم بھر میں بائے بہار پر
چھائی ہے بے رونقی بازار پر

دھیان الفت کا نہ دھن ہے یار کی
رو رہا ہوں اپنے حالِ زار پر

نوکِ مژگاں پر نہیں لختِ جگر
سرخ گل رکھے ہوئے ہیں خار پر

سبحہ سے پیدا ہے ربطِ کفر و دیں
ہے رگِ جاں کا گماں زنار پر

مرہم کافوری صبحِ فراق
ہے نمک ساز زخمِ دامندار پر

مہرِ ساقی ابرِ مینا سے نکال
اُمڈی ہے کالی گھٹا کہسار پر

اک دیارِ عشق ایسا ہے جہاں
فوق ہے دیوانے کو ہشیار پر

تو ہے ضامن میرِ کوثر کا غلام
جبہ سائی کر درِ خمار پر

ناصح نے ہو شیوۂ رندانہ چھوڑ کر
ضامن کب آئے تم درِ میخانہ چھوڑ کر

کعبے کو جائے کون صنم خانہ چھوڑ کر
کیا دیکھ لیں گے جلوۂ جانانہ چھوڑ کر

کیا دخل اس میں ہم کو نظر اپنی ہے
لے سنگ ریزہ گر کوئی دُردانہ چھوڑ کر

دل دے کے بھی نہ ملے ہوا جنس وفا کا مول
غم کھا کے چپکے بیٹھے ہیں پیمانہ چھوڑ کر

واعظ سوا بہشت کے حوریں ہیں گر کہیں
حال ان دنوں کا کچھ سناؤ یہ افسانہ چھوڑ کر

ساقی ترے مرید ہیں پابندِ وضع کے!
کوثر پہ بھی نہ جائیں گے میخانہ چھوڑ کر

جب ہے فروتنی ہی عبادت کا ماحصل
کیوں سجدہ کرتے ارش بستانہ چھوڑ کر

کیا کہیے پیش آئی ہیں کیا کیا ذلتیں
اک بے دلی ہمتِ مردانہ چھوڑ کر

تقدیر کا وہ پھیر ہے زاہد یہ دورِ عیش
تسبیح کون پھیرے گا پیمانہ چھوڑ کر

انساں میں آن بان بھی تھوڑی سی چاہیے
مرکیوں نہ جائے وضعِ شریفانہ چھوڑ کر

کیا کام دودِ آہ سے دیکھو بہارِ داغ
تم پھول چن لو سبزۂ بیگانہ چھوڑ کر

ساقی ملا کے آنکھ مئے بیخودی پلا!
جب ہم ادھر جم ہی لیگا یہ پیمانہ چھوڑ کر

آئے تھے تیلدہ سے سوئے کعبہ شوق میں
ڈھونڈا ہمارا گھر ملا ہے بہی سا نہ چھوڑ کر

ضامن اب اون کی بزم سے اٹھنا نہ چاہیے جی
جاتا ہے شمع کو کہیں پروانہ چھوڑ کر

ظالم یہ ستم آیا ضامن سے ناتواں پر
کوہ الم گرایا اک مشت استخواں پر

کیونکر کھنچے گا یارب وحشت میں بار الفت
ہے شمع کی طرح سے سوز نہاں زباں پر

بجلی گری ہے دل پر اس نے یاد روئے دلبر
کیا جانے اس کو مہماں گذری جو میزباں پر

کچھ عاشقوں کی آخر ثابت ہوئی خطا بھی
قتل اس طرح کسی کو کرتے نہیں گماں پر

پر تو فگن ہے یارب کس مہروش کا جلوہ
دہوکا ہے آسماں کا اس تیرہ خاکداں پر

کھوتی ہے جان تو کیوں اے عندلیب نالاں
گل ہی نہیں جب اپنے کیا بس ہے باغباں پر

بس اون کی جاں کا ہے اللہ ہی نگہباں
تکیہ کیے ہوئے ہیں جو تجھ سے بدگماں پر

اے نفر عاشقوں کو مرنا ہی زندگی ہے
دیتے ہیں جان تم سے اس عمر بادواں پر

بیمار عشق کو ہو امید کیا شفا کی !
عیسی بھی ہوں جو چھڑ کے جا بیٹھے آسماں پر

بے مہری و تجاہل بیدردی و تغافل
ڈھائی ہے یہ کچھ آفت اک جان ناتواں پر

افسانہ جان کر وہ سننے لگے تھے لیکن
گھبرا کے چونک اٹھے فرقت کی داستاں پر

فصل بہار کی سب قدرت نمائیاں تھیں
ضامن نہیں وہ جو بن اب باغ و بوستاں پر

نہ تو ہوں مست اور نہ ہوں ہشیار
چشم میگوں کے عشق کا ہے خمار

میکدہ میں ہے الصلا کی پکار
ہیں کہاں رند آئیں آئی بہار

دل میں اغیار کی جگہ کیا ہو
لیس فی الدار غیرہ دیار

ق

دیکھتے چشم تر کی حالت گر !
دھو ہی جاتا کچھ اون کے دل کا غبار

سن کے نالے صدائے بے ہنگام
درد دل کا ہو کس طرح اظہار

اشک کیونکر چلو میں دوڑ سکیں
ہے سمند ہوا پہ نالہ سوار

فائدہ کیا ہے ایسے رونے سے
متاثر نہ جس سے ہو دلِ یار

خاک میں موتیوں کو یوں نہ ملاؤ
مال اچھا ہے لے چلو بازار

چل کے خود اُن کو نذر دو ضامنؔ
ان یتیموں پہ آ ہی جائے گا پیار

موت کیوں آئی ہے بلائے بغیر
ہم نہ جائیں گے اُن کے آئے بغیر

بات بنتی نظر نہیں آتی
قصۂ غم اُنہیں سنائے بغیر

کیا کریں خو سے وہ بھی ہیں مجبور
چین آتا نہیں ستائے بغیر

ضعف سے نقشِ سنگِ در ہو بنے
کیا اٹھے وہ ترے اٹھائے بغیر

اور کچھ جب نہیں تو غم ہی سہی
زندگی کس طرح ہو کھائے بغیر

راستی سے کبھی چلا نہیں کام
بات بنتی نہیں بنائے بغیر

دل ہدف ہوگا تم نظر تو اٹھاؤ
تیر چلتا نہیں چلائے بغیر

آہ خونِ جگر میں ڈوبی ہے
نہ رہے گی یہ رنگ لائے بغیر

کیا سمجھ کر ادا کی زد پہ گیا
دل بچے گا نہ چوٹ کھائے بغیر

مال ہے یہ بُرا نہ مانیے آپ
کیسے دیدوں دل آزمائے بغیر

ضامنؔ اور در سے آپ کے اٹھ جائے
وہ بھی جینے سے ہاتھ اٹھائے بغیر

ہمارے آبلوں کا خوں نہیں خارِ مغیلاں پر
بچھائے ہیں کسی نے پھول دامانِ بیاباں پر

نہیں موجیں سرابوں کی یہ وحشی کوئی آتا ہے
لکھا ہے خیر مقدم ہر طرف صحرا کے داماں پر

ایضاً

اسی رستے ترا جلوہ حریمِ دل میں آتا ہے
ہیں موتی فرشِ رہ آنسو نہیں ہیں نوکِ مژگاں پر

دیا درسِ انا لیلیٰ یہ کس نے تجھ کو اے مجنوں
کہ بھولا نسخۂ آدابِ الفت طاقِ نسیاں پر

نہ کیونکر جان دوں تیغِ تبسم پر یہ کیا کم ہے
مرے دل میں ہے جو وہ ہے ترے لب ہائے خنداں پر

دلِ اغیار و ذوقِ لذتِ زخمِ نہاں - توبہ
نمک کس کو گرتے دیکھا شوق سے کس نے نمکداں پر

صدائے گریۂ یعقوب ہیں زنجیر کے نالے
گماں بیت الحزن کا ہو نہ کیوں یوسف کے زنداں پر

خدارا شعلۂ آوازِ بلبل سے ڈرا اے گلچیں
بجائے آتشِ گل آگ برسیگی گلستاں پر

وفورِ بیخودی سے دل میں جو مضموں تھا سب بھولا
یہ کس کا نام یارب لکھ گیا میں خط کے عنواں پر

رہِ الفت میں جاں دیکر سرافرازِ جہاں ٹھہرے
کریں سجدے نہ کیونکر اہلِ دل خاکِ شہیداں پر

تھا غالب مہرِ اوجِ نظم ضامن کر نہ ہمچشمی
مٹے تو وہ قطرۂ شبنم جو ہو خارِ بیاباں پر"

ایضاً

ہو ناز کیا ہمیں کشتِ وفا کے حاصل پر
ہنسی کسی کی گرائے گی بجلیاں دل پر

بہت وسیع ہے صحرائے عشق اے مجنوں
یہاں نظر نہیں جاتی کسی کے محمل پر

جہاں میں ہوگا بہت کم ہنر کوئی بے عیب
کلف کا داغ ہے رخسارِ ماہِ کامل پر!

"شہید ناز کو عمرِ ابد مبارک ہو"
پڑھے کوئی یہ لکھا ہوگا تیغِ قاتل پر!

ہے سرگذشت کسی تشنہ کامِ الفت کی
یہ سلک موج نے جو کچھ لکھا ہے ساحل پر

مکاں ہوا یہ بنا نیکا نام ہے امید
گماں ہے نقشِ سلیماں کا حرفِ باطل پر

گداؤں کو متکبر کیا کرم نے ترے
لگا کے مہرِ خموشی دہانِ سائل پر!

تمہارا تیرِ نظر اور پھر خطا کرتا
جگر کی چوٹ بچائی تھی پڑ گئی دل پر!

امید و بیم کا جھگڑا ہے زندگی کیا تھی
اتر ہی جائیگا سر سے یہ بار منزل پر

ہے نورِ دیدۂ عالم وہ غیرتِ لیلیٰ
رواں ہیں آنکھ کے پردے ہوا سکی محمل پہ

میں ایک داغِ محبت کو ڈھونڈوں کیا ناصح
ہزار داغ ہیں جب تیرے دامنِ دل پر

رہ طلب میں ابھی سے یہ خستگی ضامن
کمر ہیں کھولتے رہرو پہنچ کے منزل پر

۱۳۲۲ھ

کون میں مجھ سے تری حمد و ثنا ہو کیونکر
غازۂ روئے بقا گرد فنا ہو کیونکر!

پائے تدبیر میں ہے خود غرضی کی بیڑی
ایسی حالت میں کوئی کام روا ہو کیونکر

ظلمتِ شب سے بڑھی گرمی ہنگامۂ صبح
زلف اوس عارضِ روشن سے جدا ہو کیونکر

سر بسر موجود ہے پھر مجھ سے یہ کیوں ہی چھپتے ہو
تم کہو صیقلِ شمشیرِ قضا ہو کیونکر"!

ناوکِ عشق کہاں اور دل اغیار کہاں
قدر اندازِ قضا سے یہ خطا ہو کیونکر

مجھ سے کھنچتے ہیں جو وہ اسکے کچھ اسباب بھی ہیں
یہ گرہ ناخنِ تدبیر سے وا ہو کیونکر

بام عزت سے ہے کوتاہ ہوس کا زینہ
کاغذ باد بھلا تحت صبا ہو کیونکر

غنچے چٹکا کریں گل ہنستے رہیں کیا حاصل
غم خزاں کا دل بلبل سے جدا ہو کیونکر

عشوہ پروردہ آغوشِ جفا کیشی ہے!
یہ جہاں پر ہو وہاں قدر وفا ہو کیونکر

زنگِ آئینۂ باطن ہے غبارِ تزویر
اس خودی پر دل زاہد میں صفا ہو کیونکر

نغمۂ ساز محبت ہے نوائے بلبل!
غنچہ ساں غنچۂ دل اس سے نہ وا ہو کیونکر

آدمیت سے بھی ہے دور ابھی شیخ حرم!
یہ ز خود بے خبر انسان خدا ہو کیونکر

بیخودی نے مری خود کر دیے افشائے راز
حیرت آئینہ جلباب خفا ہو کیونکر

یہی وہ چیز ہے جو رخنہ گرِ الفت ہے
خار صحرائے خودی مہر گیا ہو کیونکر

عشق نے شمع کو سکھلائی ہے یہ گرم روی
ہم سفر اس کا ہر اک آبلہ پا ہو کیونکر

آزمائش ہے یہ ضامن جسے سمجھے ہو جفا
وہی چاہیں نہ تو پھر تم انہیں چاہو کیونکر

## ردیف زائے معجمہ

دل نے سراغ اوس کا لگایا نہیں ہنوز
قطرہ نے راز بحر کو پایا نہیں ہنوز

۱۳۵

تھا مانع فروغ ہنر اضطراب دل — ذرہ میں آفتاب سمایا نہیں ہنوز
ناساز ہے دلوں کے لئے کچھ ہوائے ناز — اک غنچہ اس صبا نے کھلایا نہیں ہنوز
ہے اک جہاں فریب حیا کا طلسم بند — جادو تری نظر نے جگایا نہیں ہنوز
ہے صرف دل لگانے پہ اس درجہ برہمی — ہرچند اون کو ہاتھ لگایا نہیں ہنوز
ہے رخنہ ساز نظمِ جہاں اختلافِ رائے — کوئی سبیلِ فصلِ قضایا نہیں ہنوز
کیوں دہر میں عیاں اثرِ انقلاب ہے — سینہ سے میں نے ہاتھ ہٹایا نہیں ہنوز
پیری و عشق اے ہوسِ ہرزہ کار واہ — نکلا دن اور چراغ بجھایا نہیں ہنوز

ضامن کہاں تک اب یہ ہواداری امید
اس نخل میں تو ایک پھل آیا نہیں ہنوز

۱۳۶

کب تک نیاز مند سے اپنے ادائے ناز — وہ دل نہیں رہا جو کسی کے اٹھائے ناز
مانا کہ ہم کو اون سے محبت سہی۔ مگر — کیا ہوگا سنگِ راہ ہے جبتک یہ پائے ناز
جو دلفریبیاں تھیں دل آزاریاں ہوئیں — وہ ابتدا تھی اور یہ ہے انتہائے ناز
کیا عاشقوں کے غنچۂ خاطر شگفتہ ہوں — ناساز ہے دلوں کے لئے کچھ ہوائے ناز
شوخی۔ حیا۔ کرشمہ۔ ادا۔ عشوہ۔ عربدہ — سب ہے شگوفہ کاری نیرنگ ہائے ناز
ٹھکرائے لاکھ کوئی قدم سے اٹھے نہ سر — یہ شیوۂ نیاز ہے وہ مقتضائے ناز
یہ حُسن بےمثال زہے شانِ کبریا — موزوں تمھارے قد کے لیے ہی قبائے ناز
دل عرش۔ آنکھ عرش کا تارا تجھی سے ہے — ہے جلوہ گاہ حُسن کی یہ وہ سرائے ناز

ضامن حیا کی نذر کرو جان زار بھی
جب دل نثار عشوہ ہے دیں ہی فدائے ناز

عشق سحر کرتا ہے دل کیوں ساز باز — دوست ہوتے ہیں کہیں عصفور باز

ہم بھی ہیں خدمت میں حاضر دل لیے
فرق ہے خورشید در روئے یار میں
اون سے بچ کر جا سکے گا دل کہاں
شرط طبع نیک ہے خوئے کرم
ہے مقدم قفل دل کا کھولنا
کان ہیں صوت شکستِ دل سے پُر
میلِ راہِ دوست ہیں پائے طلب
تھی جہاں بھی اخوت کی بساط
ہی مثبت کار داغ عشق سے
پائے استقلال جب ہوں بے سکت

ردیف ز

دیجے چشم مست کو تعلیم ناز
کیجے نار و نور کا گر امتیاز
صید پر غالب ہے رعب شاہباز
وقف گلچیں ہے گلوں کا اہتزاز
خود بخود کھل جائیں گے ابواب راز
کہہ دو مطرب سے نہ چھیڑے اپنا ساز
وقفِ سنگ آستاں فرق نیاز
اب وہاں پھیلا ہوا ہے دام آز
دیدنی ہے خانۂ دل کا طراز
ہوگا دل کیونکر حریف دیو آز

واں غرور حسن کم ہوتا نہیں
ضامن آخر تا کجا عجز و نیاز

ظاہر ہوئی کب اون پہ میری آرزو ہنوز
بدنام ہو کے عشق کی چھوڑی نہ خو ہنوز
دستِ کرم جنوں کا گریباں پہ جا پڑا
گو خود تری تلاش میں گمنام ہو گئے
یاں کشمکش سے تارِ قفس ٹوٹنے کو ہیں
دشوار ہے کہ اوس پہ جمے رنگِ آشتی
اوس گل سے گو جدا ہوئے مدت ہوئی ہمیں

ردیف ز

ٹپکی کہاں یہ آنکھ سے بن کر لہو ہنوز
اے کیوں نہ ہو ہے اور بھی کچھ آرزو ہنوز
دامن کا ہو چکا تھا نہ پورا رفو ہنوز
لیکن مٹی نہیں ہوس جستجو ہنوز!
الجھی ہوئی ہے اون کی وہی گفتگو ہنوز
آمادۂ فساد ہے وہ جنگ جو ہنوز
لیکن دماغ میں ہے بسی اوسکی بو ہنوز

ہے ہرزہ گردیوں کی ابھی تک ہوس بجھے
ضامن مگر گنوائی نہیں آبرو ہنوز

# ردیف سین مہملہ

(۱۳۲)

محلِ معرفتِ نفس ہے حجابِ نفس
کہ وجہ برہمی دل ہے پیچ و تابِ نفس!

رجوعِ قلب نہیں یاد یار کیا آئے
خرد شکارِ ہوس ہے تو دل خرابِ نفس

سمندِ عمر پہ غافل نہ بیٹھ او ناداں!
نہ ٹوٹ جائے کہیں تسمۂ رکابِ نفس

ہیں کرتے بحر سے کیوں لوگ عمر کو تعبیر
خبر نہیں کہ یہ ہے موجۂ سرابِ نفس؟

خیال پیروی نفس ہر نفس ہے جنہیں
خدا کے سامنے کیا دیں گے وہ حسابِ نفس

سکون دل کو خرابات دہر میں کیا ہو
خم وجود میں ہے نو جزن شرابِ نفس

غزل میں گرچہ ہے ضامن تتبع صائب
پہ یاں ہے قیدِ اضافت سے بستہ بابِ نفس

(۱۳۳)

دنیا میں پوری ہوگی نہ آرام کی ہوس!
نکلے گی قبر میں دل خودکام کی ہوس!

وہ دن گئے کہ وصل میں راز و نیاز تھے
ہے اُن سے اب تو نامہ و پیغام کی ہوس

نیت ہو ٹھیک گر تو خدا بھی مدد کرے
پوری ہوئی ہے کب کسی خودکام کی ہوس

آتی ہے بات بات سے زاہد ریا کی بو!
اس زہد پر ہے خوبیٔ انجام کی ہوس

تیرے کرم نے رندوں کو ساقی چھکا دیا
لیکن مجھے ہے آخری اک جام کی ہوس

ہے عزم اور چیز ہوس اور چیز ہے
وہ مرد ہے کہ جسکو ہو کچھ نام کی ہوس

کوشش درِ مراد کی اصلی کلید ہے
دونوں جہاں سے کھوتی ہے آرام کی ہوس

ضامن خدا کا خوانِ کرم ہے بہت وسیع
مانگیں ٹکڑ گداں سے یہ کس کام کی ہوس

ہے صرف ایک آہ شرر بار کی ہوس<br>بگڑو نہ تم تو نکلے دل زار کی ہوس!

نقصاں اٹھا چکے ہیں بہت جن کے ہاتھ سے<br>پھر ہے انہیں کے گرمی بازار کی ہوس

عاشق کی آنکھیں مرنے پہ بھی ہیں کھلی ہوئی<br>یعنے کہ لے چلا ہے یہ دیدار کی ہوس

آئی بہار۔ پھول کھلے۔ جی ہوئے بحال۔<br>رندوں کو پھر ہوئی مئے گلنار کی ہوس

کیا برقِ طور سمجھے ہیں برقِ جمال کو<br>موسی کریں نہ یار کے دیدار کی ہوس

کرتا ہے بار بار جو مژگاں کا سامنا<br>دل سے گئی نہیں خلش خار کی ہوس

ضامن جو پلکوں سے گل نقش قدم اٹھائے<br>پوری ہو دیدِ شوخیِ رفتار کی ہوس

[illegible]

# ردیف شین معجمہ

یہ حسن رہ نہیں سکتا نقاب میں رو پوش<br>ہوئی ہے قدرت حق کب حجاب میں رو پوش

قتیلِ تیغ نظر کر کے وہ چرا گئے آنکھ<br>چمک کے ہو گئی بجلی سحاب میں رو پوش

مٹا یا مجھ کو زمانہ کی سرد مہری نے<br>ہوا ہے ولولۂ دل شباب میں رو پوش

اگر ہو رنگِ جہاں اعتبار کے قابل<br>شمیم گل نہ ہو جا کر گلاب میں رو پوش

مراد غیر سے ہے رخ ادھر ہے کیا سمجھوں<br>کرم جو یوں ہو نقاب عتاب میں رو پوش

ترے فراق میں اے ماہ میرے اختر بخت!<br>ہوئے ہیں حسرت و غم کے سحاب میں رو پوش

بہت بلند تھا ہر چند خرمنِ عصیاں<br>ہوا ہے بارش چشم پُر آب میں رو پوش!

نہاں ہے اہل نظر سے یوہنی وہ پردہ نشیں<br>ہوں جس طرح سے معانی کتاب میں رو پوش

خیال بن کے رہو میرے حجلۂ دل میں<br>نظر بنو جو ہے رہنا حجاب میں رو پوش

کسی کے جلوہ سے یوں داغ دل مٹے جیسے<br>ہوں تارے روشنی آفتاب میں رو پوش

[illegible]

یقین قدرت حق پھر کسے رہے ضامن<br>جو ہو نہ شاہد مقصد حجاب میں رو پوش

## ردیف صاد مہملہ

کیا اسکی توقع کہ بڑھے یار سے اخلاص
ہم سے تو نہ ہوگا کبھی اغیار سے اخلاص

اچھا نہیں دیکھو بہت اغیار سے اخلاص
ہے وجہ خلش گل کے لئے خار سے اخلاص

دل سلسلۂ زلف میں الجھیں تو عجب کیا
پوشیدہ نہیں سبحہ کا زنار سے اخلاص!

لٹتی ہے انہیں باتوں میں اعزاز کی دولت
ہے وجہ زیاں مردم بازار سے اخلاص

برہم ہوے وہ مجھ کو ہوا جوشِ محبت
ہے طرفہ مزہ بڑھگیا تکرار سے اخلاص

کوثر ہو کہ بھٹی یہ جہاں میں بھی ہاں ہوں
مے سے ہے محبت مجھے خمار سے اخلاص

چھپتی ہے کہیں شرم وفا لاکھ چھپاؤ
ظاہر ہے اس اکھڑی ہوئی گفتار سے اخلاص

دینے کو ہے کچھ پاس نہ لینے کی ہوس ہے
نادار سے وحشت ہے نہ زردار سے اخلاص

آزاد جو ہیں بوالہوسی سے انہیں کیا کام
یہ تولتے ہیں قلب کے معیار سے اخلاص

اسوقت الٰہی مرا بے مہر کہاں تھا
تقسیم ہوا جب تری سرکار سے اخلاص

بلبل کو ملا خار الم الفت گل میں
زردار کہیں رکھتے ہیں نادار سے اخلاص

تو چلنے پہ آمادہ ہو اور آئے نہ وہ ساتھ
ایسا تو نہیں حشر کو رفتار سے اخلاص

بیگانہ تعصب سے ہوں سلک ہی مرا صلح
یکساں ہے مجھے کافر و دیندار سے اخلاص

اس دام سے یارب دل وحشی کو بچانا
کرتا ہے بہت گیسوئے خمدار سے اخلاص

دل سرد ہوا رنگ جہاں دیکھ کے ضامن
اب غیر سے وہ بیر نہ ہے یار سے اخلاص

## ردیف ضاد معجمہ

جفا نہیں ہے ستمگر مری وفا کا عوض!
وفا وفا کا عوض ہے جفا جفا کا عوض!

۱۲۱۵ھ

عزیز رکھوں نہ کس طرح داغ فرقت کو
یہی ملا ہے دل درد آشنا کا عوض !

کسی قدر ترے احساں کا بوجھ کم ہوتا
خطا جہان میں ہوتی اگر عطا کا عوض

لیا تھا ناز نے دل جان مانگتی ہے حیا
وہ اوس ادا کا عوض تھا یہ اس ادا کا عوض

تری عطا کے عوض شکر بھی نہیں ممکن
ہے تو کریم نہ لینا مری خطا کا عوض

بجائے جاں تھی شگوفہ میں بو پہ وارے دل
اسی کو دے کے کیا خدمتِ صبا کا عوض

ہمیں ہوس بھی نہیں کچھ تجھے مبارک ہو
ریاض خلد ہے زاہد اگر ریا کا عوض

بہانہ ہاتھ لگا اور اک ادا نہیں ضامن
کہا جو ترک وفا ہے تری جفا کا عوض

# ردیف طاء مہملہ

۱۲۲۲ھ

ساتھ ساقی کے اٹھے بزم سے اسبابِ نشاط
بنگیا نالۂ غم نغمۂ اربابِ نشاط

بخدا شیخ عجب بحر کرم ہے ساقی
ہاتھ آتا ہے یہیں گوہر نایابِ نشاط

عالم یاس میں شاکر ہوئے تقدیر پہ جب
بڑھ کے رحمت نے وہیں کھولدیا بابِ نشاط

وہ ہے دنیا کے لئے اوس کے لئے ہو دنیا
غم کی حالت میں نہ بھولیں جسے آدابِ نشاط

کی بہت نسخہ ہستی کی ورق گردانی
نگر اس میں نظر آیا نہ کہیں بابِ نشاط

مے سے پرہیز ہی لازم ہے تجھے ای زاہد
جو ہیں کم ظرف اونہیں ہوتی ہے کب تابِ نشاط

مئے انگور ہو یا بادہ کوثر جو ہو !
سرخوشی خلق میں ہے حاصل اسبابِ نشاط

دل میں آجاتا ہے یوں عیش گذشتہ کا خیال
دیکھے سرخوش کوئی جسطرح کبھی خوابِ نشاط

اشک غم باعث سرسبزی امید ہوئے
پھر ہرا ہونے لگا گلشن بے آبِ نشاط

عین راحت ہے بسر ہو اگر آزادی سے
بوریا کیوں نہ بنے بستر سنجابِ نشاط

جو غم عشق کی لذت سے ہیں واقف ضامن
اون کو ہرگز نہیں درکار مئے نابِ نشاط

## ردیف ظاء معجمہ

۱۳۱۲

کرتے ہیں جیسے تمہارا ہم لحاظ
تم کو بھی لازم ہے بیش و کم لحاظ

دوست وہ سکتے نہیں ہرگز کبھی
جن کو باتوں میں نہیں باہم لحاظ

کچھ تو اے بیباک کر الفت کا پاس
میرے زخم دل کو ہے مرہم لحاظ

چھیڑتے کیوں اون کو بزم غیر میں
کرتے ہیں ایسی جگہ خود ہم لحاظ

وہ مسی آلودہ لب کھلتے نہیں
ہو نہ کیونکر میرے حق میں سم لحاظ

وہ جہاں میں تھا یہ حق میں جام ہے
کیوں نہ کرتا میرے دل کا جم لحاظ

سرکشوں کی ہے ادب آموز تیغ
اون کو سکھلاتا ہے اس کا خم لحاظ

ڈھا دے جب چاہے یہ بنیاد جفا
کرتا ہے کچھ دیدۂ پرنم لحاظ

تنگدستی اور شرافت قہر ہے
وضع کا دشوار ہے ہر دم لحاظ

تیرے آگے روؤں کیا اے مہر وش
کرتی ہے خورشید کا شبنم لحاظ

پاس ناموس ننگ سے ناصح ضرور
عاشقوں کو پر ہے اس کا کم لحاظ

دیکھو مشکل ہے بہت اخفائے راز
بات کا میری رہے ہمدم لحاظ

طالب عزت کو ہے درکار ضبط
وضع کا ضامن رہے ہر دم لحاظ

## ردیف عین مہملہ

۱۳۱۴

الغلاز ہد ریائی ذوق عرفاں الوداع
خانقاہیں لٹ گئیں برہم ہوئی بزم سماع

[illegible] ہمت پست اپنی حائل ہو گئی
نا سینے آ سکے تھے ہم سقف فلک کا ارتفاع

[illegible] ان [illegible] قسمت کی روبہ بازیاں
جو ہما در تھے بڑے اور سر بر آوردہ شجاع

سمجھے تھے پہلے ہی سے اسکو طبیعت کا بخار
کب ہمیں کشت ہوس سے تھی امید انتفاع

مرضی مولیٰ ہے اد لیٰ سب سے جو ہو جیسی ہو
ہم کو ہر حالت میں لازم ہے تمھارا اتباع

تا بدیوار توکل سنگ منت آئیں کیا
قلۂ قاف قناعت عافیت کے ہیں قلاع

تیزی تیغ زباں سے اُن کی ہمکو ڈر یہ ہے
ہو نہ جائے رشتہ الفت کا اکدن انقطاع

کب گئے وہ یاں سے اٹھ کر یہ بتائے ہمنشیں
پوچھتا کیا ہے کہ حالت کیا رہی وقت وداع

شکر ہے او نکو دل پُر درد و داغ آیا پسند
ورنہ کوئی مفت بھی لیتا نہیں ناقص متاع

کشتئ تن غرق بحر غم نہ کراے چشم تر
ناخدائے دل سے کہدے آہ کا کھینچے شراع

خوبی قسمت ہے یہ ضامن کہ از خود آ گئے وہ
جن کے آنے کی نہ کچھ امید تھی نہ اطلاع

# ردیف غین معجمہ

نصیب کس کو ہے صہبائے خوشدلی کا ایاغ
جگر میں لالۂ گلگوں قبا کے بھی ہے داغ

ہوائے گلشن ہستی نہ ہم کو راس آئی
شمیم گل سے پریشاں ہوا کچھ اور دماغ

ہجوم یاس میں کاٹی تمام رات۔ اگر
سحر کو خانۂ امید میں جلائے چراغ

خیالِ پرسشِ عقبیٰ نے دل کیا بے چین
جو دو گھڑی کو غم دہر سے ہوا بھی فراغ

عدم سے آئے تھے ہستی کو پھر چلے ہیں عدم
ذرا مرا دسکا لیکن کہیں ملا نہ سُراغ

سیہ دروں کو نہیں تربیت سے کچھ حاصل
کہ شست و شو سے نہ اجلا ہوا کبھی پر زاغ

خزاں کا خوف نہیں نیکیوں کے گلشن کو
ہو کوئی فصل ہمیشہ ہرا بھرا ہے یہ باغ

قریب ہے کہ جگر محتسب کا خوں ہو جائے
شراب لعل سے ساقی نے پھر بھرا ہے ایاغ

نگاہ کم سے نہ ضامن کو دیکھ او منعم
ہے گرچہ خاک نشیں عرش پر مگر ہے دماغ

قطعہ

کسی بشر کو نہ دے ایخدا پسر کا داغ
ہزار داغ سے بڑھکر ہے اک جگر کا داغ

ہمارے جامۂ ہستی کی شست وشو نہ کرد
نہ سمجھو دوستو اس کو ادھر اُدھر کا داغ

یقیں ہے ہوگا نمایاں کفن پہ بھی پس مرگ
کہ ہے یہ ریزش خوں ناب چشم تر کا داغ

طبیب کون بلا ہے علاج کیا شے ہے
کرے تو موت ہی اچھا کرے جگر کا داغ

نہیں ہے بخیہ کوئی رنگ غیر بے رنگی
فریب وہم ہے طاؤس تیرے پر کا داغ

خدا کیواسطے باز آ جفا سے اے صیاد
نہ دے بہار میں بلبل کو بال و پر کا داغ

گئی کثافت ذاتی نہ شست وشو سے کبھی
دُھلا نہ چشمۂ خورشید میں قمر کا داغ

گراں ہوں مفت بھی اہل زمانہ کو ضامن
کہ میری جنس تشخص میں ہے ہنر کا داغ

# ردیف فا

قطعہ

ہیں پیش اہل نظر یوں بُرے بھلے اوصاف
کہ جیسے کھوٹے کھرے کو پرکھتے ہیں صراف

ہوا کمال کہیں مانعِ خوشِ اخلاقی
سہے روشنی مہ چار دہ زیادہ صاف

حریم دل سے اگر خانۂ خدا ہے مراد
تو دونوں ایک ہیں پھر اعتکاف ہو کہ طواف

ہے اضطراب و سکون دل مآل اندیش
یہ جس کا نام ہے دوزخ بہشت اور اعراف

بشر بری ہو غرض سے تو شور و شر کیوں ہو
مخالفت کا سبب ہے حقوق کا اتلاف

ہے زور طبع یہ شاہد لطافتِ مضموں
کہ آب جتنا رواں ہو اسیقدر ہو صاف

چلانے والا ہے کشتی کا جسکی تو اسکو
نہ بادباں سے ہے کام اور نہ حاجتِ مجداف

رقیب چھیڑ کرے بھی تو چپ ہو ضامن
کہیں سُنا ہے رذالے کے منہ لگے اشراف

# ردیف قاف

میں جو کہتا ہوں ہائے ہائے فراق
عرش تک جاتی ہے صدائے فراق

میرا دل بھی ہے آشنائے فراق
ہے یہ مدت سے مبتلائے فراق

سر پہ آئے نہ یہ بلائے فراق!
حق نہ دشمن کو بھی دکھائے فراق

نہیں تارے اندھیری راتوں میں
آنکھیں دکھلاتی ہے بلائے فراق

آپ اگر مہربان ہوں مجھ پر!
اپنی صورت نہ پھر دکھائے فراق

جو گذرنی تھی ہم پہ وہ گذری!
کیا کہیں تم سے ماجرائے فراق

میرے نالوں میں ہو جو کچھ بھی اثر
منزلوں پھر تو بھاگ جائے فراق

کیا بگاڑا ہے میں نے ظالم کا
بے سبب کیوں مجھے ستائے فراق

فائدہ کیا کسی علاج سے ہو!
ہے فقط وصل ہی دوائے فراق

ستیاناس ہو ترا ظالم!
کیا برباد تو نے ہائے فراق

آپ گر چاہیں تو مرے سر سے
دور ہو جائے یہ بلائے فراق

ہم نے مضبوط کر لیا ہے دل
جتنا جی چاہے اب ستائے فراق

بیخودی پر نہ میری گھبراؤ
دوستو ہے یہ مقتضائے فراق

آج تک وصل میں کٹی ضامن
دیکھیے آگے جو دکھائے فراق

# ردیف کاف

فرقت میں گریباں ہی نہیں شام و سحر چاک
ٹکڑے دل مایوس ہے پہلو میں جگر چاک

کیا اس کا عجب ہیں دل عشاق اگر چاک
کر دیں یہ جفائیں تری پتھر کا جگر چاک!

اتنا تو شب ہجر کے نالوں میں اثر ہو
سینہ ہو مرا مثل گریبان سحر چاک!

اللہ رے ترے خنجر ابرو کی صفائی!
اک وار میں دونوں ہوئے دل اور جگر چاک

اے چارہ گر کس لئے یہ زحمت بیجا
رہنے دو یوں ہی جیب و گریباں ہیں اگر چاک

اے رشک قمر دیکھ یہ تاثیر محبت!
سینہ ہے مرا مثل کتاں اٹھ پہر چاک

ارمان نکلنے کی ہو کیونکر کوئی صورت
کچھ حال دل اسمیں ترے عاشق نے لکھا ہی
جز داغِ محبت نہ جگر اور نہ دل ہے

جب تک نکرے دل کو تری تیغ نظر چاک
بے دیکھے ہوئے نامہ کو للہ نہ کر چاک
پہلو کو مرے کیجیے بے خوف و خطر چاک

کی سیر جو ہم نے چمن عشق کی ضامن
خود غنچۂ دل ہو گیا مثل گل تر چاک

۱۲۲۲

الفت میں یونہی کوئی ناکام رہے کب تک
ہے سانس ابھی جلتی دے جام کوئی ساقی
پیری و سیہ مستی کر تو بہ خدا جانے !
خوش ہو کہ خفا کوئی کر گزریں ہم اپنی سی

ناکام رہے کب تک بدنام رہے کب تک
کیا جانیے یہ دورِ ایام رہے کب تک
یہ صبح رہے کب تک یہ شام رہے کبتک
ہے عشق تو پھر فکر انجام رہے کب تک

ہے دور اگر وہ در کعبے ہی چلو ضامن
بے وجہ کوئی باندھے احرام رہے کب تک

۱۲۲۲

خالق نے زباں دی ہے چپ کوئی رہے کبتک
کچھ ضبط کی ہے حد بھی بیجان نہیں کوئی
فرقت میں جو مرتا ہے مر جائے تو اچھا ہے
تو غیرت عیسی ہے لے جلد خبر اسکی
جب ہم نے سنا تم سے دکھڑا ہی سنا ضامن

جو بات کہ دل میں ہے منہ سے نہ کہے کبتک
کبتک نہ ہو سر نالہ آنسو نہ بہے کب تک
یہ بھی کوئی جینا ہے ایذائیں سہے کبتک
بیمار ترا یونہی بدحال رہے کب تک
بس چپ رہو جانے دو رو گے وہی کبتک

## ردیف کاف فارسی

ضامن ہے اس جہان سے میرا جہاں الگ
میری زمیں الگ ہے مرا آسماں الگ

سمجھو تو واہ واہ نہ سمجھو تو واہ واہ
جز راستی کہ جس میں نہ ہو دخل جھوٹ کا
کیا اختیار ہے جو کہے کوئی خود پسند
تحسین ناشناس کی پروا نہیں مجھے
کہیے کہ آ کے ساتھ مرا معرکہ میں دے
ناحق لگا رہے ہیں کمند ہوس حریف
عاجز ہے کشمکش سے تمنا کی تن میں روح
کافی ہے سایہ یار کی دیوار کا مجھے
کیا دور ہے کہ جسم سے ہو جاں اب جدا
ضامن زمانہ قتل معانی پہ ہے تلا

میرا بیان سب سے جدا ہے زباں الگ
اے طبع چل سنا مجھے وہ داستاں الگ
ہر شخص کی ہے رائے الگ اور گماں الگ
میرے بھی قدرداں ہیں کچھ نکتہ داں الگ
کچھ بات ہے کہ غیر کا ہو امتحاں الگ
بام مراد کے لئے ہے نردباں الگ
دل تنگ میہماں ہیں الگ میزباں الگ
کیوں اس گلی سے اٹھ کے بناؤں مکاں الگ
رہنے لگا ہے مجھ سے وہ جان جہاں الگ
لے جا کے ان نتیجوں کو رکھوں کہاں الگ

# ردیف لام

اے تازہ واردان بساط ہوائے دل
دار فنا جہاں کو ہے سمجھا ہوا کوئی!
روتا ہے کوئی اختر بخت سیاہ کو!
نالاں عروس دہر کے ہاتھوں سے ہے کوئی
تیغ جفائے ناز سے ہے جاں بلب کوئی
وہ خوش ہے پا کے مال غنیمت حریف سے
مخمور جام عشرت دوشینہ آج ہے
گلچیں تھا پہلے جو کہ ریاض مراد کا
مست شراب عیش بنا پھر رہا ہے گر کوئی!

سننا ہے گر تو مجھ سے سنو ماجرائے دل
شکوہ کسی کو یہ کہ ہے درد آشنائے دل
رکھتا ہے داغ سینہ میں کوئی بجائے دل
کہتا ہے اس سے کوئی نہ ہرگز لگائے دل
چیں برجبیں ہے سن کے کوئی شکوہ ہائے دل
اس کے لئے ہیں داغ جگر خوں بہائے دل
مسرور تھا جو پی کے مئے اقتضائے دل
حسرت سے تک رہا ہے وہ اب ہائے ہائے دل
مستی شکن ہے ترشی اندیشہ ہائے دل

کانوں میں آرہی ہیں صدائیں شکست کی!
نوحہ بنا ہے زمزمۂ غم ربائے دل!

کل شاد تھا ہے آج غمیں ہوگا شاد کل
یعنی کہ ہے محال خلا سے فضائے دل

بیم و رجاؤ شادی و غم یاس و آرزو
خالی نہ ہوگی ان سے کسی دم سرائے دل

ضامن ہم اس میں خوش ہیں جو کچھ ہو رضائے دوست
راحت اٹھائے دل کہ مصیبت اٹھائے دل

ق

مقدر نارسا اور مبتلا دل
دل آنا کیا تھا ہاتھوں سے گیا دل

حقیقت کہہ رہے ہیں اشک خونی
کہ دل کیسا تھا اور کیا ہو گیا دل

کیا دنیا سے جب قطع تعلق !
چراغِ راہ آسائش بنا دل

سکھادے دلبری کوئی مجھے بھی
انہیں درکار ہے روز اک نیا دل

کہاں وہ صاحب محل کہاں ہم
ہے وحشت میں ہم آہنگ درا دل

حجاب آخر کہاں تک وصل کی شب
نہ مانے گا کسی کا چلبلا دل

منور شمع خلوت خانہ عشق
چراغِ محفل افروزِ وفا دل

دُرِ یکدانۂ بحرِ حقیقت
بہائے معدنِ حلم و حیا دل

چمن پیرائے باغ کامرانی
بہار گلشن عشرت فزا دل

ہوا بیگانہ بیگانوں سے مل کر
ہمارا مدتوں کا آشنا دل

نہیں چلتا ہے کچھ بس اس سے ضامن
بدل لیتے جو ملتا دوسرا دل

کہاں سے لاؤں میں ہدیہ نگار کے قابل
کہ ایک جان ہے وہ بھی نثار کے قابل

نہ چھوٹے تحجۂ مژگاں سے اشک کا سبحہ
ہے اون کا نام اسی پہ شمار کے قابل

نہ دیں گے کاکل جاناں سے ہم اسے تشبیہ
وقار یہ نہیں مشک تتار کے قابل

کبھی تو کیجیے روشن سیاہ خانے کو
ہے شمع رخ مری شبہائے تار کے قابل

شگفتہ دل میں ہوں گلہائے آرزو کیونکر
نہیں رہا یہ چمن ہی بہار کے قابل

سزائے عشق میں خوں ہو کے بہ گیا دل آہ
کتنا گنہگار تھا ٹھہرا افشار کے قابل

میں اپنے دل کو نہ کیوں لعل بے بہا سمجھوں
ہوا یہ گوشۂ دستار یار کے قابل

کہاں یہ جائے گا جھٹکو نہ اپنے دامن سے
سر فلک نہیں میرے غبار کے قابل

بجھا نکل کے شبستان انس سے دل زار
نہ تھی یہ شمع سر رہگذار کے قابل

بس اسکو پینے دو خون جگر کہ مست نہ ہو
یہ مے ہے **ضامن** پرہیزگار کے قابل

جہاں میں حضرت انساں کا ہے عجب کچھ حال
کبھی ہے مال کی خواہش کبھی ہے فکر مآل

کبھی ہیں ہائے پیٹ کے دھندے کبھی جہاں کی فکر
کبھی ہے خوف جہنم کبھی جناں کا خیال

کبھی تو اپنی فلاکت کو دیکھ کر رونا!
بیاد دولت و ثروت تجسس مال و منال

کبھی ہے عیش سے نفرت تو فقر سے رغبت
کبھی ہے عجز پسند اور گاہ جاہ و جلال

کبھی تو ولولۂ عشق سے ہے حسن پرست
کبھی ہے ذکر سے خوبوں کے دل کو اضمحلال

تھا وہ بھی ایک زمانہ کہ ہم تھے حسن پرست
یہ اک زمانہ ہے جب عشق جان کا ہے وبال

نہ سر میں ہے سر سودائے زلف عنبر بیز
نہ مرغ دل ہی کو مرغوب اب ہے دانۂ خال

نہ برق حسن جلاتی ہے صبر کا خرمن
نہ دل ہی ہوتا ہے رفتار ناز سے پامال

جگر کو کرتی ہے صد پاش تیغ ابرو کی
نہ سینہ ہوتا ہے تیر نگاہ سے غربال

قسم خدا کی فراغت عجب ملی **ضامن**
نہ غم فراق کا باقی ہے اب نہ ذوق وصال!

کسی سے کہوں میں کیا کہ ہے کیا کسی کے فراق میں مرا حال — سنہ ۱۲۴۳ھ
نہ سر کی خبر نہ پیر کی سُدھ نہ ہوش ہے نہ جی ہی بحال
ہیں ناوک ناز و تیغ نظر عدوئے دل اور خصم جگر!
ہے اسیہ بھی طرہ زلف مگر یہ کالی بلا قضا کا ہے جال
یہ جسکا ہے نام فتنۂ محشر اک کف پا کا ترے ہے نقش
وہ ہیں بہ غلط یہ کہتے ہیں جو فتنۂ حشر ہے تری چال
چمن ہوا سرخ آئی بہار آتش گل بھڑک اٹھی!
یہ ساقی مہوش سے کہو کہ آتش تر کو خم سے نکال
میں پابند فریب وفا ہوں تازہ اسیر دام ادا
ذرا تو ٹھہر ذرا اسے ڈر نہ خنجر ظلم ابھی سے سنبھال
بسے ترے ہی نام کی بستی ہے تیرے ہی اوج کی بستی
یہ دشت یہ دریہ یہ سر بہ فلک کشیدہ جبال!
تھا لینے میں دل جو عہد وفا وفا نہ ہوا وہ عہد ترا!
جو دھمکی دی ہے قتل کی اب برائے خدا اسے تو نہ ٹال
دل میں نہیں ہوس کوئی اب کہ یاس ہو دلی سکوں کا سبب
نہ سوز فراق کا ہے تعب نہ شورش آرزوئے وصال
عبث ہے تلاش اے غنا سن نہیں ہے یہ وزن ریختہ کا
تھی خاطر آپ نظر سے ہیں جو اتنے شعر نکال

## ردیف میم

بہ رشتہ ہے دل کباب جگر جلا ہیں جلا خدا کی قسم — سنہ ۱۲۴۳ھ
جمال بتان شوخ نظر ہے برق بلا خدا کی قسم

ملا منشی غلام دستگیر صاحب اثر شاگرد حضرت ... مرحوم

نصیب عدو ہو تیری بلا اوسی پہ پڑے وبال اس کا
زباں پہ نہ لا بجا بجا برائے خدا خدا کی قسم

ہے ایک سے ایک قہر و بلا رقیب اجل حریف قضا
یہ تیر نظر قسم بخدا یہ تیغ ادا خدا کی قسم !

نرالی ہی دھن نرالی ہی گت نرالی ہر ایک ادا کی ہے ست
ہے دل کے لئے ہی حجت کہ کھا تو بھلا خدا کی قسم

وہ نرگس و نسترن ہی نہیں وہ سوسن و یاسمن ہی نہیں
چمن تھا جو وہ چمن ہی نہیں خزاں تھی بلا خدا کی قسم

ہوس نہیں کوئی اب باقی ہے خون جگر بہت ساقی
سر آنکھوں پہ یہ خوش اخلاقی نہ بادہ پلا خدا کی قسم

یہ ہستی ہی کیا ہے کچھ بھی نہیں نمود ہے کچھ بھی نہیں
بقا یہ فنا ہے کچھ بھی نہیں فنا ہے بقا خدا کی قسم

وہ برق نگہ نے کام کیا کہ دل کا چمن ہرا نہ ہوا
سموم سے ہے طپش میں سوا نسیم و صبا خدا کی قسم

ہے جب سے چھٹا ترا کوچہ کبھی نہ قرار دل کو ملا
کہاں سے کہاں میں لے کے پھرا الٰہی نہ ہا خدا کی قسم

گئے نہ گئے ملے نہ ملے رقیب سے تم کھلے نہ کھلے
نہ شکوے ہیں کچھ نہ اس سے گلے نہ کھاؤ ذرا خدا کی قسم

وہ دیں کہ نہ دیں بہائے سخن ہے دوستوں کو صلائے سخن !
ہے اسے ضامن بہائے سخن تجھی سے بپا خدا کی قسم

| | |
|---|---|
| ہیں برگشتہ قسمت پھرے دور سے ہم | کہ سر ڈالے بیٹھے ہیں رنجور سے ہم |

۱۲۱

کہیں دیکھ لی ہے کوئی تیغ ہٹ ہلا
مقدر ہی میں ہے لکھا عشق کا فقر
ہے یہ جی میں اب ترک کردیں محبت
نہ پھندے میں پھنستے کبھی محتسب کے
یہ پابندیاں کس سے اٹھیں جہاں کی
ہو کس سے مداوائے درد محبت
قناعت کریں کیوں نہ خون جگر پر
گئی کچھ تو فرہاد کی بات پوچھی
اگر کند بالکل ہی ہو تیغ قاتل!
گدا تیرے در کے ہیں کچھ آن رکھتے
نہ ہوگا عیاں اپنا سوز نہانی!

نظر آرہے ہیں جو مخمور سے ہم
ہیں مجبور اس امر مامور سے ہم
نہ تنگ آئے ہیں اوس شوخ مغرور سے ہم
اگر دیکھ پاتے اوسے دور سے ہم
بہت تنگ ہیں یاں کے دستور سے ہم
کریں چارہ گر کیا ہیں معذور سے ہم
کہ نا فرہیں صہبائے انگور سے ہم
ہیں کمتر یہاں ایک مزدور سے ہم
گلا کاٹ لیں اپنا ساطور سے ہم
دبیں گے نہ قیصر نہ فغفور سے ہم
لگائے ہیں لو حسن مستور سے ہم

نہ کیونکر بھلا جلتے پر زرے ہوں ضامن
سنے ہیں اجی خاک کنتور سے ہم

۱۲۲

نہیں رکھتے ہیں اپنی ہی خبر ہم
زخود رفتہ ہوئے وحشت میں ایسے
جفائیں تیری جھیلیں کس طرح سے
ہمارا زخم دل اچھا نہ ہوگا
انہیں یاں کھینچ لائے جذب الفت
کروگے اس طرح تم بیوفائی
تمنا کس طرح ہو عرش پروانہ
ہوا آخر سفر ہمراہیوں کا

کہاں جائیں تجھے ڈھونڈیں کدھر ہم
کہ بھولے رفتہ رفتہ اوسکا گھر ہم
کہاں سے لائیں پتھر کا جگر ہم
عبث ہے چارہ ساز و فکر مرہم
بھلا تیرا بھی دیکھیں کچھ اثر ہم
کبھی دیتے نہ دل یہ جانتے اگر ہم
کہ ہیں خود طائر بے بال و پر ہم
پڑے سوتے ہیں ضامن بیخبر ہم

۱۲۳

سرگشتگی شوق سے کب ہوش میں ہیں ہم
مانند خم بادہ سدا جوش میں ہیں ہم

شیشہ کی طرح آئینہ ہے حال دل اپنا
گو زمرۂ رندان بلانوش میں ہیں ہم

عشق خط رخسار سے ہے جان غضب میں
یعنے کہ گھرے آتش خس پوش میں ہیں ہم

بیتابی دل ہے نہ پریشانی جاں ہے
آسودہ بہت موت کے آغوش میں ہیں ہم

تم منہ سے کہو یا نہ کہو کہتے ہیں انداز
ہنگامہ فزا اس لب خاموش میں ہیں ہم

یہ طور نہیں جلوۂ گہ یار سے ہوئے
بیہوش نہ ہونا کہ ابھی ہوش میں ہیں ہم

کچھ غم نہیں ہو بحر معاصی متلاطم!
امین ترے دامان خطاپوش میں ہیں ہم

اس طرح سے ہیں خلق میں گویا کہ نہیں ہیں
اک حرف کسی کے لب خاموش میں ہیں ہم

ضامن کہیں کس منہ سے کہ ہیں صوفی صافی
مے نوش نہ ہوں محفل بے ہوش میں ہیں ہم

۱۲۴

آلودگی نفس سے کیا جانے کیا ہیں ہم
محروم لطف راوق خذ ما صفا ہیں ہم

لطف اسیری خم گیسو نہ پوچھیے!
آسودہ زیر سایۂ بال ہما ہیں ہم

نسبت ہے بے نیاز سے اللہ رے فخر ناز
سلطان وقت کیوں نہ ہوں کس کے گدا ہیں ہم

زاہد ریا کے داغ سے دامن ہے اپنا پاک
رنگ طراوش قدح ما صفا ہیں ہم

محروم التفات گراں گوشی ادا
یعنے شکست شیشۂ دل کی صدا ہیں ہم

شرط وفا تو بجھ گئی سننے کا غم نہیں
اوس رہگزار میں اثر نقش پا ہیں ہم

شکوہ نصیب کا نہ شکایت فلک کی ہے
راضی رضا پہ تابع حکم قضا ہیں ہم

ناپائدار عہد ہیں نا استوار عزم!
عنوان بے ثباتی دار فنا ہیں ہم

رنگ خطا نے صورت اصلی بگاڑ دی
گر اپنی شان میں ہو تو شان خدا ہیں ہم

قدر کمال صاحب بینش سے پوچھیے
گر مٹ کے گرد راہ بھی ہوں تو تیا ہیں ہم

ساقی کی اک نگاہ نے بدمست کر دیا!
ضامن کو تھا گھمنڈ بڑے پارسا ہیں ہم

۱؎ صاحبزادہ میر اشرف علی سلمہ اللہ تعالیٰ تلمیذ حضرت حبیب کنتوری مرحوم

# ردیف نون

ہر چند میں خلیفۂ رب ودود ہوں
کیا قہر ہے کہ اس پہ بھی ننگ وجود ہوں

آزادیٔ خیال نہ آزادیٔ مقال !
اس انجمن میں صدر نشین بہر بود ہوں

عادی نہیں میں اس کا کہ سوچوں مآل کار
خائف زیاں سے اور نہ خواہان سود ہوں

چلتا ہوں اس روش پہ جدھر دوسرے چلے ہیں
اوروں کی ہست و بود ہوں اپنی نمود ہوں

سمجھا نہ بندگی و سرافگندگی کا فرق
کہنے کو پائے بند رکوع و سجود ہوں

پائندگی میں عزم نہ واماندگی میں عزم
ناواقف طریق قیام و قعود ہوں !

افتادگی میں خاک سر رہگذر ہوں گر
آوارگی میں سوختہ جاں مثل دود ہوں

کیونکر نہ میرا جامۂ ہستی ہو چاک چاک
خود باعث شکستگی تار و پود ہوں

۱۳۲۹ھ

ضامن ہیں کام حشر پہ سب میرے اٹھ رہے
آئے کہیں کہ دیدہ براہ ورود ہوں

ہو مکاں امن کا ایسا کوئی گھر ہے کہ نہیں !
بیدلی تو ہی بتا دل سے مفر ہے کہ نہیں

وہ خفا ہیں تو چلو ہم بھی خفا ہو جائیں
دیکھنا یہ ہے محبت میں اثر ہے کہ نہیں !

دھوکا دیتے ہیں مجھے نقش قدم غیروں کے
کس سے پوچھوں یہ تری راہگذر ہے کہ نہیں

مے نہ دے زہر ہی بھر کے مجھے دیدے ساقی
لب تک اوس کے لب ساغر کا گزر ہے کہ نہیں

خود پسندی و خطاکاری و نادانی و جہل !
ہم میں وہ کون سا دنیا کا ہنر ہے کہ نہیں

بے ترے کون سی شب ہے کہ نہیں شام اجل
غیرت شام اجل کون سحر ہے کہ نہیں

۱۳۳۰ھ

ہم تو کھوئے گئے پاکر انہیں ضامن لیکن
خود فروشوں کو بھی کچھ اپنی خبر ہے کہ نہیں

جو سات پردوں میں فکر نقاب کرتے ہیں
ہیں نور چشم جہاں کیوں حجاب کرتے ہیں

شمار کیا مرے عصیاں کا پیش رحمت حق
کریم سائلوں سے کب حساب کرتے ہیں

غضب ہے ہنستے ہیں میخوار کشان الفت پر
جو بیخود غم دہر انتخاب کرتے ہیں

نثار ایسے کرم کے خطائیں دیکھ کے بھی
عطائیں کرتے ہیں اور بیحساب کرتے ہیں

کسی سے روئے سخن ہے کسی طرف ہے نگاہ
یہ کون سمجھے وہ کس سے خطاب کرتے ہیں

خراب بادۂ الفت بنا دے اے ساقی
ہم آج سیر جہان خراب کرتے ہیں

ہے تہ دل میں ہاں ضامن کے بھیجیو پردہ سے
نظر کے سامنے آتے حجاب کرتے ہیں

شب عدم سے وجود دنیا کو آتی اب تک آتے ہیں
ہمیں جاتے ہیں دنیا سے وہ آتے ہیں نہ جاتے ہیں

کشش سے ہیا انوں کی جو تنکو کھینچ لیتی ہے
قدم کے نقش آغوش تمنا بنتے جاتے ہیں

ہوا پھرتی ہے ہر موج نفس کیا نقد فنا ہیں
بڑے احمق ہیں وہ بھی کل کا غم جو آج کھاتے ہیں

دوا ہو یا جفا ہر حال میں یاد آوری ٹھہری!
نہ پائیں ہم جگہ محفل میں اونکے دل میں پاتے ہیں

خودی نے کھو دیا دنیا سے اہل کبر و نخوت کو
یہ ہستو اے نہ جو نکیں گے مٹے غفلت کے پاتے ہیں

مراد دو جہاں کیا پوچھتا ہے چارہ گر مجھ سے
ارے ناداں زباں پر راز کی باتیں بھی لاتے ہیں

کہاں کی خستہ سامانی کہ میری خشک ساقی!
یہ سب جا بیجا ہیں اونکی روز ناز شیشہ اٹھاتے ہیں

یہ نیرنگ فنا وکون عالم کیا کھلونا ہے
بناتے ہیں مٹاتے ہیں مٹاتے ہیں بناتے ہیں

سخن میں ڈھونڈتے ہیں اہل بینش مسلک ضامن
نشان ہستی گم کردہ ان رستوں میں پاتے ہیں

نہ بچ کے جائے تجھ سے یہ طاقت کہاں نخچیر میں
توڑ پیکان قضا کا ہے نظر کے تیر میں

گتھیاں سی گتھیاں الجھاؤ سے الجھاؤ ہیں
جا پھنسی تدبیر بھی بگڑی ہوئی تقدیر میں

اوسکی بے پروائیاں اور اسکی جاں فرسائیاں
اب تو شک ہونے لگا ہے آہ کی تاثیر میں

جو ہر دل پر دکھاتا ہے خون عاشق کی بہار
پھول بھر لایا ہے قاتل دامن شمشیر میں

پوچھنا کیا دل کا کیا کہنا ہے دل کی آہ کا
جذب ہیں عشاق دہ ممتاز ہے تاثیر میں

اک ذرا سی گردش نوک قلم آفت ہوئی
حرف منفی کاش رہتا تا تری تحریر میں

جسکو دیکھا ہے ستاروں ہی کی گردش کا قتیل
کیا یہی جوہر بھرے ہیں آسمان پیر میں

سوزن عیسی سمجھ کر پاس رکھتا ہوں اسے
کچھ عجب دلچسپیاں ہیں خار دامنگیر میں

اپنے اپنے رنگ میں **ضامن** سبھی استاد تھے
بات لیکن اور ہی کچھ ہے کلام میر میں

دل میں داغ حسرت و اندوہ و حرماں کم نہیں
تیرے تاروں سے شب غم یہ چراغاں کم نہیں

دل کو بہلانا بہرصورت کسی حیلہ سے ہے
ورنہ اے کافر نہیں سے کچھ تری ہاں کم نہیں

دل نے خود دکھایا فریب رنگ و بوئے آرزو
ورنہ بے رنگی میں جمعیت کے ساماں کم نہیں

ہم قناعت پیشہ ہیں زاہد ملا جو کچھ ملا!
جنت موہوم سے یہ باغ امکاں کم نہیں

جسکی اک کافر ادا ٹھہری بہائے دین و دل
دیکھے جاں بھی اوسکا ماننا گر ہو آساں کم نہیں

اشک باری ہو چکی لخت جگر آنے لگے!
بیخ مرجاں سے اب تو شاخ مژگاں کم نہیں

اف ری تاخیر حسرت ہائے وصل ناتمام
صبح محشر سے ہماری شام ہجراں کم نہیں

کون سا غم ہے جہاں کا جو نہیں لیں گرہ
سبحۂ زاہد سے کچھ میری رگ جاں کم نہیں

اے فلک تو کیا حباب آسا یہ کشتی تیری کیا
جوش پر آئے تو اشک غم کا طوفاں کم نہیں

اس طرح کے وسوسوں سے مل گئی **ضامن** نجات
بیدلی کا یہ ہمارے سر پہ احساں کم نہیں!

بتخانے میں اے خدا تصویریں ہیں
تیرے ہی جادہ کی یا تنویریں ہیں

کیونکر مٹیں داغ دل داغ جگر
قسمت کی یہ چارہ گر تحریریں ہیں!

بشکستہ پائی دار خودرفتگی
تیرے اسیروں کی یہ زنجیریں ہیں

خانہ بدوشوں کو کیا محلوں سے کام
مٹ جانے والی یہ سب تعمیریں ہیں

قسمت زلیخا کی کب مجھ کو ملی
الٹی مری خوابوں کی تعبیریں ہیں

عشاق کیونکر بھلا جانیں نہ دیں
ہیں یہ بھنویں یا اپنی شمشیریں ہیں

آشنا نہ چھیڑ اسے مجنوں رہنے بھی دے
کہنے کو تو پاؤں میں زنجیریں ہیں

ہاں جانفزا ہے نہیں ہے دلربا
جادو بھری ادا ان کی سب تقریریں ہیں

جوش جوانی گیا وحشت گئی!
اب رگیں پاؤں کی زنجیریں ہیں

مالک سخن پر ہے قبضہ مرا
منصب یہی اور یہی جاگیریں ہیں

جان آگئی یا علی جس دم کہا!
اس نام میں بھی عجب تاثیریں ہیں

خوف گنہ کیوں ہے واعظ اسقدر
اک بات میں واں بحل تقصیریں ہیں

خاک شفا ایک اک خاک نجف
عالم میں ضامن یہی اکسیریں ہیں

قاتل کی نگاہ دیکھتے ہیں!
مرنے کی راہ دیکھتے ہیں

کیا وہ بھی راہ دیکھتے ہیں
ہاں قوتِ آہ دیکھتے ہیں

ساقی سے ملا ہے آج وہ جام
خود کو جسے سیاہ دیکھتے ہیں

دامن میں ترے چھپے ہیں آکر
یاں جائے پناہ دیکھتے ہیں

پاتے نہیں دل آرزو سے خالی
اک شہر تباہ دیکھتے ہیں

آجا آجا نہ آنے والے
کب سے تری راہ دیکھتے ہیں

اک ماہ کو مہر کدہ پا کر
صدمے جانکاہ دیکھتے ہیں

تخم سودا ہے یا سویدا
کچھ دل میں سیاہ دیکھتے ہیں

ہے کتنی تمام تیری رحمت
اکر کر کے گناہ دیکھتے ہیں

منعم ڈھونڈیں بلند نامی
کیا رفعت و جاہ دیکھتے ہیں

انداز جفا دکھاتے جاؤ
ماشاء اللہ! دیکھتے ہیں

رخ پر ہے کسی کے سبزۂ خط
یا مہر گیا دیکھتے ہیں

جھوٹے ہوئے میرے سارے دعوے
منہ اون کا گواہ دیکھتے ہیں

مہنگا ہے دل جو اک نظر پر
سبحان اللہ دیکھتے ہیں

کملی کی قدر کیا ہو اونکو
جو تیغ سر و کلاہ دیکھتے ہیں

جن کو دو گز زمیں ہے درکار
خیمہ خرگاہ دیکھتے ہیں

اب جان گئی۔ گئے دل و دیں!
خالق کی پناہ دیکھتے ہیں!

چھا سودا ہے عشق کا بھی!
دل دے کے نگاہ دیکھتے ہیں

ہم سے کب تک یہ لن ترانی
انشاء اللہ! دیکھتے ہیں!

نشتر ہی چبھوتے ہوتے دل میں
اللہ اللہ! دیکھتے ہیں!

نالوں کا اثر تو خوب دیکھا
اب کر کے اک آہ دیکھتے ہیں

نجم قسمت کو اپنے ہم آج
ہم پہلوئے ماہ دیکھتے ہیں

ضامن نہ عدیل لائے تشریف
دو سال سے راہ دیکھتے ہیں

ہجر کی طرفہ وارداتیں ہیں
راتوں [illegible]

ہم تو اون کے ہیں پھر بھی کیوں ہم سے
داؤں ہیں [illegible]

یاد کرتے ہی آ گئیں دل میں
حسرتوں کی [illegible] باتیں ہیں

شیخ کی خشک مغزیوں کو نہ پوچھ
تیس دن صوم ہیں صلواتیں ہیں

ق

اللہ اللہ یہ اہتمام حجاب
اور ٹیں ہیں پردے ہیں قناتیں ہیں

حسن بھی کوئی چھپنے کی شے ہے؟
کرۂ ہسر میں بھی راتیں ہیں

شرح منشور عشق لکھتا ہوں
خونِ دل سے بھری دواتیں ہیں

ہم نے دیکھا کلام ضامن کا
اور تو کچھ نہیں ہے باتیں ہیں

تجھے قصرِ دل کا مکیں جانتے ہیں
اور اس گھر کو عرشِ بریں جانتے ہیں

ترے دل شدہ کچھ نہیں جانتے ہیں
نہ دل جانتے ہیں نہ دیں جانتے ہیں

ہماری وفا تیرا دل جانتا ہے
جفاؤں کو تیری ہمیں جانتے ہیں

پڑا ہے جنہیں کام کچھ اشکِ غم سے
وہی قیمت آستیں جانتے ہیں!

کھچے ہیں وہ نقش قدم دلمیں جبسے
ہم اس دشت کو گل زمیں جانتے ہیں

مدارات ظاہر نصیب حریفاں
ہم اندازۂ مہر و کیں جانتے ہیں

ق

محبت کی گھاتیں لگاوٹ کی باتیں
یہ ناصح یہ واعظ نہیں جانتے ہیں

یہ وہ بھید ہے جسکو سمجھا نہ کوئی
یہ وہ رمز ہے جو ہمیں جانتے ہیں

نہ دے شرح کسر نیاز غریباں
تجھے لوگ ناز آفریں جانتے ہیں

تمنا ہے اک لفظ محروم معنی!
جسے جان کر وہ نہیں جانتے ہیں

کہیں لوگ شمشاد قامت مگر ہم
تجھے مقصد راستیں جانتے ہیں

سمجھتے ہیں گردوں کی نیرنگ سازی
شفق کو تری آستیں جانتے ہیں

وہی کج ادائی وہی کم نگاہی
وہی تیر ہیں دلنشیں جانتے ہیں

نو آموز درس کتاب وفا ہے
جسے دانش اولیں جانتے ہیں

ملی بیخودی میں یہ لذت کہ ضامن
مئے تلخ کو انگبیں جانتے ہیں

۱۲۲۰ھ

محو نیرنگیٔ خیال ہوں میں
گفتگوئے زبانِ لال ہوں میں

رخِ ہستی پہ صورتِ شبنم!
قطرۂ اشکِ انفعال ہوں میں

پھر بھی دعویٰ یہ ہے کہ ہوں آزاد
گو سراپا رگوں کا جال ہوں میں

خضرِ منزل ہو کاش ذوقِ تپش
موجِ غم ہوں شکستہ بال ہوں میں

ہوں دکانِ متاعِ بے ہنری!
زنگِ آئینۂ کمال ہوں میں

ایک جلوہ ہے ذرہ سے تا مہر
نقطۂ خامۂ جلال ہوں میں

شعلے سے حالِ سوزِ عشق نہ پوچھ
ہمہ تن اک زبانِ حال ہوں میں

رنگِ افسوں ہے میری نیرنگی
جلوۂ معرضِ زوال ہوں میں!

مدعا یہ ہے مدعا نہ ہو کچھ
حرفِ ناگفتہ سوال ہوں میں

میری گردش سے ہے گردشِ ایام
اثرِ دورِ ماہ و سال ہوں میں

ہے یہ خامی بھی پختگی ضامن
ثمرِ دودۂ کمال ہوں میں!

۱۲۱۸ھ

رخِ فطرت پہ نقاب نہیں
چشمِ بینا سے یاں حجاب نہیں

باغِ دید اپنی آنکھیں ہیں!
بجز ان پردوں کے حجاب نہیں

بو کے تخمِ عمل نہ بے سمجھے
پھل خطا کا کبھی صواب نہیں

بے ستوں ہاں سرا وقاتِ فلک
میرے نالوں کا کچھ جواب نہیں

صدمۂ دردِ ہجر دل کو نہ دو
سب ہوں گا پر اسکی تاب نہیں

طور پر کیوں گری تھی برقِ جمال
کیا مجھے اسقدر بھی تاب نہیں

مست صہبائے عشق ہیں ضامن
کچھ ہمیں خوفِ احتساب نہیں

۲۲۴

بڑھ کر سکونِ دل سے متاعِ جہاں نہیں
سب کچھ ہے پھر جو پائے ہوس درمیاں نہیں

ترکِ وفا وجودِ وفا کی دلیل ہے!
نامہرباں تو ہے وہ اگر مہرباں نہیں

اب کیا کہے کوئی دلِ اغیار دیارِ عشق
جس سے دل میں دکھ اٹھانے کی تاب و تواں نہیں

ایسی تو ہو طراوشِ رنگِ بہارِ عشق!
پھولوں کی ہے چھڑی مژہ خوں چکاں نہیں

تفسیرِ یک جہاں غم و حسرت ہے حرف حرف
تو جب کہ سن سکے وہ مری داستاں نہیں!

صوتِ شکستِ غنچہ ہے کوسِ رحیلِ گل!
کب دامنِ بہار میں رنگِ خزاں نہیں

اللہ ری فتنہ باری چشمِ فسوں طراز
محشر کدہ ہر نہیں ہے قیامت کہاں نہیں

ہے سخت امتحاں کہ تغافل سے لیں گے کام
کہتے ہیں اب ہمیں ہوسِ امتحاں نہیں

سامانِ رنج و راحتِ دنیا ہمیں سے ہے
اس میہماں سرا میں کوئی میزباں نہیں

غافل نہیں ہے یہ تپشِ ذرہ بے سبب
غم ہے کہ مہر پردۂ دل میں نہاں نہیں

پیدا اثرِ سراغِ عمرِ گذشتہ کہاں سے ہو
راہِ نفس میں نقشِ قدم کا نشاں نہیں

ضامنؔ سخن میں فیضِ ازل سے ہوں بہرہ یاب
جز روحِ قدس کوئی مرا ہمزباں نہیں

۲۲۵

کب عکسِ چشمِ مست سے ہے جامِ شراب میں
نرگس کا پھول ہے قدحِ آفتاب میں

کس طرح چاہوں عفوِ قصور اوس سے کیا کہوں
کیا جانے کہہ گیا ہوں میں کیا اضطراب میں

دل گرمیوں کے بعد ہے لطفِ گدازِ دل
زاہد رہی گناہ کی چاشنی ثواب میں

وارستگی کی شرم نہ پابستگی کا رنج
ہے زلف میرے واسطے کیوں پیچ و تاب میں

دل سے ہے نغمہ خیزیِ سازِ غم و نشاط
رکھا ہی کیا ہے نغمۂ چنگ و رباب میں

اس جنبشِ مژہ کا بھی کوئی حساب ہے
کدنیوں سے میرے زخمِ جگر کے حساب میں

ان گورے گورے گالوں کا خار اس نگہ میں ہے
کہہ لو نہیں ہے خارِ بہار سے گلاب میں

عشق اور وہم غیرِ حیا اور غرورِ حسن!
دونوں طرف سے جان پھنسی ہے عذاب میں

یعنے کہ بے محل ہے یہ اظہار حال دل!
پھر اوس نے میرے منہ پہ لگا دی جواب میں

ضامن اسی طرح سے میں چھیڑونگا لاکھ بار
لطف خطاب ملتا ہے اوسکے عتاب میں

۱۲۲

کیا حُسن بیحجاب ہو پنہاں حجاب میں!
فانوس میں ہے شمع کہ چہرہ نقاب میں

دم بھر نہیں قرار نگہ کو نقاب میں
سو بیحجابیاں ہیں ترے اک حجاب میں

سحر آفریں ہے خندۂ دنداں نمائے یار
موج اس ہوا سے اٹھتی ہے موتی کی آب میں

مستی نگاہ دیدۂ ساغر سے وام لی
بن کر خراب ہم رہے دیر خراب میں

ہر دو فا کا نام مٹایا رقیب نے
ادنی شرر سے آگ لگی آفتاب میں

ہشیاریوں سے لینی ہے غفلت کی مجھکو داد
تھی جسکی آرزو دادسے دیکھا ہے خواب میں

صورت میں فرق ہو پہ حقیقت میں ایک ہیں
قطرہ ہیں بحر موج ہے پنہاں حباب میں

کیا پوچھتا ہے رندونکی زندہ دلی کا حال
جوہر ملا تھا روح کا زاہد شراب میں

الجھا دیا امید ہوس آفریں نے پھر
دامان عمر پنجۂ موج شراب میں

غالب کی طرح سے ہوں میں ضامن علی پرست
''مشغول حق ہوں بندگی بوتراب میں''

۱۲۳

تراہی نغمہ ہے ہر جنبش تار رگ دل میں!
ترانہ ہے ترا ہر ساز منقار عنادل میں

یہ مُہر عشق ہے فرد برات حسن لیلیٰ پر!
سواد چشم مجنوں نے جگہ پائی ہے محمل میں

کہاں طوفاں تمناؤں کا پہلو دل سے خالی ہے
بجائے سبزہ خاک اوڑتی ہے اس دریا کے ساحل میں

گواہی دیرہا ہے ذرہ ذرہ جسکی قدرت پر!
وہ اک موہوم ہستی ہے ہمارے زعم باطل میں

خراج صد یمن یعنے دل صد پاش نذر عالم
ہے اوس سلطان ملک حسن کے ادنیٰ مداخل میں

جو سمجھو تو بہت ہے ورنہ فرق امتیازی کچھ !
نہیں جز اختلافِ عادتِ اشراف و ارذال میں

سکت دے پائے ہمت کو مرے اے ضعفِ طاقت
برا الجھا ہے دامِ عشوۂ دوریِ منزل میں

خیالِ عرش پیما محوِ سیرِ عالمِ دل ہے
تماشا ہے کہ منزل مجھ میں ہے اور میں ہوں منزل میں

کرے کیا سجدہ ریز پائے حسرت ہی نیاز اپنا
کہ چاؤشِ ادب ہے بے نیازی تیری محفل میں

دل نیرنگ ساماں کثرتِ انداز تماشا ہے
نظر آتے ہیں لاکھوں قیس اک لیلی کی محمل میں

ہوئیں پامال انداز تغافل ہائے مہرویاں !
وگرنہ تھیں بہت سی آرزوئیں **ضامن** اس دل میں

سب کو چھوڑا اب اس آزار سے کچھ کام نہیں
دل سے مطلب نہیں دلدار سے کچھ کام نہیں

تھا جنوں میں تو بھلا جامہ دریدگی کا شغل
اب پڑے پھرتے ہیں بیکار سے ! کچھ کام نہیں

غیر یہ کرتے ہیں [illegible] !
سقفِ افلاک کو دیوار سے کچھ کام نہیں

شکوہ کرنا نہیں یہ کہتے میں بات آتی ہے
تھا جو پہلے اب اوس اقرار سے کچھ کام نہیں

دل چرایا ہے نگاہوں نے ادھر آنکھ ملاؤ
مجھ کو اس طرۂ طرار سے کچھ کام نہیں

ہم تو ہیں اپنی ہی بیتابیِ دل کے مارے
گردشِ گنبدِ دوار سے کچھ کام نہیں

دوست ہو کوئی کہ دشمن ہو مگر اپنا ہو
اون کا کیوں نام لو اغیار سے کچھ کام نہیں

ہوں خراباتیِ خم خانۂ نیرنگِ خیال
مے سے مطلب نہیں خمار سے کچھ کام نہیں

چاکِ دامن کا یہ کچھ غلغلہ یوسف انصاف
اور کسی کے دلِ افگار سے کچھ کام نہیں

آتشِ عشق کو بھڑکاتا ہے کیوں دامنِ ناز
تم کو تو گرمیِ بازار سے کچھ کام نہیں

آپ سے ہم روشِ مہر و وفا چاہتے ہیں !
شوخیِ موجۂ رفتار سے کچھ کام نہیں !

دل نہیں جوڑتے میں انکار ہے اچھا نہ سہی
آپ کھل جائیگا تکرار سے کچھ کام نہیں

۱۳۴۴ھ

دل کے آئے ہوئے ہر امر میں ہیں آج ذلیل
ایک **ضامن** ہی کو سرکار سے کچھ کام نہیں

ہم اپنی زباں سے کہیں کیوں بت ہیں خدا ہیں
تم تو روشِ عفو و ترحم کو نہ چھوڑو!
مانا کہ قیامت نہیں رفتار کسی کی!
کیا اوس سے گلۂ ہجر کہ گھر جس کا ہو دل میں
اک غنچۂ ناشگفتہ دل رکھتے ہیں ہم بھی!
کیا کہہ گئی چپکے سے صبا کان میں آکر
ہو جیسے شب ماہ میں دریا کو تموج
جز داغ تمنا نہیں رکھتے ہیں تمنا
جب جیب ہی میں دست تمنا ہیں پھرا بیٹھیں
ہم تو نہیں کہتے وہ دامن ہی نہیں رکھتے
جاتی ہے بہار اور نہ ملی میکدہ کی سیر

۱۳۲

جائے خود اونہیں سے کوئی پوچھے کہ وہ کیا ہیں
ہاں ہم تو سراپا گنہ و جرم و خطا ہیں
کچھ تو ہے کہ جو چار طرف فتنے بپا ہیں!
وہ ہم سے جدا اب ہیں ہمیں اون سے جدا ہیں
شاکی دبور اور نہ ممنون صبا ہیں
گل بلبلوں کے شوق میں آغوش کشا ہیں
ارمان انہیں دیکھ کے ہنگامہ فزا ہیں
مشکور اثر ہم ہیں نہ ممنون دعا ہیں
آئینہ تصویر اگر ہیں بھی تو کیا ہیں
ہاں کان تو بیتاب ابھی محروم صدا ہیں
ہم بھی یہ کہیں گے در ساقی کے گدا ہیں

وہ اور ہیں ضامن کہ جو دب جائیں کسی سے
دنیا سے خفا ہم ہیں جو وہ ہم سے خفا ہیں

مانع وفا سے اون کی ستم رانیاں نہیں!
آئینہ دار حسن ازل ہے دل حزیں!
جسکو ہے ساز و برگ تمنا تمھارا نام!
دلچسپیوں بغیر نہیں کاروبار زیست!
مرنا ہی سہل گر نہ ہو امید وصل کی!
رخصت طلب ہیں گرنی سے اون کی شاعت
ملتا ہے کام ہی میں کچھ آرام روح کو
گذرا شباب سرد ہوا دل نہ بھی امنگ

۱۳۳

آئین عاشقی میں پشیمانیاں نہیں!
زائل ہوں جو کبھی یہ وہ حیرانیاں نہیں
ناساز اوسکو بے سر و سامانیاں نہیں
دشواریاں تو ہیں اگر آسانیاں نہیں
جیتے ہیں جس پہ ہم وہ گرانجانیاں نہیں
بیوجہ مرغ جاں کی پرافشانیاں نہیں
راحت رساں بشر کی تن آسانیاں نہیں
ق
آہوں میں اگلی سی شرر افشانیاں نہیں

آنکھیں ہیں محو حیرت انجامِ کارِ عشق
گوہر کی اس عدن میں اب ارزانیاں نہیں

خالی ہے سر ہواؤں سے سودائے زلف کی
دل میں محیط آز کی طغیانیاں نہیں!

ضبط نفس ہے باعث تسکین قلب و روح
برہم زنِ حواس ہوس رانیاں نہیں

یہ رنگ اور ہی ہے یہ آہنگ اور ہی
**ضامن** وہ ہم نہیں وہ غزلخوانیاں نہیں

یہ تو کیا ہے جو ہو داماں بیاباں دامن
نہ بچے دست جنوں سے کسی عنواں دامن

شرم تردامنی و گرمی محشر کا ہے دھیان
دیکھنا خشک نہ ہو دیدۂ گریاں دامن

پھر رُلاتی ہے لہو خار تمنا کی خلش!
پھر دکھاتا ہے بہار چمنستاں دامن!

دست وحشت سے ہے صد پارہ قبائے ہستی
خاک پہچان پڑیں اسمیں گریباں دامن

اڑکے پڑ جائے کہیں خاک نہ مظلوموں کی
ہاں اٹھائے ہی رہے گنبد گرداں دامن

مردے جی اٹھیں ہوا دیکے ذرا دیکھیو تو
ہے مگر بافتہ تار رگ جاں دامن

سیکڑوں دل ہیں کہ ہر بل میں پسے جاتے ہیں
یوں نہ نکلا کرو گرداں کے ایجاں دامن

چننے آئے تھے یہاں پر گل گلزار مراد
خار حسرت سے ہے صحرائے مغیلاں دامن

اب تو کوتاہی دامن پہ ہے **ضامن** ہیں نازاں
تھا کسی وقت دلیل سر و ساماں دامن

بند نالے مرے خود راہ اثر کرتے ہیں
کہ رفو چاک گریباں سحر کرتے ہیں!

سرمہ سمجھے ہیں تری خاکِ قدم کو جو لوگ
وہ بھلا کب ہوس کحل بصر کرتے ہیں

نوح کا بھی نہیں یہ عہد خدا خیر کرے
کیا غضب دیکھیے اب دیدۂ تر کرتے ہیں

دیکھیں کیا کہتی ہے وہ چھپئی رنگت ہم آج
امتحان محک جذب نظر کرتے ہیں!

ڈر خدا کا ہے جنہیں خوف انہیں خلقت کا نہیں
کام جو کرتے ہیں بیخوف و خطر کرتے ہیں

پاکے دل خوش ہیں بہت جنکو خبر اسکی نہیں
دے کے سر مہم عشق کو سر کرتے ہیں

شب کو جانسوزی غم دن کو سیہ روزی بخت
کیا بتائیں تمھیں کس طرح بسر کرتے ہیں

تشنگی آب گہر سے بھی کہیں بجھتی ہے
جنکے آنکھیں ہیں حقیقت پہ نظر کرتے ہیں

بخت اونکے ہیں نصیب اونکے ہیں قسمت اونکی
**ضامن** اپنا جنہیں وہ دست نگر کرتے ہیں

غزل

نہ ہو برہم کہ اپنے درد کا افسانہ کہتے ہیں
سنو ہم حالت سوز دل پروانہ کہتے ہیں!

شراب عاشقی کا ہم جنہیں پیمانہ کہتے ہیں
اونہیں آنکھوں کو شاید نرگس مستانہ کہتے ہیں

مٹا دے اپنی ہستی کو محبت میں وہ عاشق ہے
جو اک جان و دل کا ہو اسے جانانہ کہتے ہیں

محبت میں جو رسوائی و ذلت ہو وہ عزت ہے
گدا تیرے اسی کو حشمت شاہانہ کہتے ہیں

قیامت ہے اگر ہو جنس غفلت حاصل ہستی
میں سوجاتا ہوں بیدار ایکا جب افسانہ کہتے ہیں

شکست کیفیت سے کب خالی از لطف تماشا ہے
وہ اک آئینہ خانہ ہے جسے میخانہ کہتے ہیں

رہ و رسم دیار عشق پوچھو خضر و مجنوں سے
اسے ہشیار کہتے ہیں اونہیں دیوانہ کہتے ہیں

توہم پیشگی سے دل اسیر قید حسرت ہے
بہارستان عشرت کو بھی ہم غمخانہ کہتے ہیں!

بہار جلوہ ارزاں ہے اگر ہو عشق کی گرمی
برات وصل ہے جسکو پر پروانہ کہتے ہیں!

کہے کیا کوئی **ضامن** ان حقیقت ناشناسوں کو
جو ابراہیم کے گلشن کو آتشخانہ کہتے ہیں

ہیں اور قلب خلش دوست جن کے بر میں نہیں
وہ خار آنکھ میں کھٹکے ہیں جو جگر میں نہیں

کڑی عدم کی یہ منزل یہ ضعف و نابلدی!
رفیق بھی کوئی اس راہ پر خطر میں نہیں

## غزل

پناہ لیں گے حوادث سے اے فلک تہ خاک
امان سنگ کی بارش سے شیش گھر میں نہیں

قدم قدم پہ ہیں نقشے کھنچے قیامت کے
وہ کون فتنے ہیں جو تیری رہگذر میں نہیں

ہے ساتھ جان کے یاد چمن مگر ہمدم
میں کیا کروں سکت اڑنیکی بال و پر میں نہیں

دعائے نیم شبی کھائے ٹھوکریں کب تک
ذرا سا بھی کوئی رخنہ در اثر میں نہیں

صبا کی ہم نفسی خار کی دلاویزی
جو لطف وادی وحشت میں ہے وہ گھر میں نہیں

نگاہ کج سے نہ دیکھو ادھر۔ ادھر دیکھو
ہمارے دل میں ہے جو نیمچہ کمر میں نہیں

بنے ہیں نقش کف پائے غیر کارم نہنگ
گذر خیال کا بھی تیری رہگذر میں نہیں

وہ گرم گرم نگاہیں وہ دل کی بیتابی
چمک یہ برق میں اور یہ تڑپ شرر میں نہیں

فشار چشم جدا ہے گداز دل سے جدا
جو بات لعل میں ہے وہ کبھی گہر میں نہیں

مبارک اطلس و کمخواب سادہ لوحوں کو!
ہوس کے داغ مرے دامن ہنر میں نہیں

چمن کے پھول ہیں فرش رہ صبا ضامن
سفر میں ہیں جو دلاویزیاں حضر میں نہیں

## غزل

رات دن تیری عطا تیرا کرم دیکھتے ہیں
اپنی حالت کو بھی یارب کبھی ہم دیکھتے ہیں

کیا مزہ ملتا ہے اس دل کو جفاؤں میں تری
یوں بھی خوش ہو کے زمانہ میں کرم دیکھتے ہیں

دل سے بہتر کوئی آئینہ نہ دیکھا ہم نے
لوگ ایسے بھی ہیں جو ساغر جم دیکھتے ہیں

اپنے بیمار سے اے آئینہ رو کرنہ حجاب
اب تو نوبت یہ ہے آئینہ میں دم دیکھتے ہیں

کس کی قسمت جو ہو نقش کف پائے رہ دوست
سرفرازی ہے یہی اون کے قدم دیکھتے ہیں

دامن بحر سے طوفاں میں بھی لپٹی ہے موج
دل شکستہ روش اہل کرم دیکھتے ہیں!

ہے یہ نیرنگ وفا دید کے قابل ضامن
کعبہ میں روشنی حسن صنم دیکھتے ہیں

شرفِ قبول اسی کو نذر ہے حصول درگہ ناز ہیں ‏ سنہ ۱۳۳۸ھ
سرِ سجدہ ریز نیاز جو ہو جدا بدن سے نماز میں

ہے خزانِ گلبنِ عافیت اثر ہوائے مفاخرت
نہیں جز غبار فسردگی گل تر کے دامن ناز میں

جو ہو سرخوش قدح خودی کہیں کیا ہم ایسے سفیہ کو
ہے کلام شیخ فقیہ کو مئے بیخودی کے جواز میں

دل سخت آہن سرد ہے تن نرم غیرت ورد ہے
یہ کہاں سے آگئیں گرمیاں ترے حُسن مہر گداز میں

تو فروغ بزم نشاط ہے میں حریف شعلہ ناز ہوں
یہی ساز و سوز کا فرق ہے مرے سوز میں ترے ساز میں

مجھے راستیں سے غرض نہیں مجھے بار بد سے ہے کام کیا
مرے نالوں میں جو ترانہ ہے وہ نوا نہیں کسی ساز میں

ہوں غبار دامن رہگذر ہے یہ انکسار عروج اثر
نہ ہُوں پائے خفتہ نشیب میں نہ ہوائے عجب فراز میں

تھا گل بہار نیاز دل اسے خوں کیا تو پھر اب ہے کیوں
یہ خمار حیرت منفعل نگہہ فسونگر ناز میں!

کوئی دل گرفتہ رہا کرے کوئی پیچ و تاب سہا کرے
وہ گرہ گرہ پہ دبا کرے یوہیں اپنی زلف دراز میں

نہ ہو دل ہی خُلّت اثر اگر نہ ملے بشر سے کبھی بشر
نہ ہو خم اُدھر کبھی کوئی سر نہ اگر ہو کعبہ حجاز میں

ٹرہو ضامن اور غزل کوئی نہیں بند طبع رسا ابھی
گہر سخن کی نہیں کمی کبھی اس خزینہ راز میں

ہیں چمن میں جلوۂ رنگ، ہوں میں نوا ہوں پردۂ ساز میں
ہیں نہاں ہزار حقیقتیں مرے اک ظہارِ مجاز میں

ہیں کلیم دل مرا طور ہے یہی آستانِ حضور ہے !
یہی جلوہ زارِ شعور ہے یہ ہے شمعِ خلوتِ راز میں

مری آہ شرحِ مشاہدہ مرا نالہ عینِ مجاہدہ !
ہے یہ راہ سب سے علحدہ نہ عراق میں نہ حجاز میں

نہ تو دل میں ذوقِ نمود ہے نہ جبیں پہ داغِ سجود ہے
نہ قیام ہے نہ قعود ہے ہوں فتادہ راہِ نیاز میں

نہ حریصِ جاہ و حشم ہوا نہ شکارِ ناز و نعم ہوا
وہی دامِ مزرعِ غم ہوا جو خم آیا گردنِ آز میں

ہے دل گہر کی شگفتگی اثرِ تکلفِ بستگی
نہیں قطرہ واقفِ خستگی رہِ شوق کے تگ و تاز میں

نظر تاملِ مادمن ہوئی برقِ خرمنِ حسنِ ظن !
تھے چھپے ہوئے شررِ فتن خردِ کرشمہ طراز میں

دلِ مبتلا نے ستم کیا کہ حریفِ آتشِ غم کیا !
مجھے شمعِ دیر و حرم کیا کٹی عمر سوز و گداز میں !

ٹھہر اے دل ہوس آفریں نہ فریب کھائے نظر کہیں
ہیں خزف قراضۂ زر نہیں کفِ دستِ شعبدہ باز میں

یہ نشاطِ رنگ ہے کوئی دم سمجھ اسکو عشرتِ مغتنم
ہو شرابِ شبنم اگر بہم گلِ تر کی محفلِ ناز میں !

ہے غبارِ آئینۂ امل یہ ہجومِ حسرتِ بے محل !
کہ ہے خامۂ رقمِ ازل یدِ قدرتِ ہمہ ساز میں

میں وہی ہوں ضامنؔ خوش نوا کیا جس نے باغ سخن ہرا
ہیں ہزار نکتۂ جاں فزا مرے کلک نکتہ طراز میں

جو قدر حسن رخسار و خط دلبر سمجھتے ہیں
اسے آئینہ قدرت اوسے جوہر سمجھتے ہیں

چمن پیرائے باغ عشق کو کیا کام گلشن سے
جگر کے داغ کو ہم لالۂ احمر سمجھتے ہیں!

حقیقت آپ کھل جاتی جو دونوں اک جگہ ہوتے
غلط فہمی سے یوسف کو ترا ہمسر سمجھتے ہیں

رگ گلبرگ تر موئے کمر کو کس طرح کہتے
کتاب حسن کا اس کو خط مسطر سمجھتے ہیں

خم گیسو کو گرداب بلا کہہ کر بگاڑیں کیوں
اسے تو اپنی ہی قسمت کا ہم چکر سمجھتے ہیں

[illegible]

بتوں کی یاد سے دل کو ملی ہے وقعت کعبہ
کوئی کچھ بھی کہے ہم تو خدا کا گھر سمجھتے ہیں

نہ یہ دیکھا نہ وہ دیکھا دہن کو تیرے کیا سمجھیں
قیاساً آبروئے چشمۂ کوثر سمجھتے ہیں !

ملی ہے اے مہوس جنکو دولت خاکساری کی
تری اکسیر کو اک مشت خاکستر سمجھتے ہیں!

غضب ہے داغ بدنامی سے آلودہ ہو گر دامن
ہم ایسی زندگی سے موت کو بہتر سمجھتے ہیں

کہو ضامنؔ بدل کر قافیہ اور اک غزل ایسی
تمہیں بھی جاننے والے سخن گستر سمجھتے ہیں

خضر کو بھی طریق عشق میں رہزن سمجھتے ہیں
سکندر ان کو سمجھیں دوست ہم دشمن سمجھتے ہیں

ہمیشہ دل میں ہیں آنکھوں میں اک پل بھی نہیں چھپتے
گزر گاہ اسکو شاید اور اسے مسکن سمجھتے ہیں

نہ کی تو نے دل پژمردہ انکی کچھ قدر حیرت ہے
سمجھنے والے اس گلدستہ کو گلشن سمجھتے ہیں

رلایا ہے لہو یاں تک جگر کاوی نے مژگاں کی
مری آنکھوں کو لوگ اب لعل کی معدن سمجھتے ہیں

انہیں سے زیب تاج سر ہیں لعل و گوہر مقصد
جو ہر قطرے کو دریا سنگ کو معدن سمجھتے ہیں

جسے کہتے ہیں محشر اس کو تیرے دیکھنے والے
نگاہ ناز کا اڑتا ہوا دامن سمجھتے ہیں !

نہ کی گو ہم نے دل کی قدر لیکن اہل دل سارے
اسی کو دولت دارین کا مخزن سمجھتے ہیں!

بہار جلوہ ہے منت نظر بینا ہوں گو آنکھیں
سواد دل کو عارف وادی ایمن سمجھتے ہیں

ہے لفظوں کا الٹ پھیرا ورنہ کچھ بھی نہیں **ضامن**
مگر اچھا ہے جو احباب مستحسن سمجھتے ہیں !

[illegible]

ترقیوں پہ ہے سوز الفت سمائے کیا آسماں نظر میں
خیال کس کا نہاں ہے دل میں ہے کس کا جلوہ عیاں نظر میں
کہاں سے ہو اعتبار اس کا ہے لغو بے کار و بار اسکا
گدا ہو یا بادشہ ہو کوئی جہاں میں سب ہیں غرض کے سانتھی
نہیں قیام اسکو ایک پہلو ہمیشہ گردش میں ہے زمانہ
عدم کو ہستی سے جا رہے ہیں اٹھے ہیں غفلت کی نیند سو کر
ہزار نام و نشاں سے بڑھکر جہاں میں یہ بے نشانیاں ہیں

جگر سے آہیں نکل رہی ہیں کہ چھا رہا ہے دھواں نظر میں
کہ جسکی باعث ہی خلد صحرا زمین ہے آسماں نظر میں
ثبات نقش قدم سے بڑھکر نہیں ثبات جہاں نظر میں
سبھوں کو ہم آزما چکے ہیں تلے ہیں خرد و کلاں نظر میں
سبک وہی ہو رہے ہیں دیکھو تھا جنکا پلہ گراں نظر میں
خمار سے پاؤں کو ہے لغزش بھرا ہے خواب گراں نظر میں
خیال راہ عدم سے پھرتی ہے صورت رفتگاں نظر میں

مری ز خود رفتگی نے **ضامن** مجھے کسی کام کا نہ رکھا
ہوا ہوں اس درجہ کور باطن نہیں ہے سود زیاں نظر میں

[illegible]

دیکھی جھلک جو عشق کی کل بزم راز میں
شعلے لگے نکلنے دہن سے نفس کے ساتھ
دشت ہوس میں آگیا طوفان اشک شرم
پائے شکیب ڈگنے لگے فرط خوف سے
علم و عمل کا دفتر پارینہ لٹ گیا
بھاگی سپاہ عقل گئے ہاتھ پاؤں پھول !
یکبارگی حجاب جو تھے دور ہو گئے !

تصویر مرگ پھر گئی چشم مجاز میں !
قلب و جگر حریف بنے سوز و ساز میں !
برق فنا سے آگ لگی کشت آز میں
ہوش و حواس چل دیے اس ترکتاز میں
زہد و ورع لپٹ گئے سب جانماز میں
چوٹیں چلیں جو بیخودی و امتیاز میں
باقی رہا نہ فرق کچھ ناز و نیاز میں !

منصب ملا جو شوق کو پھر احتساب کا
بولا کہ حکم پیر مغاں جو ہو وہ کرو
مانا کہ مے حرام ہی یہ حلال ہے!

بحثیں شروع ہو گئیں مے کے جواز میں
خود داریاں نہ چاہئیں اہل نیاز میں
پینا پڑے گا خون جگر بزم ناز میں!

دربار عشق میں جبھی **ضامن** ملیگا بار
جب وسوسہ رہے نہ دل پاکباز میں

ہم نے یہ مانا کہ ترک نالہ و افغاں کریں
ہاتھ دھو بیٹھے تھے ہم دل سے کہ چھٹی مل گئی
میں نے پیدا کی ہیں گو آسانیوں میں مشکلیں
بیخودی گرسعی لا حاصل کی فرصت دے ہمیں
اس سے بہتر اور کیا ہے چارۂ جوش جنوں
اوس سے جب بہتر ہو تم پھر کہو کے ناحق برق طور
مرنے والے سمجھیں گے آئی بہار جانفزا
جی میں آتا ہے کہ پھر دیں بزم آرائی کی داد
لکھیں خط شوق پھر سے پھر سرخی خون جگر
پردہ ہائے چشم پھر ہوں فرش راہ انتظار
پھر بنا کر بتکدہ کعبہ کو دیکھیں ایک بار
پھونک دے یہ خرقہ سالوس گر برق جمال

ق

طائر رنگ پریدہ کو کہاں پنہاں کریں
واں تقاضائے نظر پھر ہے کہ نذر جاں کریں
وہ اگر چاہیں تو ساری مشکلیں آساں کریں
کوششیں پیش نظر جو ہیں وہ تا امکاں کریں
دل کو پابند خیال گیسوئے پیچاں کریں!
دیدہ و دل کو رقیب موسی عمراں کریں
خون سے گلرنگ گردہ قتل کا میداں کریں
پھر مہیا عیش و عشرت کا ہر اک ساماں کریں
صرف گلریزی نوک خامۂ مژگاں کریں!
پھر نچھاور اشک شادی کے دُر غلطاں کریں
پھر بلا کر خانہ دل میں اُنہیں مہماں کریں
ساز یک رنگی سے زیب محفل عرفاں کریں!

ہے جدا طرز اپنی **ضامن** شاعران عصر سے
ارمغاں ارسال کیا سوئے سخن سنجاں کریں

تیرے زخمی کچھ تڑپتے کچھ سسکتے ہیں کہیں!
پھول کھلتے ہیں کہیں غنچے چٹکتے ہیں کہیں!

فرش تھا نور نظر کنعاں سے تا زندان مصر!
کور دل محبوب کی یوں راہ تکتے ہیں کہیں

عاشقوں کے دل بنے ہیں غم کی خاطر اے فلک
لاکھ بھر جائیں یہ پیالے چھلکتے ہیں کہیں

ساقیا واعظ کے دق کرنیکی باتیں تھیں یہ سب
ظرف والے اتنی سی پیکر بہکتے ہیں کہیں

ایک مدت سے نہیں معلوم ہمکو دل کا حال
ہاں مگر کچھ خار حسرت کے کھٹکتے ہیں کہیں

مرد میداں تھے جبھی تو عشق کی زد پر گئے
معرکے سے یہ قدم پیچھے سرکتے ہیں کہیں

دل چھپا جاتا ہے سینہ پر ذرا رکھو تو ہاتھ
دیکھو یوں مجمر میں انگارے [illegible] کہیں

شوق ناقص تھا نہ لائے جب تو موسی تاب دید
ناظرہ پڑھتے ہیں حافظ بھی [illegible] کہیں

تجھ میں اور ان میں **ضامن** انسان اور حیواں کا ہے فرق
کہنے کی باتیں ہیں بلبل یوں چہکتے ہیں کہیں

میں کیا جانوں صبا نے کتنے عقدے کھولے گلشن میں
گرہ دی ہے یہاں [illegible] دامن میں

خبر کیا تھی کہ دل غارت کریں گی نیم باز آنکھیں
یہ دولت دیدہ و دانستہ دیدی [illegible]

شہید ناز کو قاتل نے عمر جاوداں بخشی
ملا تھا چشمۂ حیواں [illegible]

دکھاتی ہیں بہار اشک خونیں پھر مری آنکھیں
ریاض مہر و الفت سے [illegible]

صبا کا دسترس دیکھا جو اس زلف پریشاں تک
ترقی ہوگئی کچھ اور [illegible]

محرک ہمت مردانہ کی ہے آتش غیرت
کبھی ہوتی نہیں بڑھنے کی [illegible]

کبھی ہے خود فراموشی کبھی وحشت خرامی ہے
کبھی میں پابہ دامن ہوں کبھی [illegible] دامن میں

گرے تھے خاک پر جو اشک حسرت چشم بلبل سے
بنے ہیں گو ہر شبنم وہی پھولوں کے دامن میں

رفو وحشت میں **ضامن** خاک ہو چاک گریباں کا
الجھتا ہے مرا تار نظر بھی چشم سوزن میں!

[illegible]

کھلتی ہیں طبع یار کی نیرنگیاں کہیں!
کرتا ہے دل جلا کوئی آہ و فغاں کہیں
کھلتا نہیں جہاں میں گل لنہ سے گلاب
نہاں کرم سے دور ہے جور و جفا کی خو!
دل بیخودی میں خوش ہے کہ ہے ہوش سی بری
آرام سے نفس ہیں [illegible] عروج کے
دل [illegible] گھبرایا [illegible] اہل درد سے
ہوں میں ازل سے سرخوش صہبائے بیخودی

آرام جاں کہیں ہے تو خواہانِ جاں کہیں
دیکھو گریں عدو پہ نہ یہ بجلیاں کہیں
رہتا ہے خود فروش کا نام و نشاں کہیں
زنجیر موج سے نہ ہیں پڑ یاں کہیں
جاتی ہیں آئینہ سے بھی حیرانیاں کہیں!
تھک کر کسی جگہ نہ رُکا آسماں کہیں
دیکھا مریض عشق کسی کو جہاں کہیں
جاتی ہے دل سے الفت پیر مغاں کہیں

**ضامن** بہت نہ چاہئیں آتش زبانیاں
بجلی نہیں نہ طبع کی جولانیاں کہیں!

[illegible]

کیا غرض آپ سے کیوں حال دل زار کہوں
خود خطا وار ہوں تجھ کو خطا کار کہوں
رند مخمور ہیں زاہد ہُئے نخوت سے ہی چور
دل مضطر کو مرے چھید گئی تیری نگاہ
آپ سنتے نہیں ہیں چرخ چہارم پہ مسیح
[illegible] آیا کے [illegible] کس طرح سے میں
[illegible] یہ بھی دل آزاری ہے

چارہ سازی کا اگر کیجیے اقرار کہوں
جو کیا تو نے وہ کس سے بت عیار کہوں
سوچ میں ہوں کسی غافل کسی ہشیار کہوں
اسکو پیکاں کہوں نشتر کہوں یا خار کہوں
کس سے فرمائیے حال دل بیمار کہوں
موت کو سہل کہوا [illegible] کو دشوار کہوں
کوئی بیجا نہیں گر تجھ کو جفا کار کہوں

ہو اگر تجھ بھی مقدر پہ بھروسا **ضامن**
کبھی بھولے سے نہ گردوں کو ستم گار کہوں

[illegible] کو دھیان میں لائیں

بتوں کو بھول کے دانستہ خدا [illegible]

١٣١٤ء

بہت بزرگوں کے اوصاف سن چکے اے شیخ
کرامت اپنی بھی آخر کچھ آپ دکھلائیں

جو پیر میکدہ دے اون زہد سالوسی
تو ہم بھی آج سے اپنے کو پیر منوائیں!

قسم ہی کھانی ہے اون کو تو کیوں نہیں گمراہ
ہمارے سرکی کی جھوٹی قسم نہ کیوں کھائیں

ہے عکس راہ عدم جادۂ مقام وصال
جناب خضر کہاں ہیں یہ راہ دکھلائیں!

ہے بحر یاس میں یہ بادبان کشتی عمر!
بندھی ہیں دامن امید سے تمنائیں!

بڑا گناہ کیا دل لگا کے نادم ہوں!
بس اب حضور ہی عفو قصور فرمائیں

کسے یہ تاب کہ دیکھے ترا جمال جمیل!
نظر تو کیا ہے پر مرغ وہم جل جائیں

مقدرات سے چارہ نہیں کوئی **ضامن**
علاج کیا ہے بنے کھیل جب بگڑ جائیں!

١٣١٦ء

فدائے ابروئے خمدار یار ہوتے ہیں
وہ جان دیتے ہیں جو جاں نثار ہوتے ہیں

سمجھ کے پاؤں طریق وفا میں رکھ اے دل
یہ راستے بھی بہت پیچدار ہوتے ہیں

وہ بد سرشت جنہیں خوف کچھ خدا کا نہیں
کیے سے اپنے کہیں شرمسار ہوتے ہیں

وہی ہیں سب سے زیادہ جہان میں مجبور
برائے نام جو ذی اختیار ہوتے ہیں

حنا کے بدلے ملا ہوتا عاشقوں کا لہو
بھلا یہ رنگ کہیں پائدار ہوتے ہیں

ابھی سے نخل تمنائے دل ہے پژمردہ
وہ اور پودے ہیں جو ہونہار ہوتے ہیں

خدا کی شان ہے اچھی ملی وفا کی داد!
کہ ہم بھی خود غرضوں میں شمار ہوتے ہیں

خیال صاف ہے نزہت فزائے گلشن نظم
یہی وہ گلے ہیں جو آبیار ہوتے ہیں!

ہماری آہ شرربار اور خالی جائے!
یہ تیر وہ ہیں جو پتھر کے پار ہوتے ہیں

ستم کا ٹھیک نہ الفت کا اعتبار کوئی
طریقے روز نئے اختیار ہوتے ہیں

بڑے حسیں جنھیں تھے یوسفی کے دم دعوے
وہ آ کے یاں ترے آئینہ دار ہوتے ہیں

نگاہ غیظ کے ہمراہ بل ہیں ابرو پہ
سمند ناز پہ فتنے سوار ہوتے ہیں

**زبان سے سخن حق نکالیں کیا ضامن**
نصیب سچوں کو دنیا میں دار ہوتے ہیں

ہو جلوہ گر جو مجسم بہار گلشن حسن
ہزار بلبل جاں ہوں نثار گلشن حسن!

نہ تھا رشک گل تر ہیں خار گلشن حسن،
ہیں تو داغ ملے یادگار گلشن حسن!

وہ اور گل ہیں جنہیں ہے خزاں کا اندیشہ
سدا ہے ایک طرح پر بہار گلشن حسن!

بہار باغ مبارک ہو باغبانوں کو
دل و جگر ہیں مرے لالہ زار گلشن حسن

ق

وہ قد ہے سرو وہ عارض ہیں گل وہ خط ریحاں
ہیں نرگس آنکھیں تو پلکیں ہیں خار گلشن حسن

نہ کیوں اسیر ہو دل زلف دام سنبل ہے
وہ باغ حسن ہے اور میں ہزار گلشن حسن

گلے کا ہار بناؤں میں حرز جاں کیطرح
ملے اگر وہ گل نو بہار گلشن حسن

خیال یار میں آنکھوں سے ہیں رواں آنسو
ہے آہ سرو جوئے لب بار گلشن حسن!

خدا جمیل ہے اور اسکو ہے جمال پسند
اسی سے آپ بنا آبیار گلشن حسن!

گل سوار گریں خاک پر ندامت سے
چمن میں آئے جو وہ شہسوار گلشن حسن

**ہے تیرے باغ مضامیں میں جلوہ گر ضامن**
طفیل عشق سے رنگ بہار گلشن حسن

دشمنوں سے بیرخی اچھی نہیں
اے سہی قامت کجی اچھی نہیں

آبروئے دل کی نہ کھو اے چشم تر
خوں فشانی بیر کی اچھی نہیں!

رخ دکھا کر دل پھنسایا زلف میں
دن دہاڑے رہزنی اچھی نہیں

ہو نہ جائے باتوں باتوں میں بگاڑ
ہر گھڑی کی دل لگی اچھی نہیں!

[illegible] ہو نہ جائیں محتسب
میکدہ کی برہمی اچھی نہیں

پھل ملا کیا نامرادی کے سوا
سرو اتنی سرکشی اچھی نہیں!

ہے اگر ضامن طلبگار خدا
چھوڑ یہ عادت خودی اچھی نہیں

پھر خیال رخ رنگیں ہے گل افشاں دل میں
آرزو پھر مری پھیلائے ہے داماں دل میں

کر گئے صبح شب وصل وہ گھر کو ویراں
چھاؤنی چھا گئے پھر حسرت و حرماں دل میں

کچھ دنوں چین سے یاد گل عارض میں کٹی
کانٹے بونے لگی پھر الفت مژگاں دل میں

بگینا ہوں پہ چھری پھیر کے اتراتے ہو
اپنے افعال پہ ہو کچھ تو پشیماں دل میں!

مصحف عارض جاناں کے ہیں عاشق زاہد
ہم چھپائے ہوئے رکھتے ہیں یہ قرآں دل میں

ضحن و اقرب سے ہوئی دل کو ذرا سی تسکیں
ورنہ کیا جانیے کیا کرتے یہ ارماں دل میں

اے خدا یہ کوئی ویرانی سی ویرانی ہے
ٹھوکریں کھاتی ہے تخئیل بیاباں دل میں

گھر بنانا ہی نہ تھا آپ کو ویرانے میں!
اب تو رہتا ہے بہر حال مری جاں دل میں

جذبۂ شوق اٹھائیگا جو طوفاں ضامنؔ
تہ نشیں بیٹھنے دیں ابھریںگے وہ ارماں دل میں

کہا یہ کس نے ترا عہد استوار نہیں!
ہماری عمر کا البتہ اعتبار نہیں!

کروں شمار میں کیونکر تری عطاؤں کو
کہ یاد اپنے ہی انفاس کا شمار نہیں

غنی ہے دل تری امید پہ فقیروں کا
گذر ہو حرص کا جس میں یہ وہ حصار نہیں

ہزاروں غیرت لیلیٰ جہاں میں ہونگے مگر
مرے سوا کوئی مجنوں کا یادگار نہیں

پرائے دل کو میں الزام دونگا کیا ضامنؔ
مجھے تو اپنے ہی دل پر کچھ اختیار نہیں

حافظ جاں جو تھیں میری دشمن جاں ہوگئیں
حلق تک آ آ کے سانسیں تیغ براں ہوگئیں

باغ عالم میں بہار زندگی ہیں نیکیاں
کھیتیاں ممنون فیض ابر نیساں ہوگئیں

تھی تری طرز تغافل کس قدر حیرت فزا
ہو کے ظاہر آرزوئیں خود پشیماں ہوگئیں

سوج مے میں بہ گئے خار و خس حرص و ہوا
ہم کو یہ بدمستیاں راحت کے ساماں ہوگئیں

کیا بتائیں دل میں تھیں کیا کیا تمنائیں بھری
بن کے آنسو خاک حسرت میں جو پنہاں ہوگئیں

داغہائے دل کی شمعیں جو تھیں زیب بزم غم
وہ بھی آہوں میں دھواں بنکر پریشاں ہوگئیں

۱۲۲۲ء

جب سے ہاتھ آیا توکل کو ترا دامان لطف
بے سروسامانیاں خود میر ساماں ہوگئیں

میری یہ فکریں جنہیں سمجھے ہیں سب دل کا بخار
دیکھنا اک روز شمع بزم یاراں ہوگئیں

یاد عارض پھر چمن پیرا ہوئی پھر حسرتیں
بن کے خون آنکھوں سے ٹپکیں زیب داماں ہوگئیں

بحر ہستی میں ہوائے عشق شور انگیز تھی !
کشتیاں ہوش و خرد کی غرق طوفاں ہوگئیں

رونق بزم احبا ہم بھی تھے ضامن کبھی
لیکن اب وہ صحبتیں خواب پریشاں ہوگئیں

ن ؛

فنا بقا کا سبب ہوگی موت گر مانگوں
فروغ شمع محبت کٹا کے سر مانگوں !

سوائے مطمئنہ تجھ سے کچھ اگر مانگوں
یہ فکر ہوتی ہے کیا اور کس قدر مانگوں

کمند جذب محبت کرے جو کوتاہی !
ہوائے شوق میں اڑنیکو بال و پر مانگوں

کسی کے آگے نہ پھیلاؤں ہاتھ میں لیکن
جواب دے کہ نہ دے تجھ سے عمر بھر مانگوں

یہ اوس کریم کا در ہے کہ جس سے وہ نہیں
وہ بحر و بر مجھے دیدے جو مال و زر مانگوں

یوہیں یہ منزلیں کھا کھا کے غم نہ کیوں کاٹوں
طریق عشق میں کیا توشۂ سفر مانگوں !

۱۲۲۲ء

سہی قدوں سے رکھوں کس طرح وفا کی امید
نہال بید سے کیا جان کر ثمر مانگوں !

سمک سے تا بہ سما حکم تیرا چلتا ہے
کروں فرار جو تجھ سے کہاں مفر مانگوں

کسی طرح سے تو یہ غم غلط کروں آخر
دعائے وصل شب ہجر تا سحر مانگوں

خیال عارض و کاکل میں ہوں جو دیوانہ
برائے طوق گلو ہالہ قمر مانگوں !

کہیں جو تیغ تغافل سے بچ کے جا نہ سکوں
ترے خیال کے دامن ہی میں مفر مانگوں

ہے کس حسیں کا یہ فرق نیاز سودائی
نہ کس طرح پئے بالش ہما کے پر مانگوں

تنک مزاج وہ ہوں زخم دل کے دھونے کو
پریوشوں سے پہ ناوک نظر مانگوں!

ہوئی ہے لیس جفا پر صف مژہ **ضامن**
ملیں تو اور خدا سے دل وجگر مانگوں

ایضاً

کرے تیغ نگہ کا وار تو اور میں سپر مانگوں
مگر زخم جگر سینے کو اک تار نظر مانگوں

خدا سے بھی دل پُر درد مانگوں چشم تر مانگوں
رگ و پے میں بجائے خوں محبت کا اثر مانگوں

بہار بید مجنوں خلق میں بے برگ و باری ہے
بجز افسردگی کیا شاخ الفت سے ثمر مانگوں

میں وہ لذت کش آزار فرقت ہوں زمانہ میں
محبت میں کشش مانگوں نہ آہوں میں اثر مانگوں

زر گل پا کے گلچیں ہو نہیں سکتا غنی ہرگز
مراد دل فرومایہ سے کس امید پر مانگوں

یہ ڈر ہے دے نہ وہ الزام جرم ناشکیبائی
عوض بیداد کا تجھ سے جو میں اے دادگر مانگوں

یہ کیا معنے تمہیں دل کے ہیں رو پا رس لینے
یہ معدن لعل کی کھو کر صدف سے پھر گہر مانگوں

نہال عشق کا سایہ ہے مجھ کو سایۂ طوبیٰ
عوض جنت کے رضواں سے ترے کوچہ میں گھر مانگوں

مجھے ہے ناز **ضامن** دامن تر پر بچھا دوں گا
جو ساقی حکم دے مالک سے خود نار سقر مانگوں

ایضاً

روز دو چار جواں نذر جفا ہوتے ہیں
تجھ میں کیا بات ہے عاشق جو فدا ہوتے ہیں

کس لیے باندھی ہے تلوار ضرورت کیا تھی
نام پر آپ کے عشاق فدا ہوتے ہیں

ساتھ جانے کو نکلتی نہیں کیوں جسم سے جان
وصل کی صبح ہے وہ مجھ سے جدا ہوتے ہیں

ڈوب کر بحر محبت میں نہ ابھرا کوئی!
قطرہ ساں سب اسی دریا میں فنا ہوتے ہیں

راہ الفت میں فقط شمع ہے میری ساتھی
یا اسی طرح سے سب آبلہ پا ہوتے ہیں

ہم نے دیکھی نہیں اب تک کوئی ان کی تاثیر
سنتے ہیں تا بہ فلک نالے رسا ہوتے ہیں

… سے پوچھ مژگاں ان کو
قطرے اشکوں کے دُرِ بیش بہا ہوتے ہیں

… دل کا جو رقم
دائرے پیچ و خم زلف دوتا ہوتے ہیں

… رفتار کی شوخی پہ نثار
نقش جب تجھ کو یہ نقش کف پا ہوتے ہیں

… کی جفاؤں کا ذرا تم بھی سنو
جا بجا شہر میں یہ تذکرے کیا ہوتے ہیں

لطف اب دل کو غزل میں نہیں آتا **ضامن**
گر نہ کچھ کہیے تو احباب خفا ہوتے ہیں!

دل و جگر میں چبھیں جو یہ وہ اشارے ہیں
نشانہ تاک کے ظالم نے تیر مارے ہیں!

قمارخانۂ عشق اب چھٹے گا ہم سے کیا!
کہ ایک دل ہی نہیں دین بھی تو ہارے ہیں

نہ کیوں ہو باتوں میں جادو نظر میں جادو
ادائیں کیوں نہ ہوں پیاری کہ خود وہ پیارے ہیں

جفائیں سہہ نہ سکے غیر عاشقوں کی طرح
یہ حوصلے یہ جگر اور یہ دل ہمارے ہیں!

عجب بہار دکھاتے ہیں خال عارض کے
خدا کی شان نمودار دن کو تارے ہیں!

… کشتۂ محبت ہوں کیا پیوں ساقی
یہ قطرے مے کے نہیں آگ کے شرارے ہیں

… گردش نہ ہوں کیوں شباب نے آکر
دبے ہوئے تھے جو ارمان سب ابھارے ہیں

… دل سے ٹپکا پسینہ سے!
صباحِ رُخ پہ ستارے فلک نے وارے ہیں

خدا کرے کہ وہ دریاں سے اس قدر کہہ دے
اٹھا نہ در سے انہیں آفتوں کے مارے ہیں

ادھر ہے ساحل حرماں ادھر قضا کا ہے گھاٹ
عجیب بحر محبت کے بھی کنارے ہیں

سنوارتے رہے **ضامن** ہمیشہ گیسوئے نظم
یہ بیس سال مسلسل یوہیں گذارے ہیں

۱۳۴۲

# ردیف واؤ

دیکھ … لیتا ہوں منا لے دل کو
سب حسیں چاہتے ہیں چاہنے والے دل کو

۱۲۲

آج کیوں گھیرے ہیں یہ جیبھوں والے دلکو
کیا کریں گے صف مژگاں کے رسالے دلکو

وہی مختار ہیں جو چاہیں کریں اوس سے سلوک
کون ہیں کر دیا جب ہم ان کے حوالے دلکو

خوش ہیں دنیا سے اگر ہمکو اٹھا لے اللہ
پر نہ ڈالے کسی بیدرد کے پالے دل کو

جبر میں عشق زنخداں کے کنوئیں جھکوائے
نہ عزیز اس نے کیا نازوں کے پالے دلکو

مطلع عیش مکدر ہے غم فرقت سے
گھیرے رہتے ہیں شب روز یہ جھالے دلکو

کالیاں کھاؤں ہنسیا دہری کہہ کے
کیا مزہ دیتے ہیں یہ تلخ نوالے دل کو

میرے قابو کا نہیں یہ جدہر آیا آیا
اس کو سمجھائیے ناصح کہ دہ ٹالے دل کو

زلف شبرنگ کو دکھلاؤ نہ داغوں کی بہار
ناگ کے دہوکے میں اٹھا لینگے یہ کالے دلکو

آج نکلیں گے وہ گلگشت چمن کو ضامن
دیکھیے مل جائے جو موقعہ تو دکھالے دل کو

کس سے ممکن ہے کہ دنیا سے اٹھالے دلکو
کون اس دور تسلسل سے نکالے دل کو

ناخدا آپ ہی ارباب ہمم کا ہے خدا
لنگر کشتی امید بنا لے دل کو

اُن کا احسان ہے سمجھیں جو اسے مال اپنا
ہم تو کر دیں گے مگر آج حوالے دل کو

سرد ہو جائے نہ کیوں بلا ہوسوں کا بازار
مفت دینے گئیں جب چاہنے والے دلکو

وصل ہم اسکو سمجھتے ہیں کہ اے جذبہ عشق
وہ ملیں یا نہ ملیں دل سے ملالے دل کو

پردہ نز الٹ دیگی ہوا آہ دل کی
اپنے دامن میں ذرا ضبط چھپالے دل کو

ابھی ہو جاتی ہے داغوں سے قیامت کی نمود
اک ذرا نوک سناں پر تو اٹھالے دل کو

کچھ ہوا انجام پہ کیوں تیری زباں خالی جائے
خیر لے دشمن ناموس وفا لے دل کو

صورت اشک نگاہوں سے گرایا تم نے
اور ہو کوئی تو پلکوں سے اٹھالے دل کو

کر گئی چھپکے سے کیا جانئے کیا تیری نگاہ
آج بیتاب کئے دیتے ہیں نالے دلکو

وہ پھنسا زلف گرہ گیر میں وہ قید ہوا
کوئی ایسا ہے اس آفت سے بچالے دلکو

بزم دلدار میں ضامن اسے پھر لیجانا
قصۂ طور مگر پہلے سُنا دے دل کو

اے برق آج کیوں ہے بہت بیقرار تو
اے ابر کس کے واسطے ہے اشکبار تو

اے مور تیرے شور سے ہوتا ہے چاک دل
بیوجہ یوں نہیں ہمہ تن داغدار تو

اے تند باد نیم شبی کیا ہوا تجھے !
ظاہر جو کر رہی ہے بہت انتشار تو

اے چودھویں کے چاند نہاں کیوں ہے شرم سے
تھا پہلے وجہ زینت شب ہائے تار تو

اے رات تو نے اوڑھی ہے کیوں چادر سیاہ
ماتم میں کیا کسی کے ہوئی سوگوار تو

پروانوں کی تو سنتے ہیں پروا نہیں تجھے
اے شمع کیوں ہے غیرت شمع مزار تو

اے آہ نارسا تجھے کہتا ہے اک جہاں
کیونکر لبوں تک آتی ہے پھر بار بار تو

کیوں خاک میں ملاتی ہے یہ گوہر خوش آب
اے چشم کیوں ہے دامن ابر بہار تو

اے شوق گم رہی کا یہ موقع نہیں کوئی
رہ رہ کے کیوں جگر میں چبھاتا ہے خار تو

کون آئیگا اب آئیگا ہے کس کی جستجو
آوارہ کیوں ہے اے نگہ انتظار تو

سو بار کھا چکا ہے اسی طرح سے فریب
ای دل پھر اس پہ کرتا ہے کیوں اعتبار تو

بچھوا ان بتوں کو پاس نہیں اپنے قول کا
وعدہ کی یہ بھی رات یوہیں دے گزار تو

یہ سب شب فراق میں ہیں تیرے غمگسار
گر ہو سکے نہ ضبط انہیں کر راز دار تو

ضامن وہ بولتا ہے پپیہا درخت پر
پی پی پکارتا ہے وہ کر یار یار تو

حاجت مے نہیں ساقی ترے مستانے کو
بس ہے گردش ہو اگر آنکھ کے پیمانے کو

کوئی قاتل سے پلٹتا نہیں جیتا کوئی
حوصلہ چاہیے اے خضر وہاں جانے کو

کی نہ کچھ حیف ہمارے دل صد چاک کی قدر
سر چڑھایا بھی اگر آپ نے تو شانے کو

آپ ملتے نہیں اب کوہ ہو یا صحرا ہو
ہم بھی جاتے ہیں دل اپنا کہیں بہلانیکو

نہیں ممکن کہ مری آہ پریشاں نہ کرے
زلف سلجھائیں وہ سو مرتبہ سلجھانے کو

کون نخاغم سے چھڑاتا جو دم نزع مگر
یاد آئی تری اسدم مجھے سمجھانے کو

نقد دل لیکے خریدار بنے ہم لیکن!
کوئی دولت نہیں کافی ترے بجانیکو

کیا عجب چونک پڑوں خواب اجل سے **ضامن**
پس مردن جو ہلائے وہ مرے شانے کو

کیا کروں کوئی مری بات بھی سنتا کچھ ہو
دل ہی سمجھانے سے سمجھے تو نہ پھر کیا کچھ ہو

روز اک تازہ مصیبت ہے گرداہ رے دل
پھر بھی باز آئے نہ یہ عشق سے اتنا کچھ ہو

میں تو ہر طرح سے راضی ہوں رضا پہ اسکی
مگر اسکو بھی تو آخر مری پروا کچھ ہو

میرا دل کچھ مجھے دو پھر نہیں اے مشفق مَنا
کیسے دیدوں تمہیں جبتک نہ بھروسا کچھ ہو

آپ آتے نہیں ہم جذبہ الفت دکھلائیں
کہیے اب بھان متی کا بھی تماشا کچھ ہوا

جب یہی ضد ہے تو پھر بجھ چکی الفت **ضامن**
ہو روش کچھ مری اور اُن کا طریقہ کچھ ہو

یاں ایک کا نہ ایک اگر دردمند ہو
سب کام کارخانہ دنیا کا بند ہو

گردش کو چھوڑ دے کہ یہاں سربلند ہو
باغ جہاں میں سرو منظ پائے بند ہو

ہاں اے غزال دشت وفا جب تھی کہ جب
گردن میں تیری آہ رسا کی کمند ہو

طالع پہ میرے رشک کا موقع ہی کیوں ملے
چھپ جائے چشم خلق سے اتنا بلند ہو

ڈالے خلل نہ عیش میں ان کے سپاہ غم
بہتر نہیں کہ آہ کا جھنڈا بلند ہو

طالع کو اس کے مہر سے کیوں ہو نہ ہمسری
تیری نگاہ لطف سے جو بہرہ مند ہو

اس بت کو اوس نے خدائی کا لا لا
دل ہائے اب گڑتے ہو قیمت سے نام پہ
یک دعا تو میرے سینے عرش تک گیا
شیریں لبوں کو تلخ کلامی نہ چاہیے
آساں نہیں مرے دل وحشی کی روک تھام
گر تو سوار ہو پئے صید غزال دل
آساں نہیں ہے تیغ ادا کا مقابلہ
پھیلے جہاں میں کیسے مہک حسن خلق کی
ہنستا ہے بیگناہ کشی پہ دل ان رحم

اتنا ہی خلق میں نہ کوئی خود پسند ہے
کیوں او کسی کا نالہ اگر اودہ مند ہے
وہ کیا کرے جو باب اجابت ہی بند ہے
پوچھے نہ کوئی پھر اوسے کڑوا جو قند ہے
گردن میں اوسکی زلفوں کی دوہری کمند ہے
غمزہ سمند عشوہ عنان سمند ہو
اک ہاتھ اگر پڑے تو جدا بند بند ہے
تیرا دہن ہی غنچہ صفت جبکہ بند ہے
قاتل سے جائے شرم جو یوں ریشخند ہے

منصور دار دار پہ مجھ کو چڑھا دیا
**ضامن** نے سچ کہا تھا بڑے حق پسند ہو

جو تمناسے ندم بوس ہے کم ہے ہمکو
وائے بیدردی کس کس کی شکایت کیجیے
جاں نثاری بھی دفا میں نہیں داخل اپنی
سخت جاں ہیں وہ جو باتوں سے مرا کرتے ہیں
عہد گیسو کی محبت کا نہ توڑیں گے کبھی
دل لگانے کی ہے شرم اور نہیں کوئی خیال
سامنے ہر کس و ناکس کے جھکائیں کیوں سر

سرمۂ طور تری خاک قدم ہے ہم کو
کام جو سہل ہے ہے سہل اہم ہے ہم کو
اس طرف سے جو تم بھی تو کرم ہے ہم کو
جنبش چشم ہی شمشیر دو دم ہے ہم کو
اس پریشانی خاطر کی قسم ہے ہم کو
دوستو کیا کہیں کس بات کا غم ہے ہم کو
دم خنجر کفکش کا ف کرم ہے ہم کو

قصر دلدار کا کرلیتے ہیں ہر روز طواف
حیدرآباد میں **ضامن** یہ حرم ہے ہم کو

وہ سر نہیں جسے سودائے زلف یار نہ ہو
وہ چشم کور ہے جو وقف انتظار نہ ہو

وہ سینہ بھی کوئی سینہ ہے جو نہ ہو جو پہ داغ
ہم اوسکو دل نہ کہیں گے جو بیقرار نہ ہو

جگر نہیں جو لہو ہو کے آنکھ سے نہ بہے
وہ جان جاں نہیں تم پہ جو نثار نہ ہو

وہ پانوں کیا جو نہ راہ وفا کے ساتھ گھسے
نہیں کیج ہاتھ گریباں جو تار تار نہ ہو

نہ جس دہن میں ہو توصیف دوست اوسمیں خاک
زباں وہ قطع ہو جس پہ ثنائے یار نہ ہو

وہ تیغ ناز نہیں جس سے دل نہ ہو جو رنگ
وہ تیر غمزہ نہیں جو جگر کے پار نہ ہو

ملال در تیغ نتیجہ ہے عیش بیجا کا!
شراب تند بھی ہو اور پھر خمار نہ ہو!

جناب شیخ نے بہت اپنی آپ ہی کھودی
وہ آئیں رندوں میں دستار تار تار نہ ہو؟

ردیف ہو کہ نہ ہو تھی بہک گئے ضامن
نہ کوئی یوں بھی ہو غافل جو ہوشیار نہ ہو

یہ کیا کہا کوئی ہم پہ نثار ہو کہ نہ ہو
نہیں کہو یہ سخن ناگوار ہو کہ نہ ہو

فقط ہے جلوۂ گل رونق چمن کا سبب
ملال کیا ہے نوائے ہزار ہو کہ نہ ہو!

لگاؤ قہر تری کر گئی مجھے مایوس
الم کا تیر کلیجے کے پار ہو کہ نہ ہو

وہ فکر چاہیئے دنیا میں نام رہ جائے
نشاں رہے نہ رہے یادگار ہو کہ نہ ہو

ثنائے حسن جہاں سوز یار کرتا ہوں
مثال شمع زباں شعلہ بار ہو کہ نہ ہو

نہیں تو چاہیئے کچھ شرم دل لگانے کی
کیے سے اپنے کوئی شرمسار ہو کہ نہ ہو

مآل کار محبت کا نامرادی ہے!
فراق ہو کہ نہ ہو انتظار ہو کہ نہ ہو

کیا ہے خار حوادث نے جسم سوزن کار
نصیب ہمکو قبا زرنگار ہو کہ نہ ہو!

تمھاری یاد ہے ہردم انیس تنہائی
کوئی رفیق کوئی غمگسار ہو کہ نہ ہو

نہاں رہے جو نظر سے وہ چہرۂ روشن
زمانہ آنکھوں میں تاریک و تار ہو کہ نہ ہو

نہ لاگ لطف کسی کے نہ اس کا ایک ستم
بلائے عشق ہمیں سازگار ہو کہ نہ ہو

ترے شہیدوں کا باقی ہے نام محشر تک
یہ ہر زباں پہ رہے گا مزار ہو کہ نہ ہو

ہے جسکا حسن حسیب یاں حصار حسن عمل
ہمیشہ امن میں ہے وہ حصار کہ نہ ہو

ہمارے دل پہ ہمیں اختیار دے یارب
کسی کے دل پہ کوئی اختیار ہو کہ نہ ہو

خزاں کے جور سے مصئوں ہے نیکیوں کا چمن
صدا بہار رہیں یہ گل بہار ہو کہ نہ ہو

تری نگاہ سے دل کو لگاؤ ہے شاید
کھٹک جو رہتی ہے پہلو میں خار ہو کہ نہ ہو

وسیع رحمت آمرزگار ہے ضامن
ترے گناہوں کا کوئی شمار ہو کہ نہ ہو

ہے جبتک جسم پر باقی یہ سر کم درد سر کیا ہو
مریض یاس کا دنیا میں کوئی چارہ گر کیا ہو

لگائے گی دہن پر صبح محشر مہر خاموشی
شب غم جب ہے باقی قصۂ غم مختصر کیا ہو

مسلمانوں کی بربادی کا دھیان آتا ہے رہ رہ کر
بھلا خشک اشک شوئی سے کسی کی چشم تر کیا ہو

نہ ہم سرسبز ہوں گے جہل کی جبتک ہے شورت
نہال آرزو اس سرزمیں میں بارور کیا ہو!

خواص برق سے واقف نہ علم صوت سے ماہر
اڈیسن سا ہماری قوم میں پیدا بشر کیا ہو

کسی کے رخ کو مہر اور ماہ پیشانی کو سمجھے ہیں
ہمیں آگاہی ماہیت شمس و قمر کیا ہو

فلک ہو جائے ساکن اور زمیں کھانے لگے چکر
سکون قلب حاصل ہے ہمیں ہم پر اثر کیا ہو

دکھائے فلسفہ نے شعبدے لاکھوں ماننے کو
پھر اس پر بھی خدا جانے ترقی منہ کیا ہو

مگر ہم ہیں کہ روتے ہیں سخن کی جان کو بیٹھے
یہ غفلت دیکھیے انجام کار اسکا اثر کیا ہو

ادب تو علم کے ہمراہ ہی رخصت ہوا کب کا
الہی روک اس ہرزہ سرائی کی مگر کیا ہو

ہماری نثر ہے اک داستان نام باطل کی
رہیں جب ہم پرستاں میں ہم دنیا کی خبر کیا ہو

ہماری نظم افسانہ سے ہے ناجائز تعلق کا!
برائی کے سوا اخلاق پر اس کا اثر کیا ہو

بلحاظ مضموں ہیں بندش جو اچھی ہے تو ہو ضامن
ہے کاسد جنس معنی گرم بازار ہنر کیا ہو

۱۳۲۵ھ

طالب عزت کو عشرت وجہ عبرت کیوں نہ ہو
نغمۂ ساز طرب شور ملامت کیوں نہ ہو

انہماک کار سے ہاں باعث وارستگی!
تیری یہ کم فرصتی ہی وجہ فرصت کیوں نہ ہو

ہے تعجب جبکہ نظارہ ہے گلچین جمال!
پھر تمنا گل فروش باغ عشرت کیوں نہ ہو

تجھ سے شکوہ جذبہ دار لیکا ہے قسام ازل
مل گئی جو غیر کو وہ میری قسمت کیوں نہ ہو

ہو سکا جو ہم سے الفت میں کیا وہ آج تک
اب محبت کیوں نہ ہو وہ یا عداوت کیوں نہ ہو

ہم وہ ہیں طے کر چکے ہیں عشق کی جو منزلیں
کیا بساط اسکی ہے طے وادی وحشت کیوں نہ ہو

آئے وہ نالہ کمند بام مقصد بن گیا
مرحبا شاباش اسے جذب محبت کیوں نہ ہو

سر جھکانا ہی دلیل سرفرازی ہے یہاں
ہو نہیں سکتی ہے طاعت گر اطاعت کیوں نہ ہو

میکدہ میں وعظ کہنے آئے تھے حضرت مگر
شیخ صاحب ایسی شکل اور ایسی صحبت کیوں نہ ہو

راہ سیدھی چھوڑ کر ہم کیوں ہوں پابند رسوم
نقش فطرت تابع آئین فطرت کیوں نہ ہو

واہ ضامن اچھوں کے اچھے ہی ہوتے آئے ہیں
ہم نے دیکھا آپ کا زور طبیعت کیوں نہ ہو!

مزار پر جو کبھی کشتۂ ادا کے چلو
جہاں کی رسم ہے دو پھول ہی چڑھا کے چلو

ذرا تو غور سے دیکھو حباب کی حالت
محیط دہر میں اتنا نہ سر اٹھا کے چلو

بھری ہیں کانٹوں سے گلزار دہر کی روشیں
سمیٹو دامن ناموس کو بچا کے چلو

ہے دور منزل مقصد کڑی ہے راہ طلب
قریب شام ہے جلدی قدم اٹھا کے چلو

یہیں جب تو مانوں گا اے حالان عشق تمہیں
مری طرح سے جو بار الم اٹھا کے چلو

اب آج قصۂ درد فراق حضرت دل
سنے وہ یا نہ سنے تم مگر سنا کے چلو

نہ دیں اگر لب شیریں کا بوسہ وہ ضامن
تو آج سوئے عدم تم بھی زہر کھا کے چلو

۱۲۲۵

جو سالکِ مسالکِ ہمت نشاں نہ ہو
کیا ہو اگر غبارِ پسِ کارواں نہ ہو

مانا کسی کے خوف سے لب پر فغاں نہ ہو
ممکن نہیں کہ دل دکھے آنسو رواں نہ ہو

چاہیے وہ چال ہوں نہ دلِ خلق پائمال
وہ بات کیجیے جو کسی کو گراں نہ ہو

سو غم کا ایک غم ہے غضب ہے بے تعلقی
نامہرباں تو ہو جو کوئی مہرباں نہ ہو

جرمِ وفا ہیں کیوں ستمِ ناروا سہوں
اے کاش اسکو میری وفا کا گماں نہ ہو

آزاد ہو نہ روح تو کیوں کہیے اسکو روح
ہے خاک تو وہ جسم جو تاب و تواں نہ ہو

دل کو یہ کد کہ آنکھوں کے رستے نکل پڑوں
میں چاہتا ہوں رازِ محبت عیاں نہ ہو

ہے کس بلا کی تیرہ نرگس میں دلکشی
اس پردہ میں کوئی نگہ جانستاں نہ ہو

تڑپائے جائیں گے وہ تڑپتے رہینگے ہم
ہیجان ہو تو ہو کوئی یوں نیمجاں نہ ہو

رنگِ پریدہ خود ہے گواہِ شکستِ دل
یوں آرزو کسی کی بھی بے خانماں نہ ہو

آج اس گلی سے لائے تو ہیں دل کو گھیر کے
وحشی یہ کل نہ جانے کہاں ہو کہاں نہ ہو

ہو خوفِ مدعی نہ رہے مدعا سے کام
اچھا تو ہے اگر غمِ سود و زیاں نہ ہو

کہتے ہیں پھر پڑی ہے ستم خانہ کی بناء
**ضامن** یہ فتنہ فتنۂ آخر زماں نہ ہو

۱۲۲۶

لب پر ہو کوئی ذکر نہ کوئی فسانہ ہو
ہر دم اسی کا راگ اسی کا ترانہ ہو

تا چند پاسِ وضع کا رکھے کوئی خیال
یوں چھیڑ بات بات میں جب عامیانہ ہو

چھوٹے نہ مر کے بھی سر و سامانِ عاشقی
مرقد پہ دودِ آتشِ دل شامیانہ ہو

کیا سوزِ ہجر کم ہے جو وہم رقیب سے
پیدا اک اور آتشِ غم میں زبانہ ہو

میدانِ حشر شہرِ خموشاں ابھی سے ہے
ٹھوکر تری برائے قیامت بہانہ ہو

یکساں ہے پھر تو لطف نماز و نیاز کا
ہو یہ جبیں یہ سنگ ہو یہ آستانہ ہو

کسبِ کمال کر کہ رہے نام بعد مرگ
عمرِ دوام بحرِ فنا کا کرانہ ہو

معشوق کس طرح کوئی سمجھے تمہیں بتاؤ
جب دل کے بدلے زلفِ چلیپا نشانہ ہو

دل اور بہارِ داغِ محبت خدا کی شان
ادنیٰ کلی نتائجِ چمن کا خزانہ ہو

یوں شیب میں شباب کا رونا ہے جس طرح
وجہ خمارِ صبح سرورِ شبانہ ہو

ضامن کہاں سے لائیں جوانی کے ولولے
احباب چاہتے ہیں غزل عاشقانہ ہو

پتھر ہے دل نہیں جسے خوفِ خدا نہ ہو
انساں ڈرے ان آنکھوں سے جن میں حیا نہ ہو

یہ حسن بے حجاب چھپائے چھپا نہ ہو
پردہ کوئی الٹ گیا دیکھو حیا نہ ہو

ممکن ہے عرضِ حال فقط ہو گلہ نہ ہو
تم پہلے میری بات تو سن لو خفا نہ ہو

اللہ لائے اون کو ہم آنکھیں بچھائینگے
کیا غم نہیں ہے گھر میں اگر بوریا نہ ہو

عمرت دراز باد شبِ انتظار آ
مر جاؤں ہجر میں جو ترا آسرا نہ ہو

ہم کیا بتائیں کیا ہوا دل کون لے گیا
اتنا کہیں گے یہ گرہ زلف وا نہ ہو

دنیا امید ہی پہ ہے قائم ترے نثار
وعدہ تو کر زبان سے اپنی وفا نہ ہو

کس کی امید کیسی تمنا کہاں کا ذوق
تو ہی نہ چاہے تو کوئی حاجت روا نہ ہو

کانٹے بھی اس چمن کے ہمیں پھول ہو گئی
اغیار جانیں عشق جو اون کو بھلا نہ ہو

پابندِ زنجیر دل اوسی جلوے سے دل ہوا
آہن کو آئینہ نہ کہیں گر جلا نہ ہو

پھر ہے کمانِ ابروئے پرخم چڑھی ہوئی
زد سے ہٹاؤ دل کوئی ناوک رہا نہ ہو

محراب کعبہ میں بھی نہ سجدہ ادا کروں
مُہرِ نماز وال جو ترا نقشِ پا نہ ہو

یہ دارِ امتحاں ہے تکلف سے ہے آدمی
اوس کی وفا ہی کیا جو قتیلِ جفا نہ ہو

عشقِ بتانِ سنگدل اور ضبطِ نالہ واہ
پتھر یہ گر کے چور ہو شیشہ صدا نہ ہو

سو عشوے لاکھ عربدے ہیں اک نقاب میں
ضامن اسیرِ دامِ فریبِ حیا نہ ہو

نہیں تاب گرانباری سبکسار کیے دامن کو
ہماری ناسپاسی نے گرائی قہر کی بجلی
اگر بکھری ہیں زلفیں رُخِ انور پہ بکھرنے دو
تعلق گر نہو پھر تو عداوت ہے ز الفت ہی
ہے خارِ بستر راحت الم عیش گزشتہ کا
یہی طوفانِ غم میں ہمکو تنکے کا سہارا ہے

لگا دے آگ اے برقِ فنا ہستی کے خرمن کو
گلستاں ہوگیا برباد کیا رو ئیں نشیمن کو
چھپائیگا کہانتک پردۂ شب روزِ روشن کو
دگرنہ کون ہی جو ایک سمجھا دوست دشمن کو
ہو آسائش بحل کر دیں متاع بردۂ رہزن کو
کبھی آنکھوں پہ رکھا آستیں کو گاہ دامن کو

طبیعت بجھ گئی ناقدردانی سے زمانے کی
مناسب ہے خدا حافظ کہیں ضامن اب اس فن کو

ہوئے گُھل گُھل کے سوزِ غم سے دل آنسو جگر آنسو
نگاہِ شوق بن اے دل اگر ذوقِ تماشا ہے
سکون حیرت افزا ہے مآل کار بیتابی
پر پرواز پیدا کر دیے شرمِ معاصی نے
کیا دل آب سوزِ عشق نے پہلو میں کیا ضامن

بساطِ ہستی عاشق میں اب کیا ہی مگر آنسو
کہ تا سر منزل بینش نہ پہنچا دوڑ کر آنسو
بنا چشمِ صدف میں شدتِ غم سی گہر آنسو
جوارِ مغفرت تک پہنچے ہیں بے بال و پر آنسو
بہا کرتے ہیں چشم تر سے کیوں آٹھوں پہر آنسو

## ردیف ہائے ہوز

گر نہ ہو غفلت نگاہی خود غبار آئینہ
حسن آپ اک پردہ ہی دل میں نہو جب نورِ عشق
اتنی خودبینی کچھ اچھی ہے ذرا دیکھو کہ ہو
بے گداز دل ہی یہ کب ہوئی روشندلی

ہر طرف جلوہ ہی جلوہ ہے دوچار آئینہ
دیدۂ اعمیٰ سے مخفی ہے بہار آئینہ
تم شکار حیرت اور حیرت شکار آئینہ
کب ملا ہر سنگ کو یاں اعتبار آئینہ

تنگ داماں صفا تھی بارش ابر کرم
حسن بے پروا کو آرائش کی حاجت کچھ نہیں
حسن ہے حیرت فروش اور عشق ہی حیرت مآل
سادگی میں جو مزہ ہے وہ تکلف میں کہاں

کلفت زنگار سے بدلی بہار آئینہ
ہے فقط جوش صفا نقش و نگار آئینہ
دیکھنا آئینہ سے آئینہ دار آئینہ
جوہر آئینہ سے ہے نقص عیار آئینہ

حسن کی نیرنگیوں میں یوں دل ضامنؔ ہے محو
جیسے ہو سیماب مردہ رازدار آئینہ

۱۳۳۴ء

ہمیشہ کون رہا ہے یہاں کسی کے ساتھ
ہلال عید ہے یا ابروئے خمیدہ ہے
جو دوں ترے قد بالا کو سرو سے تشبیہ
نماز یہ ہے کہ ہم ہیں نیاز مند ترے
غرور حسن نے الجھاؤ ایسے ڈالے ہیں
مآل عیش یہی ہے کہ چند روزہ عمر
کہا کہ نذر ہے دل اک نگاہ کے بدلے
نہیں ہے تاب توکل اگر تو اتنا ہو!

تعلقات کے جھگڑے ہیں زندگی کے ساتھ
خدا کی شان یہ حسن اور اس کجی کے ساتھ
خرام ناز کہاں اوس میں راستی کے ساتھ
ہیں متقی کے عبادات متقی کے ساتھ
لگا ہی رہتا ہے شانہ بھی آرسی کے ساتھ
کسی طرح سے بسر ہو ہنسی خوشی کے ساتھ
کہا گراں ہے ابھی اور کچھ کمی کے ساتھ
پڑے نہ کام الٰہی کسی دنی کے ساتھ

نہ پوچھ شیب میں ضامنؔ شباب کی باتیں
مزے مزے کی وہ صحبت وہ دل لگی کے ساتھ

۱۳۳۰ء

ہے زلف و خط کا روئے سیمبر کے گرد ہالہ
مری دعاؤں کو پلٹتے دیکھے آسماں سے
ہے سیب باغ حسن وہ ذقن کہاں سے خط ہو

کہ جس طرح فلک پہ ہو قمر کے گرد ہالہ
نہ دیکھا ہو کسی نے گر اثر کے گرد ہالہ
کبھی کسی نے دیکھا ہے ثمر کے گرد ہالہ

گلچیں سے اب گلہ نہ غرض باغباں سے ہے — سیر چمن کا شوق گیا بال و پر کے ساتھ
اہل غرض جو خود ہو نہ کر اس کو رہنما — کیا پا گئے تھے جا کے سکندر خضر کے ساتھ
دنیا کا بار کوئی سبک روح کیوں اٹھائے — گوہر کو رابطہ نہیں تار نظر کے ساتھ
**ضامن** ہوا کوئی ہو نہ دے گا اماں یہ — ہے لاگ آسمان کو اہل ہنر کے ساتھ

## ردیف یائے تحتانی

(۱۲۲)

سوز نفس سے برق شرر زا کیا مجھے — کہنے کو آب و خاک سے پیدا کیا مجھے!
اک ساغر شراب کا تھا میں امیدوار — ساقی نے مست جام تو لا کیا مجھے
دل مر چکا تھا میرا ابھی مردوں میں تھا شمار — کس کی نگاہ لطف نے زندا کیا مجھے
انجام کار شمع دکھا کر کہا خموش! — ناحق زبان دیکے بھی گونگا کیا مجھے
کالا سا دل میں داغ تھا اک جس نے پھیل کر — ہنگامہ ریز عرصہ سودا کیا مجھے
میں اور گریہ جھوٹ ہے ہاں شوق دید نے — گوہر فروش شہر تمنا کیا مجھے
ہستی کو نیستی کا لگا گو کہ مجھ سے داغ — کیونکر کہوں یہ کس لئے ایسا کیا مجھے
سوز دروں سے خوش ہوں کہ تیرے خیال میں — آہوں سے دود شمع تجلا کیا مجھے
وہ قیس نجد نکتہ رسی ہوں کہ نطق نے — محمل طراز لیلی معنا کیا مجھے
حیرت پہ ناز اپنے کروں جو بجا ہے وہ — آئینہ دار حسن خود آرا کیا مجھے
گنجائش خیال کو یارب جگہ ملے — عزلت گزینیوں پہ بھی رسوا کیا مجھے

توقیع کارنامۂ فطرت ہے میرا نام
**ضامن** خدا نے اپنا خلیفہ کیا مجھے

ہاں دیکھ دل کو اے مژہ تر لیے ہوئے — آغوش میں ہے معدن گوہر لیے ہوئے

اللہ سر کرے تو ہم عشق کی ہوس
جاتا ہے دل امیدوں کا لشکر لیے ہوئے

اشکِ ستم رسیدہ کو تھوڑا نہ جانیے
ہر قطرہ ہے بغل میں سمندر لیے ہوئے

اے خوش ہو باغباں کہ پئے شاہدان باغ
آئی بہار پھولوں کا زیور لیے ہوئے

آنے دو وقت دیکھیں گے خورشید حشر کو
پہنچیں گے ہم بھی داغ جگر پر لیے ہوئے

دھوکا نہ دیں بزرگ کہیں عین وقت پر
جاتے تو ہیں خضر کو سکندر لیے ہوئے

پھر حسن گل نے دل کو دلا دی کسی کی یاد
آئی بہار نامۂ محشر لیے ہوئے

پوچھو ہماری آہ سے روداد چرخ کی
کاغذ ہے اک جلا سا کچھ اخگر لیے ہوئے

دل کیوں نہ اے خلیل ہو خلوت سرائے دوست
کعبہ پڑا رہے بت آذر لیے ہوئے

افسردہ سرد مہری عالم نے کر دیا
ہوں سوز دل سے گود میں مجمر لیے ہوئے

مے کیوں یوں چھپا کے یہ کار کیوں نہ ہوں
دو شخص یہ جو بیٹھے ہیں دفتر لیے ہوئے

ہر اشک ناچکیدہ جو مژگاں پہ رہ گیا
دل پر ہے اپنے شرم سے نشتر لیے ہوئے

کیا جانے کیا ہو دل کو نہ چھیڑو مرے کہیں
مٹھی میں گرد دامن محشر لیے ہوئے

معشوق ہیں انھیں کو نزاکت پہ ہے گھمنڈ
بیٹھے ہیں یہ جو گود میں پتھر لیے ہوئے

گھر بار کس کا جاتے ہیں **ضامن** اُسی طرف
پھرتا جدھر جدھر ہے مقدر لیے ہوئے

چار آنسو جو نہ وحشت میں نکالے ہوتے
اور آفت تھی کہ دل میں وہی چھالے ہوتے

کیوں ہیں خمیازہ کش آغوش تمنا کی طرح
حلقہ آہ کسی کان کے بالے ہوتے

نہ چلی تیغ ادا آہ کی بجلی کہ حضور
دیکھتے ہم کہیں دو ہاتھ انکالے ہوتے

غیر کیا جانے محبت کے ہیں پھل عشوہ و ناز
یہ ثمر تلخ تھے گر میرے حوالے ہوتے

تارے سے ٹوٹتے تھے خیرہ تھی آنکھوں میں نگاہ
ڈورے کیونکر کسی مہ پارے پہ ڈالے ہوتے

دل کے زخموں کی طرف دیکھ تو لیتے وہ ذرا
بہی نخل گل امید کے تھالے ہوتے

*

ذرے ذرے پہ تھی لکھی ہوئی اک آیت نور
گر مری چشم بصیرت میں نہ جالے ہوتے

ابر بہمن بھی ہے کچھ مال دھوئیں اڑ جاتے
چشم گریاں کے مقابل یہ جو جھالے ہوتے

آ گئے تم نہیں اکھڑی ہوئی سانسیں ہیں جو اب
یہی نشتر یہی خنجر یہی بھالے ہوتے

پردۂ ساز حقیقت تھا تخالف ورنہ
یہ مساجد نہ کلیسے نہ شوالے ہوتے

الفت زلف کی ضامنؔ نہ ملی تھی جو سزا
آستیں میں ابھی سانپ اور بھی پالے ہوتے

کشاکش تا کجا یارب کہیں خط کا جواب آئے
شفا آئے قضا آئے خطاب آئے عتاب آئے

یہ جینا کوئی جینا ہے یہ راتیں کوئی راتیں ہیں
نہ وہ آئیں نہ موت آئے نہ چین آئے نہ خواب آئے

یہی بدمستی شام جوانی ہے تو پیری کیا!
نہ چونکوں میں سوا نیزے پہ بھی گر آفتاب آئے

مری اس عمر کی رنگیں مزاجی ایسی ہے جیسے
لب بام اوڑھ کر چادر شفق کی آفتاب آئے

کہاں ہے جام ساقی مے کہاں ہے کیا قیامت ہے
کہ اک ساغر پہ اتراتا ہوا یوں ماہتاب آئے

کسی صورت سے دل لینا ہے یہ بھی اک ادا ہوگی
بڑی حیرت ہے ان سوالی آنکھوں میں حجاب آئے

جو عمر جاوداں لطف نشاط زیست کھوتی ہے
سکندر کامیاب آیا خضر ناکامیاب آئے

ازل سے پیتے آئے ہیں ابد تک پیتے جائیں گے
نہیں وہ ہم کہ جس کے دل میں خوف احتساب آئے

کیے جاؤ جو کچھ کرنا ہے جو ہونا ہے وہ ہوگا
قضا بھی آتی ہے آئے بدیر آئے شتاب آئے

کیا نامی طبیعت نے غنی رکھا قناعت نے
مجھے پروا نہیں اسکی صلہ آئے خطاب آئے

کریں کیوں قصر شاہی کی ہوس اس دار فانی میں
سمجھ میں گر لدوا للموت وابنوا للخراب آئے

زلیخا کی طرح مرتاض تو ہو کوئی اے ضامنؔ
وہ جنت ہے ریاض عشق جا کر پھر شباب آئے

ہمیں پھرتے ہیں نہ تقدیر لیے پھرتی ہے
بیخودی ہوش کے عناں گیر لیے پھرتی ہے

(۱۳۲۵)

جانِ قبضہ میں کیے ہے وہ غلط کار نگاہ
اور قضا اپنی ہی شمشیر لئے پھرتی ہے

نہ بگولے ہیں نہ صرصر ہے یہ روحِ لیلی
دشت میں قیس کی تصویر لئے پھرتی ہے

عشق میں چین کہاں ضبط میں آرام کہاں
خلشِ آہ گلوگیر لیے پھرتی ہے

جس نے موسی کو سرِ طور کیا تھا بیہوش
ہم کو صحرا میں وہ تنویر لیے پھرتی ہے

صید ہم سے تو نہ ہوگا نہ ہوا ہے وہ غزال
آہ لوٹے ہوئے کچھ تیر لیے پھرتی ہے

سرِ بیسا چشم کے انداز خموشی کو نہ پوچھ
شرحِ یک دفترِ تقریر لیے پھرتی ہے

سازِ دلجمعی گوہر ہو نصیبِ احباب!
موج میرا خطِ تقدیر لیے پھرتی ہے

بیخودی دے چکی ہے درسِ حقیقت مجھ کو
عقل کیوں دفترِ تزویر لئے پھرتی ہے

ایک اک ذرہ ہے خورشید جمالِ فطرت
شمعِ طور اپنی ہی تنویر لئے پھرتی ہے

موجِ بوئے گل و تحریکِ ہوائے گلزار
سرخوشِ عشق کو زنجیر لئے پھرتی ہے

پوچھتے کیا ہو ہم آواروں کا مسکن ضامنؔ
ہم پڑے پھرتے ہیں تقدیر لئے پھرتی ہے

(۱۳۲۶)

مری طبعِ ہنرور کو نہیں حاجت اضافت کی
تمنا ہے ستائش کی نہ پروا ہے مذمت کی

شرارت آسماں کی ہے نہ ہے تقصیر قسمت کی
وہی ہے میری حالت ہے جو حالت میری نیت کی

بہت دیکھا بہت سوچا بہت پوچھا بہت جانچا
سمجھ میں کچھ نہ آئی داستاں نیرنگ قدرت کی

کہے جو کوئی جو کچھ اک کہانی جان کر سن لو
ہیں بحثیں عالمِ اسباب تک معلول و علت کی

ہجومِ ناز بیجا ہے خودی ہنگامہ آرا ہے
دل سنگیں پر ان کے بند ہیں راہیں محبت کی

شباب عشوہ کاری ہے بہار فتنہ باری ہے
جوانی میں ہے کچھ شان اور ہی ان کے طبیعت کی

زمینِ شور کجرائی میں کیوں تخمِ عمل بوئے
تمنا دل میں انساں کے ہو گر کسبِ سعادت کی

کریں کس منہ سے شکوہ بیرخی کا بیوفائی کا
نہ دینا تھا دیا دل تم کو ہم نے خود حماقت کی

دعا گو شاہ آصف کے ہیں ضامنؔ جانِ دل سے سب
دلیل عدل شاہی ہے وفاداری رعیت کی

۱۲۲۵

کوچہ میں جو اس زلف کے بھٹکے وہ کدھر جائے ۔ تم راہ کوئی دل کو بتاؤ کہ اُدھر جائے
دیکھو یہ ہنسی زیر لب اچھی نہیں پیارے ۔ چھڑکو نمک اتنا کہ دہن زخم کا بھر جائے
دل ہو کہ جگر دونوں ہیں گھر تیرِ نظر کے ۔ روکے گا اسے کون ادھر آئے اُدھر جائے
یارب مرے گھر سے وہ مکدر نہ سدھاریں ۔ اتنا دمِ رخصت دل بیتاب ٹھہر جائے
تم جاتے ہو اور آنکھوں نے طوفاں ہی اُٹھایا ۔ اک لحظہ کرو صبر کہ گنگا یہہ اُتر جائے
اتنا بھی نہ دو رنج کہ رد کے نہ رُکے آہ ۔ کیا ہوگا جو دنیا کہیں انگاروں سے بھر جائے

اوس چشم کو آہو نہ سمجھ ضامن وحشی
دشوار ہے پھر زیست جو یہ شیر بپھر جائے

۱۲۲۶

ذوق عشق مژہ و ابروئے بے پیر رہے ۔ دل میں یہ تیر کلیجے میں یہ شمشیر رہے
کس کی قدرت ہی کہ رستے سے کوئی بہکائے ۔ تو جو اسے جذبہ دل اون کا عناں گیر رہے
داغِ دل دیکھ کے وہ اور بھی رم کرنے لگے ۔ لو نہ یہ نقش بھی شرمندۂ تاثیر رہے
بیعت شیخ اِدہر کی نہ اُدہر کی ٹھہری! ۔ پھر گئے پیر مغاں سے جو وہ بے پیر رہے
خیر کر خیر غریبوں سے بھی اللہ کرے! ۔ شہرۂ حسن ترا یوں ہی جہانگیر رہے
دیکھو گھونگر نہ کھلیں شانہ سے گر جائینگے دل ۔ حلقہ در حلقہ یونہیں زلف گرہ گیر رہے
ہمت ایسی تو ہو کیا کام کیا واہ رے ہم ۔ عمر بھر محو گلہ سنجی تقدیر رہے
چھوڑ کر دامن تدبیر پھرے سرگرداں ۔ ہم سے برگشتہ نہ کیوں شاہد تقدیر رہے
رہتی دنیا تک اسی طرح سے اک دنیا کو ۔ خاک کوچے کی ترے سرمۂ تسخیر رہے

ہاتھ میں اوس کے ہے سب ذلت و عزت ضامن
کیا ہوا دشمن اگر درپئے تحقیر رہے

دیکھیں تا چند یہی حسرت تاثیر رہے ۔ آہ جاں سوز رہے نالہ گلوگیر رہے

جب وہی چاہیں کہ عاشق مرادلگیر رہے
جذب دل کس لئے سنت کش تاثیر رہے

لکنت اک عیب سہی وہ تو ہنر جانتے ہیں
مدعا یہ ہے کہ الجھی ہوئی تقریر رہے

دل ہے وہ طور جہاں آٹھ پہر پیش نظر
جلوۂ یار رہے حسن کی تنویر رہے

اپنا عاشق نہ سمجھ بندۂ بیدام سمجھ
لیکن اتنا ہو کہ ہم حبشیوں میں توقیر رہے

بزم قاتل نہ بنے گنج شہیداں کیونکر
جب نگہ آٹھ پہر دست بہ شمشیر رہے

آرزو خاک ہو گلچین گلستان امید
چاک در چاک جو یوں دامن تدبیر رہے

کم نہ ہو سرزنش مہر فزا کی لذت
وہ بگڑتے رہیں دل مائل تقصیر رہے

اپنا جلوہ مری آنکھوں میں سما کے دیکھو
حسن دونا ہو جو آئینہ میں تصویر رہے

کرم پیلہ کی طرح آپ ہیں اپنے صیاد
بند تزویر ہی میں بانی تزویر رہے

آہ سوزاں جو بنے محضر خونیں جگر ی
دامن برق میں شنجرف کی تحریر رہے

ہے خزاں ایک تبسم بہ بہار ہستی
گل کے انجام پہ کیوں غنچہ نہ دلگیر رہے

ہو اگر شعر میں اتنا تو اثر ہو ضامن
ناطقہ محو دلاویزی تقریر رہے

یہ دامن جب نہ ہوگا ہاتھ میں ہاتھ اور جبیں ہوگی
پھر یگی یہ نظر جب آنکھ ہوگی آستیں ہوگی

ابھی سے بچپنے کی سادگی وہ دن تو آئیندہ
یہ باتیں دلربا ہوں گی یہ چتون دلنشیں ہوگی

ہوا اک باندھ رکھی ہے امید وصل نے ورنہ
نہ ہم ہوں گے نہ دل ہوگا نہ آہ آتشیں ہوگی

سر محفل نہ چھیڑو میں اگر کچھ منہ سے بولوں گا
تڑپتی ہے نظر بجلی سی جو یہ شرمگیں ہوگی

اُسے کیا وسعت خوان نوال میر و سلطانسے
ترے خوان کرم پر جسکی قسمت ریزہ چیں ہوگی

ادہر تو مجھ سے کھچتا ہو ادہر جاں تن سے کھچتی ہے
کشاکش یہ خلل انداز ربط ما و طیں ہوگی

کرو گے اسطرح قدر محبت ہم نہ سمجھے تھے
کہ دل میں کھوٹ ہوگا اور زباں پر آفریں ہوگی

غم پنہان عاشق کو نہ سمجھو ساز جمعیت
کہ ہر موج نفس اسکی تہیں چین جبیں ہوگی

١٢٢٤

دل حیرت گزیں ار تنگ اشکال حقیقت ہے
ہماری خامشی اک روز معنی آفریں ہوگی

ذرا ساقی سے تو زاہد کی آنکھیں چار ہونے دو
نہ ذوق ساغر کوثر نہ یاد حور عیں ہوگی

کہاں کا وصل کس کا ہجر شادی کیسی ماتم کیا
طبیعت ہی کبھی شاداں کبھی اندوہگیں ہوگی

نظر آئیگا میخانے میں بزم طور کا عالم
تری برق نظر ساقی تحیر آفریں ہوگی

نہ عالم کچھ نہ آدم کچھ نہ ہستی کچھ نہ بستی کچھ
ہوا اک ہاں ہیں سب کچھ کچھ نہ ہوگا جب نہیں ہی گی

مری قسمت حریف عیش باساماں ہو کیا معنی
خم بے بادہ ہوگا یا مے بے ساتگیں ہوگی

نہ بھولا جس کو میں وہ تھی نگاہ اولیں اونکی
رہے یاد اون کو جو میری نگاہ واپسیں ہوگی

یوہیں خون تمنا دل میں گر ہوتا رہا ضامن
نمونہ کربلا کا ایک دن یہ سرزمیں ہوگی

١٢٢٥

وعدہ درست اور نہ عہد استوار ہے
پر کچھ تو ہے جو اونکا ہمیں اعتبار ہے

ہنگامہ ریز عرصۂ دل خوے یار ہے
سیدھی ادا بھی باعث صد انتشار ہے

اشکوں نے کیا کیا تھا یہ لڑکے ہیں بیگناہ
مژگاں تک آئے دل کہ سزاوار دار ہے

دکھتا ہے بار بار تپکتا ہے بار بار
کیا جانے کون چیز کلیجے کے پار ہے

آپ اپنی ہم بہار ہیں آپ اپنی ہم خزاں
ہونے دو گر چمن میں نزول بہار ہے

اے رہروان کوئے وفا دیکھ بھال کے
یہ راہ کچھ صراط سے مشکل گزار ہے

نوک مژہ کو اس سے ہے کیوں اسقدر خلش
ضامن کے دل کو تو رگ گل نوک خار ہے

گر خواہش دل پائے سرانجام بہت ہے
سر میں ہے جو سودا وہ ابھی خام بہت ہے

کم نشۂ مے سے نہیں کچھ بیخودی شوق
ساقی مجھے خون دل ناکام بہت ہے

ممکن ہے کہ جنت نہ ملے رندوں کو واعظ
گر سچ ہے کہ واں بادۂ گلفام بہت ہے

دل سیر نہ ہو ولولۂ عشق میں ہر چند
غم پھر بھی نقد رہ دہن و کام بہت ہے

کیا کیا کریں اس عمر دو روزہ میں الٰہی
فرصت ہے کم اور ہم کو بڑا کام بہت ہے

احباب نہ ہوں سمع خراشی سے مکدر
ضامن تری محنت کا یہ انعام بہت ہے

۱۳۲۷ھ

موت آنکھیں عاشق کو دکھا رہی ہے
تو نہ آیا جان حزیں جا رہی ہے

دل نے پایا کیا مزہ اس خلش میں
کون سی شے سینے کو برما رہی ہے

درد حسرت کچھ کم نہ تھا اے تمنا
کیا غضب ہے تو جان کیوں کھا رہی ہے

جب سے چھوڑا تن پروری کی ہوس کو
روح راحت کچھ اور ہی پا رہی ہے

دھوپ میں جیسے آئینہ کوئی رکھ دے
حسن رخ کو مے یوں ہی چمکا رہی ہے

سرد مہری ہی کیوں نہ ہو کچھ کیے جا
یہ ہوا بھی داغوں کو بھڑکا رہی ہے

جام ساقی ہم کو بھی دے دیکھ کب تک
آنکھ مہر مینائے صہبا رہی ہے

صبح پیری ہے بجھتی ہے شمع ہستی
حرص لیکن بتی کو اکسا رہی ہے

پیچ پڑنے والا ہے کوئی نہ کوئی
زلف اوسکی جو بل پہ بل کھا رہی ہے

اہل بینش اس رنگ کو بھی تو دیکھیں
فکر ضامن پھر پھول برسا رہی ہے

ناکامیاں نہ کیوں ہوں نوید ظفر مجھے
ہمت عطا کرے گی نئے بال و پر مجھے

تھا جلوہ گاہ یار ہر اک دشت و در مجھے
لے کر کہاں کہاں گیا ذوق نظر مجھے

ابر کرم نے تیرے جو کیں آبیاریاں
شاخ امل ہوئی شجر بارور مجھے

۱۲۴

توٹا دل اس طرح کہ ہوئی بار زندگی — ناسازی زمانہ ہے سازِ سفر مجھے
حسرت یہ ہے کہ میں ہمہ تن دل کیوں ہوا — ملتا کسی کے جعد معنبر میں گھر مجھے
اوس چشم فتنہ بار سے سب کو خدا بچائے — اچھے رہیں جو کہتے ہیں شوریدہ سر مجھے
دشتِ طلب میں رکھنے کو رکھا تو ہی قدم — اس راہ میں ہیں لاکھ طرح کے خطر مجھے
آٹھوں بہشت لے کے جہنم میں جھونک دوں — مل جائے گر جوار میں تیرے مقر مجھے
دل قلزم خیال ہے جاں عرصۂ ملال — ہے فقر میں بھی سلطنت بحر و بر مجھے!
ہوں راہ کبر و ناز سے دور اس پہ ناز ہے — آتا نہیں جہان کا کوئی ہنر مجھے

لعل مذاب وقف زبان قلم کیا
ضامن خوش آئی ریزش جگر مجھے

۱۲۵

پند ناصح کی چیستاں ہے مجھے — سمجھ اتنی بھلا کہاں ہے مجھے
نام لے لے کے تیرا جیتا ہوں — اسم اعظم یہ حرز جاں ہے مجھے
عشق اور وہم حسن اور تمکیں — کچھ خیال اون کو کچھ گماں ہے مجھے
پھیر قسمت کا پاؤں کا چکر — جو زمیں ہے وہ آسماں ہے مجھے
داغ دل کو نہ کیسے رکھوں عزیز — یہی تصویر رفتگاں ہے مجھے
لوں نہ آب خضر کہ عمر ابد — ایک ساغر کو بھی گراں ہے مجھے
پاس خاطر ترا نہیں نہ سہی — کچھ نہ یوں مانع فغاں ہے مجھے
ہے پلاس و نمد میں وہ آرام — کہ وہ اطلس یہ پرنیاں ہے مجھے
کام جاں کو خوش آئی تلخی غم — محو سب لذت زباں ہے مجھے
دیکھتا ہے تو اس نظر سے نہ دیکھ — یہی نشتر یہی سناں ہے مجھے
سرمہ سمجھا ہوں خاک در کو ترے — حیدرآباد اصفہاں ہے مجھے
وہم اغیار اور دل عاشق — پھر مسلماں ہوں یہ گماں ہے مجھے

ایک دل کے نہ ہونے سے ضامن
ذرّہ ذرّہ دلِ طپاں ہے مجھے

۱۳۲۵ھ

دل پہ وحشت کی چڑھائی ہو چکی
عقل کی فرماں روائی ہو چکی

دسترس غنچوں ہی تک تھا اے صبا
دیکھ ادھر کیا دلکشائی ہو چکی

تو نہ ہو بدظن تو پھر کیا غم اگر
منحرف ساری خدائی ہو چکی!

بے گنا ہونگی کہیں نوبت نہ آئے
بس کرو تیغ آزمائی ہو چکی!

ناز کی طاقت ربائی تا کجا
صبر کی زور آزمائی ہو چکی

چل کے اب میخانہ میں توڑیں وضو
مسجدوں میں جبہ سائی ہو چکی!

کعبہ کس کا اور کیسا بت کدہ
جب درِ دل تک رسائی ہو چکی!

یہ تلوّن دیکھیے کیا رنگ لائے
غیر سے بھی کج ادائی ہو چکی

ق

عاشقوں کی بیقراری بڑھ چلی
طاقت صبر آزمائی ہو چکی

متقی کا سارا تقویٰ رہ گیا
پارسا کی پارسائی ہو چکی

شیخ نے مستی میں کی ہو حق شروع
نوبت زہد ریائی ہو چکی

ڈھا رہا ہے آفتیں اُنکا شباب
درہم و برہم خدائی ہو چکی

ضامن اب کب تک بچاؤ گے اسے
جان لو دل سے جدائی ہو چکی

۱۳۲۵ھ

ہونے والی بات تھی جو ہو چکی
دل کو ہم اور ہم کو قسمت رو چکی

ناامیدی تخمِ حسرت بو چکی
آرزو آٹھ آٹھ آنسو رو چکی

اے دلِ ناداں یہ رونا ہے عبث
چشمِ تر داغِ محبت دھو چکی

منقبض بارِ علائق سے روح
کیا کرے اس بوجھ کو خود ڈھو چکی

جائے کیا خار محبت کی خلش
تنگ ہے یاروں پہ میدان عمل

آنکھ دل کے حق میں کانٹے ہو چکی
جاگے اب جس وقت قسمت سو چکی

مفت ہی گر پھینکنا ہے پھینک دو
اون سے قیمت دل کی ضامنؔ ہو چکی

۱۲۲

یاس سرمایۂ راحت ہو گی
بے دلی وجہ فراغت ہو گی

گرد اٹھ کر نہ بنی ابر کبھی
خاک دوں طبع میں ہمت ہو گی

ساز آہنگ حقیقت ہے نفس
جاں طرب گاہ محبت ہو گی

ہے یہی حسرت انجام اگر
زنگ آئینہ الفت ہو گی

نہ ہو تصویر میں گو اون کی بات
دیکھ لوں کچھ تو شباہت ہو گی

دل سے اٹھی جو ندامت کی گھٹا
سایہ دامن رحمت ہو گی

جل گیا پردۂ ناموس وفا
کیا یہ آہوں کی شرارت ہو گی

مہر ذرہ سے نہیں بے پروا
داغ دل میں وہی طلعت ہو گی

دل ہی جب دے چکے باقی کیا ہے
جان دیں گے جو ضرورت ہو گی

سوز دل سے ہے سخن میں گرمی
شمع محفل یہ طلاقت ہو گی

عشق کو چھوڑ کے دیں عقل کا ساتھ
ہم سے ضامنؔ نہ حماقت ہو گی

۱۲۳

دل جنوں زادۂ آزادہ ہے
بوئے گل کو رگ گل جادہ ہے

عافیت سوزی حسرت کو نہ پوچھ
سر بصحرائے طلب دادہ ہے

میری تصویر میں ہے رنگ شکست
صاف اڑ جانے کو آمادہ ہے

حرفِ مطلب کو نہ ڈھونڈو اس میں
آسماں اک ورقِ سادہ ہے

شیب میں بھی ہے جوانی کی ترنگ
مجھ کو یادِ سحری بادہ ہے

سر کے بل چلتے ہیں اس کوچہ میں
جادہ ہم رتبۂ سجادہ ہے

دل میں اب خون کہاں سے آیا
تھا جو یاقوت وہ بیجادہ ہے

دور ہے سرحدِ رحمت **ضامن**
اشک دامن ہی میں افتادہ ہے

سرمستِ تماشا ہوں وہ جلوہ مقابل ہے
لبریز ہے حیرت میناکدۂ دل ہے

اک یاد تری سو سو پرواز ہے دکھلاتی
خلوت کدۂ جاں میں ہنگامۂ محفل ہے

دیوانِ عدالت میں مغلوب ہوئے غالب
مقتول کے ہاتھوں میں اب دامنِ قاتل ہے

پھر فصلِ بہاری نے آہنگِ جنوں چھیڑا
پھر زخمہ رگِ جاں کو منقارِ عنادل ہے

ہم خاک نشینوں کو ہے حُسن سیہ بختی
رخسارۂ گیتی پر تاریکیِ شب تل ہے

اس جوشِ تمنا پہ خاک اڑتی ہے دامن میں
آغوشِ مراد اپنا خمیازۂ ساحل ہے

یہ نفس کی تسویلیں یہ عقل کی تاویلیں
عاقل جسے کہتے ہیں حد درجہ کا غافل ہے

مسلک ہے محبت کا آپے سے گذر جانا
مانندِ شرر مجھ کو جو گام ہے منزل ہے

۱۳۳۵

اس سانس کے ڈورے پر کب تک یہ رسن بازی
**ضامن** رقمِ ہستی محض اک خطِ باطل ہے

دل اون کا مہر سے خالی نظر نا آشنا نکلی
تمنا دید کی اک عمر میں نکلی تو کیا نکلی

پڑھا جب غور سے خطِ غبارِ صفحۂ خاطر
تو ساری داستاں تفسیرِ حرفِ مدعا نکلی

زخود رفتہ ہوئے ایسے کہ بزمِ اُنس میں پہنچے
کہاں ڈوبی تھی کشتی اور کہاں آخر کو جا نکلی

دیا ہے درس حسرت نے زبانِ بے زبانی کا
نہیں مرہونِ خلعت قامت عزم بلند اپنا
مرادف سعی کا سمجھا کئے وحشت خرامی کو
زبان عرض مطلب لال اور قاصد حریف اپنا
سزا ہے پردۂ ناموس گلشن چاک کرنے کی
چھپو چھپتے ہو کب تک ہم بھی اک دن دیکھ ہی لینگے
حقیقت آپ اک پردہ ہے دیکھو ہم نہ کہتے تھے

دم اظہار درد دل نگہ بن کر صدا نکلی
کہ ہر امید کوتاہی میں مفلس کی قبا نکلی
گلہ قسمت کا تھا لیکن ہماری ہی خطا نکلی
غضب ہے گر کمند جذبۂ دل نارسا نکلی
ہوئی آوارہ نکہت گل سے جب ہو کر جدا نکلی
امنگیں دل کی ابھریں اور آنکھوں سے حیا نکلی
وہی یاد صنم پیرایہ یاد خدا نکلی

دل بے مدعا ہی مخزن گنج قناعت تھا!
اسی ویرانہ سے ضامن متاع بے بہا نکلی!

دل کو ضامن ہوس عشق تباں باقی ہے
تاب ضبط اور نہ یارائے فغاں باقی ہے
بال پرواز نہیں ہمت پرواز تو ہے
نیستی کو بھی نہیں میرا تو ہم ہر چند
فاقہ مستی ہی سہی بادہ پرستی نہ سہی
نیم جاں چھوڑ کے جاتا ہے کدھر او قاتل
قصہ کوتاہ کر اب شکوۂ گلچیں تا چند
حرف مطلب کا نہ سنیے گا اسے سن لیجے

بجھ گئی آگ مگر اب بھی دھواں باقی ہے
دکھ اٹھانے کیلئے جسم میں جاں باقی ہے
مرمٹوں میں بھی ابھی تاب و تواں باقی ہے
ان کو لیکن مری ہستی کا گماں باقی ہے
قوم میں عیش گذشتہ کا نشاں باقی ہے
ابھی اک سدِ رمق جسم میں جاں باقی ہے
بلبل زار ابھی دور خزاں باقی ہے
درد دل کا ابھی تھوڑا سا بیاں باقی ہے

دل گیا دین گیا خوار ہوئے زار ہوئے
پھر بھی ضامن ہوس عشق تباں باقی ہے

آئینہ لاکھ شوق میں آغوش وا کرے
کیوں سادہ دل سے کوئی امید وفا کرے

اے بادشاہ کشور خوبی جواب دے
کب تک فقیر تری گلی میں صدا کرے

خالی مُدکانِ سجدہ ہے جنس خلوص سے
سیمائے صاف داغ ریا لیکے کیا کرے

واعظ شکست بیعت ساقی تو سہل ہے
میں کیا کروں جو دل نہ تری اقتدا کرے

ناز و ادا و عشوہ کو پھر کیا کہے کوئی
جب کار تیزی دم خنجر حیا کرے

ایسا کہاں ہے دامن بے لوثِ عمل
جو گرد غم سے آئینہ دل صفا کرے

پاس نفس ضرور ہے غواص کے لئے
ہمت نہ ہو تو کیوں طلب مدعا کرے

نیرنگی فسوں ہے یہ ارتنگ کائنات
بیرنگیوں میں رنگ زمانہ بھرا کرے

سن حال سیر بحر حقیقت حباب سے
خود کو فنا کرے تو یہاں چشم وا کرے

یاں دل وہی وہی ہے تپش اور غم وہی
قطرہ سے موج موج سے دریا بنا کرے

ضامن کمال سے نہ گئیں تیرہ بختیاں
چھائیں کو روئے بدر کی خورشید کیا کرے

گو کار جہاں سے ابھی فرصت تو نہیں ہے
چلتے ہیں قضا سے کوئی حجت تو نہیں ہے

اک آگ سی بھڑکی ہوئی ہے سارے جہاں میں
اے آہ کہیں تیری شرارت تو نہیں ہے

پڑتی ہیں یہ کس چیز پہ ساقی کی نگاہیں
سر پر مرے دستار فضیلت تو نہیں ہے

ٹوٹی ہوئی آس اور ہیں الجھے ہوئے انفاس
ایسا ہی کہیں جذب محبت تو نہیں ہے

وہ کیا کریں بن بن کے بگڑ جائیں اگر کام
احباب سے کچھ وجہ شکایت تو نہیں ہے

پیدائی و پنہانی اسباب و نتائج
عنوان غلط کاری قسمت تو نہیں ہے

شاید کہ ہو ظرف مئے پندار دل شیخ
پیمانہ صہبائے حقیقت تو نہیں ہے

ضامن ترا شکوہ کرے باور نہیں آتا
واقف ہوں میں اوس کی یہ طبیعت تو نہیں ہے

بسمل کو اپنے چھوڑ کے تنہا کہاں چلے
اتنا تو اور ٹھہرو کہ ہمراہ جاں چلے

اس کی خبر نہیں کدھر آئے کہاں چلے
ہم وہ غبار ہیں جو پس کارواں چلے

ہیں میری خاک سے بھی انہیں بدگمانیاں
دامن اٹھائے آئے تھے دامن فشاں چلے

کب ہے دیار حسن میں جنس وفا کی قدر
اوروں کی طرح ہم بھی اٹھا کر زیاں چلے

مٹنے لگے ہیں دل سے جوانی کے ولولے
لو رات گذری صبح ہوئی میہماں چلے

اے فلسفی ہم آپ ہی گردش نصیب ہیں
یکساں ہے یاں زمین چلے آسماں چلے

سر میں خیال اوسی کا ہو جبتک ہی تن پہ سر
ذکر اوس کا ہو زبان پہ جبتک زباں چلے

کھویا ریائے شیخ نے سب اعتبار زہد
کھوٹا ہو مال جب تو کہاں سو دکاں چلے

خون قتیل ناز دکھاتا ہے کیا بہار
دامن میں لے کے آپ گل ارغواں چلے

ساقی یہ رند تیرے ہی در کے گدا ہیں سب
کیوں دور سے رکا ہوا ہے کدھر کہاں چلے

مایوس دل کا اور سہارا نہیں کوئی
کشتی یہ تو ہی چاہے تو بے بادباں چلے

مسجد کا بھی ہے پیر مغاں اب اجارہ دار
**ضامن** شراب خانہ سے اٹھ کر کہاں چلے

ہاں طبیعت جبتک اوس سفاک پر آئی نہ تھی
ہم تھے ہم اور دل تھا دل یہ ناشکیبائی نہ تھی

وعدہ کیسا آ گئی سر پر بلائے انتظار
عاشقی کی آج تک ہم نے سزا پائی نہ تھی

میرا ذوق بیخودی پابند مستی کب ہوا
بادہ پیمائی تو تھی گر بادہ پیمائی نہ تھی

گرمی ہنگامۂ ہستی تھی جب ذوق آفریں
جبکہ دل تک عشق کے شعلے کی آنچ آئی نہ تھی

یہ نہ سمجھے ہے نقاب لن ترانی کی جھلک
اتنی بھی کیا دیدۂ موسی میں بینائی نہ تھی

نیر اقبال اپنا بھی کبھی تھا ضو فشاں
اس طرح ادبار کی کالی گھٹا چھائی نہ تھی

قیس تھا آوارہ گرد اور کوہکن تھا ہرزہ کار
لیلی و شیریں کی الفت وجہ رسوائی نہ تھی

اس سر شوریدہ میں وحشت کا سودا کب نہ تھا
دل پہ **ضامن** کب جنوں کی کارفرمائی نہ تھی

۱۲۴۶ھ

حجاب حیرت آئینہ کب گرد محابا ہے!
فلک کی گردشیں بیداغ کسکو رہنے دیتی ہیں
خرد کو ہے پشیمانی نظر ہے وقف حیرانی
ترے وارفتہ کیا جانیں تعلق کس کو کہتے ہیں
قیامت ہے کمند سعی اگر کوتاہ پڑجائے!
کہاں طوفان حسرت اور کہاں جمعیت خاطر
جھلک امید کی! یوسیوں میں بھی نظر آئی

ہجوم بیخودی سے گرم بازار تماشا ہے
جگر میں مہر عالمتاب کے بھی داغ سودا ہے
سراب جلوہ صورت نقاب روئے معنی ہے
نفس کی راہ میں اٹھتی کہیں گرد کف پا ہے؟
فضا حائل ہے اور اونچا بہت بام تمنا ہے
ہوا کا زور وجہ پیچ و تاب موج دریا ہے
مری روداد ہجراں ہو نہو خواب زلیخا ہے

مبارک ذوق سرمستی کہ درد ساغر بیدل
بچا جو میرزا غالب سے وہ **ضامن** کا حصہ ہے

۴۵ھ

آہوں کے ساتھ اڑ کے جو لخت جگر گئے
اللہ ری جلوہ باری حسن نظارہ سوز
اغیار اور شراب جگر سوز عاشقی
ہر نقش پا تھا آئینہ تصویر یار کا
یہ تھی خزاں کہ باغ پہ ڈاکہ پڑا کوئی
چھڑکا نمک کسی کی ہنسی نے کچھ اسطرح
تھے مثل آہ نیمشبی وہ بھی بے اثر
ہستی کا داغ ترک خودی نے مٹا دیا
کیا ہم سے بینواؤں کی موت اور زندگی
میدان امتحاں تھی تری جلوہ گاہ ناز
کب تک بھلا یہ لیل و نہار امید و بیم
شوق فضول زخمہ زن تار جاں ہے پھر

لالے کے پھول اوج ہوا میں بکھر گئے
یاں ذرہ ذرہ طور ہے موسی کدھر گئے
لو ان کے بھی حیات کے پیمانے بھر گئے
سرگشتگان عشق جدھر سے گزر گئے
غنچے گئے وہ گل گئے برگ و ثمر گئے
تھے جتنے زخم تیر نگہ دل میں بھر گئے
نالے جو آسمان پہ وقت سحر گئے
لیں اون کے پاس لیکے ہم اپنی خبر گئے
تھی زندگی جیا کئے موت آئی مر گئے
تیوری چڑھی حریفوں کے چہرے اتر گئے
وعدہ کیا سحر کو تو شب کو مکر گئے
در پردہ پھر اشارہ دل میں وہ چھیڑ کر گئے

ضامن کوئی نہ کوئی خریدار مل گیا
جس انجمن میں لے کے متاعِ ہنر گئے

۱۳۲۵ھ

سامانِ رنج و راحت دنیا ہمیں سے ہے
دل ہم گنوائیں داغ جدائی کا ہم اٹھائیں
اے دل نہ کھا فریب طلسمات اسم و رسم
دل تھا تو درد بھی تھا نہ دل اب ہے اور نہ درد
بیجا ہے بحث رد و قبیح و قبول حسن
اللہ یہ حجاب ہے یا بے حجابیاں
اغیار اگر عشق و محبت کا دم بھریں
راحت ہے کوئی چیز نہ کلفت ہے کوئی شے

حسرت۔ امید۔ یاس۔ تمنا ہمیں سے ہے
پھر اس لئے ضبط کا بھی تقاضا ہمیں سے ہے
صورت ہمیں سے اور ہیولیٰ ہمیں سے ہے
یعنی مرض ہمیں سے مداوا ہمیں سے ہے
نیرنگ و نفریبی اشیا ہمیں سے ہے
دل میں ہمارے رہتے ہیں پردہ ہمیں سے ہے
سرجوشیٔ شراب تولا ہمیں سے ہے
صبر و سکون و شورش و غوغا ہمیں سے ہے

ضامن گلہ فلک کا نہ شکوہ ہے بخت کا
سامانِ رنج و راحت دنیا ہمیں سے ہے

۱۳۲۴ھ

رنگ سب بے مہری ارباب صفا دیکھا کئے
کیا بہار رونق سیر بوستان دہر سے
ناشگفتہ شہسوار و نسے جو بازی لے گئے
کس سے کہتے حال نارسائی جنبش ہمسر
ہو اگر عاشق کو ذوق انتظار اتنا تو ہو
ہمت مردانہ تھی ناکامیوں میں بھی رفیق
بیخودی تھی پردہ بردار حجاب ما و من
محفل تصویر تھی خلوت سرائے حسن و عشق

غرق بحر غم ہوئے ہم آشنا دیکھا کئے
کچھ ہوائیں بھر گئے اور کچھ ہوا دیکھا کئے
ہر قدم پر سالکوں کے نقش پا دیکھا کئے
گرم بازاری نقد ناروا دیکھا کئے
صبح محشر تک کسی کا راستہ دیکھا کئے
ہم اس آئینہ میں شکل مدعا دیکھا کئے
ہمنشیں ہم کیا بتائیں تجھ سے کیا دیکھا کئے
محو حیرت ہو کے انداز حیا دیکھا کئے

جان پر بنتی نہ بہتا آنکھ سے گر خون دل
ہم کچھ اس نقصان ہی میں فائدا دیکھا کئے

دیکھہ کر کیا کرتے ضامن لالۂ و گل کی بہار
رات دن گلکاری فکر رسا دیکھا کئے

بیخودی میں ہوشیاری کا ساماں دیکھا کئے
بند آنکھیں کر کے نیرنگ جہاں دیکھا کئے

سعی بے توفیق ہو گیا جادہ پیمائے مراد
دامن ہمت تہ سنگ گراں دیکھا کئے

پستی فطرت کے ہاتھوں صورت نقش قدم
بیٹھ کر اوج غبار کارواں دیکھا کئے

کب ملا ہم کو نشان منزل حسن عمل
دل کو حسرت سے ہوس کا ہمعناں دیکھا کئے

مثل بلبل نالہ کرتے اتنی بھی طاقت نہ تھی
لٹ گیا باغ امل ہم بے زباں دیکھا کئے

مہرباں سمجھا کئے جن کو وہ نکلے نامہرباں
پردۂ لطف و کرم میں سختیاں دیکھا کئے

پی گئے زہر تغافل جان کر آب طرب
خواب غم تعبیر عیش جاوداں دیکھا کئے

کھویا نقد دین و دل کھایا فریب اعتبار
سود کے دھوکے میں سرتا سر زیاں دیکھا کئے

پھول مہکے باغ لہکے رت پھری سب کچھ ہوا
ان بہاروں میں بھی ہم رنگ خزاں دیکھا کئے

جمع ہو سکتے نہیں دل اور شادی اک جگہ
بیدلوں ہی کو ہم اکثر شادماں دیکھا کئے

ہے سویدائے دل ہر ذرہ اک دشت طلسم
ہم یہیں سے نور کے دریا رواں دیکھا کئے

ہمنشیں کیا پوچھتا ہے ماجرائے بزم ناز
حسن کے آئینہ میں تصویر جاں دیکھا کئے

۱۳۴۳ھ

جل کے خاکستر ہوا سینہ میں دل ضامن مگر
کچھ نہ سمجھے آگ کیسی ہے دھواں دیکھا کئے

بچائے دامن عصمت یہ کہدے کوئی قاتل سے
وہ آہ خونچکاں نکلی کسی حسرت بھرے دل سے

گرے بجلی اگر سو بار بھی کشت تمنا پر
جو ہمت والے ہیں مایوس کب ہوتے ہیں حاصل سے

۱۳۴۳ھ

دل مقصد کی خواہش اور غم جاں کیا حماقت ہے
کسی کو ہاتھ آئے ہیں کہیں موتی بھی ساحل سے

ہجوم بیگناہی داد خواہ جور بیجا ہے!
نگاہیں چار ہو سکتی نہیں قاتل کی بسمل سے

فغاں بیدلاں ہے رخنہ ساز دامن تمکیں!
گلوں کی سینہ چاکی بڑھ گئی شور عنادل سے

فریب آرائی یاراں ہے ذوق افزائے محرومی
کفن دیتے ہیں کشتوں کو قبائے ناز قاتل سے

تلاطم سا تلاطم ہے ترا کم سا ترا کم ہے
امید عافیت ہے بحر سے ہمکو نہ ساحل سے

کہاں سے قافلے یاروں کے پہنچے ہیں کہاں جا کر
جھجکتے رہ گئے ہم عشوۂ دوری منزل سے!

کوئی چارہ سازی ہے یہ کوئی دلنوازی ہے
بیاباں گردیاں اچھی ہیں اس قید سلاسل سے

نور جلوہ گل اک فریب رنگ و بو نکلا!
پر پروانہ کچھ ہاتھ آ گئے گرمی محفل سے

ہجوم فکر میں فکر سخن کیا خاک ہو ضامن
یہ اتنے شعر نکلے ہیں بڑی کاہش سے مشکل سے

مقبول اثر ہو کے دعا بھی نہیں آتی
چاہیں جو قضا کو تو قضا بھی نہیں آتی

یہ دل تھا کبھی گل کدۂ عشرت جاوید
اب گلشن راحت کی ہوا بھی نہیں آتی

جھڑتی تھی جہاں آٹھ پہر نوبت شادی
واں دل کے دھڑکنے کی صدا بھی نہیں آتی

یہ پیچ زخم درد دل سوختہ دیکھو
یوں تا بہ کمر زلف رسا بھی نہیں آتی

بے راہروی تونے کیا قافلہ سے دور
اب کان میں آواز درا بھی نہیں آتی

اس کوچہ میں پامال سر راہگزر ہوں
برباد ہو خاک ایسی ہوا بھی نہیں آتی

اے جذبۂ دل کشمکش شوق کہاں تک
کیوں آئیں گے وہ انکی بلا بھی نہیں آتی

تقدیر تو دیکھو وہ بنے چارہ گر اپنے
کیا ذکر دوا جنکو دعا بھی نہیں آتی

اک عالم ہو ہے کہ مرا دشت تمنا
پتے کے کھڑکنے کی صدا بھی نہیں آتی

اللہ ری بیچارگی درد محبت
کہتے ہیں کہ عاشق کی قضا بھی نہیں آتی

جو داغ جگر میں ہے جبیں پر وہی ہوتا
افسوس کہ ضامن کو ریا بھی نہیں آتی

۱۳۳ھ

۱۲۱۴

سوز و گداز عشق سے رونق سخن میں ہے
جلوہ چراغ طور کا اس انجمن میں ہے

شہرہ ترے جمال کا ہر انجمن میں ہے
بلبل ہے باغ حسن کی جو روح تن میں ہے

صنعت سے ہے جمال حقیقت نظر فریب
جو بات سادگی میں ہے کب بانکپن میں ہے

چھینٹوں سے تیرے خاک ہو تسکین چارہ گر
اک آگ سی لگی ہوئی سب تن بدن میں ہے

بھاتی نہیں وفور نزاکت سے سیر گل
کہتے ہیں شور خندۂ بیجا چمن میں ہے

توڑے ہزار عہد ہے پھر مجھ کو اعتبار
کیا ایسی بات وعدۂ پیماں شکن میں ہے

پہنچا کسی کو فیض نہ موذی کے مال سے
بیکار وہ چمک ہے جو کالے کے من میں ہے

بخشا فروغ عشق کی شہرت نے حسن کو
نغموں سے عندلیب کے رونق چمن میں ہے

کہنی ہے جنبش پر پروانہ اور آئے!
دل سوز شمع گر کوئی اس انجمن میں ہے

میں انتظار میں ہمہ تن چشم بن گیا
تار نظر ہے تار جو اس پیرہن میں ہے

نظارۂ جمال ہے غارت گر شکیب
برہم ہے انجمن وہ اگر انجمن میں ہے

**ضامن** یہ دیکھ فیض ثنائے جمال یار
موجود بو گلاب کی تیرے دہن میں ہے

۱۲۱۵

قتیل تیغ تبسم ہے دل فگار کوئی
خدنگ ناز کا تیرے بنا شکار کوئی

کرے نہ گر تری رحمت پہ اعتبار کوئی
جہاں میں کیوں نظر آئے گناہگار کوئی

دم اخیر ہے آئیکا یار سے وعدہ
نہ غیر پاس رہے وقت احتضار کوئی!

بنائے کون شقی و سعید کا انجام
کرے گا کیا تری رحمت کا انحصار کوئی

شمیم کاکل مشکیں سے ہے جہاں خوشبو
نہ لے گا مفت بھی اب نافہ تتار کوئی

ہے کوئی وعدہ فراموش محو عیش و طرب
ہے راہ میں ہمہ تن چشم انتظار کوئی

گرہ کشائی گیسوئے عنبریں ہے محال
نہ مثل شانہ ہو جبتک جگر فگار کوئی

درشت بات سے ہوتی ہے اس طرح کی خلش
کہ جیسے دل میں چبھاتا ہو نوک خار کوئی

نہ کچھ ادھر سے نظر آئے بجز دل پر داغ
ہماری آنکھ سے دیکھے جو لالہ زار کوئی

عروس دہر وفا ہم سے کس طرح کرتی
مسافروں کا بھی کرتا ہے اعتبار کوئی

ہے تا بہ ختم سفر امتیاز پستی و اوج
پیادہ راہ میں گم ہے کوئی سوار کوئی

ہمارے اور ترے دل میں فرق اتنا ہے
وفا شعار کوئی ہے جفا شعار کوئی

کروں نہ بھول کے ضامن کبھی میں خواہش حور
ملے جو شوخ حسیں باوفا نگار کوئی

غزل

ساغرے کی سپر ساقی ہے یوں یہ دل میں ہے
آج پھر تیغ تغافل قبضۂ قاتل میں ہے

لب تک آتے ہی ہوا چورنگ حرف آرزو
اس سے اچھی ہے وہی حسرت جو اب تک دل میں ہے

قہر ہے ظالم کا انداز تغافل پیشگی
لطف کیسا یاں ستم سہنے کی حسرت دل میں ہے

ہائے وہ چھٹ جائے ہو جس پر مدار زندگی
جائے حیرت ہے کہ اب تک ربط آب و گل میں ہے

تازیانہ بہر ہمت ہے عدیم الفرصتی
یہ بھی اک پہلو ہماری سعی بے حاصل میں ہے

مانع وحشت خرامی راہ کی دوری نہیں
پا بہ گل گو خود ہوں پائے آرزو منزل میں ہے

ہے وہ دل اندھا نہ ہو روشن جو داغ عشق سے
قدر شمع کشتہ ضامن کب کسی محفل میں ہے

غزل

شورش عہد شباب دیکھیے کب تک رہے
جنبش موج شراب دیکھیے کب تک رہے

عرش پہ ہے پائے ناز فرش پہ فرق نیاز
یاں طپش اور واں حجاب دیکھیے کبتک رہے

ہر نفس گرم ہے اپنی وفا کی دلیل
گوہر شبنم کی آب دیکھیے کبتک رہے

آہ شرر ریز ہے چشم جگر ریز ہے
آگ۔ ہوا۔ خاک۔ آب دیکھیے کبتک رہے

دل میں ہے سوز فراق آنکھوں میں سیل سرشک
شعلہ تہ موج آب دیکھیے کبتک رہے

عشق کو مطلوب ہے برہمی بزم دہر
حسن اسیر نقاب دیکھیے کبتک رہے

سر سے اترتا نہیں سایہ دیو فراق
خانۂ ظالم خراب! دیکھیے کبتک رہے

عشق ہے بحر فنا ہم ہیں رہین ہوا
بود و نمود حباب دیکھیے کبتک رہے

خاک میں مل جائیں گر طے ہو ابھی راہ عشق
صورت اشک اضطراب دیکھیے کبتک رہے

حال دل و جاں نپوچھہ کاوش مژگاں نپوچھ
یہ خلش اور پیچ و تاب دیکھیے کبتک رہے

شورش امواج ہے نغمۂ ساز فنا
رنگ شکست حباب دیکھیے کبتک رہے

کہتے تھے نالے نہ کر ضامن تفتہ جگر
شعلہ فشاں یہ سحاب دیکھیے کبتک رہے

۱۲۵۱

طبع رسا بنی ہے پھر آبیار معنی!
گلزار نظم میں ہے تازہ بہار معنی!

فیض جبیب سے ہے خوشبو دیار معنی!
ہے خاک میرے در کی مشک تتار معنی

نقش و نگار مانی کیا آنکھہ میں سمائیں
پیش نظر ہیں ہر دم نقش و نگار معنی!

یہ پارہ جگر سب لعل گراں بہا ہیں
حق نے کیا ہے مجھکو سرمایہ دار معنی

چمکے فلک پہ جاکر ہر ذرہ مثل اختر
داماں فکر سے گر جھٹکوں غبار معنی

اشعار میں ہے موزوں توصیف چشم خوباں
نرگس کا یہ چمن ہے یا ہے شاخسار معنی

رخسار کی ثنا میں نکلے ہیں شعر رنگیں
یہ لالہ زار معنی- میں لالہ کار معنی

ناکامیاں خریدیں پیر و خضر کے بن کر!
آب بقا کا چشمہ ہے جوئے بار معنی

ہو شور شش جہت میں کیونکر نہ اس سخن کا
طبع بلند ضامن ہے آبشار معنی

تخت شہی وہ چاہے تو یہ بوریا سے بنے
بخت سیاہ سایۂ بال ہما سے بنے!

١٢٢٥

ظاہر ہوائے زلف سے کی آرزوئے زلف
سب دل کے داغ نافہ مشک ختا بنے

رفعت لکھی جو یار کے قصر بلند کی
افلاک سبعہ زینہ ذہن رسا بنے

سمجھا تھا جنکو دیدہ کم بین ہرزہ گرد
آخر انہیں کے نقش قدم رہنما بنے

چھوڑو نہ ذل کے خاک میں بھی رسم انکسار
خوبی نصیب کی ہے جو یہ کیمیا بنے

رکھیں گے حرف وضع پہ واعظ یہ سارے رند
کہنے سے ایک تیرے جو ہم پارسا بنے

اتنا تو ہو کہ فاتحہ پڑھنے کو لوگ آئیں
کوچہ میں تیرے قبر شہید وفا بنے

پھنس جائیں آکے گر کہیں رندونکی بزم میں
موج شراب شیخ کی زنجیر پا بنے

سمجھے تھے ہم عمارت دل کو خدا کا گھر
منظور عشق کو ہے کہ یہ بتکدہ بنے

دل میں نہیں سماتے جو ارماں جگہ وہ پائیں
دنیا سی ایک اور جو مہماں سرا بنے

مشکل ثبات تھا شب تار فراق میں
داغ دلا چراغ طریق وفا بنے

جھگڑا مٹے فراق کا اے یاد زلف یار
گر تو ہی تازیانہ دست قضا بنے

**ضامن** یہ بحر عشق ہے ایسا نہ ہو کہیں
گرداب اس کا حلقۂ دام بلا بنے

١٢٢٠

سمجھو نہ تم کہ ہے یہ کسی اور راہ سے
کچھ درد دل میں ہوتی ہے تسکین آہ سے

افشا ہوا ہے راز محبت کا آہ سے
مجھ پر ثبوت جرم ہے اپنے گواہ سے

پیدا سراغ نقش قدم پتلیوں سے ہے
دل میں اتر گیا کوئی آنکھوں کی راہ سے

اے شیخ آپ اور یہ بدمستی ہوس
یوں ہے تو چلیے میکدہ کو خانقاہ سے

نوک مژہ ہے خار پئے دامن حیا
کیا دیکھتے ہو غیر کو نیچی نگاہ سے

موسی نہیں کہ دید کی خواہش میں ہوں خجل
جو کام دل کا ہو وہ سے لیں کیوں نگاہ سے

**ضامن** اسی میں خیر ہے چھوڑو بتوں کا عشق
کرتا ہوں عرض میں یہ محبت کی راہ سے

او ہراے امید تو ہی سہی
دست رس گل پہ گر نہیں بلبل
خیر مقدم خیال وصل صنم
جس سے الفت ہے ہر ادا سے گلہ
ہم کو اہل جہاں سے کیا مطلب
دل دکھانے کو ایک ہیں دونوں

دل بہلنے کی گفتگو ہی سہی
خلش خار آرزو ہی سہی
وہ نہ آئے تو خیر تو ہی سہی
جو کہو سچ ہے زشت خو ہی سہی
تو تو ہے دوست وہ عدو ہی سہی
تو نہیں تیری آرزو ہی سہی

شعر ہی کچھ سنائیے **ضامن**
دل بہلنے کی گفتگو ہی سہی

جا چکا دل جان جانی اور ہے
آرزوئیں ساری دل سے مٹ گئیں
چارہ گر کس بات کا کرتے علاج
کیا ہوا گر بڑھ گئی قید حیات
گھٹ چلا صہبائے غفلت کا خمار
حال دل ہے شکوۂ فرقت نہیں

کچھ گھڑی کی میہمانی اور ہے
شوق مرگ ناگہانی اور ہے
وجہ زور ناتوانی اور ہے
خضر عمر جاودانی اور ہے
اک ذرا سی سرگرانی اور ہے
سنیے صاحب یہ کہانی اور ہے

تم کو ہے کچھ اور ہی **ضامن** خیال
لیکن اوس کو بدگمانی اور ہے

نہ تم برق تجلی ہو نہ موسیٰ دیکھنے والے
نہ لیں گے خلد یہ کوچہ یہ جلوہ دیکھنے والے
تری نیرنگی قدرت کا جلوہ دیکھنے والے

نقاب الٹو کہ ہیں مشتاق جلوہ دیکھنے والے
کہیں گھر پھونک کر عاشق تماشا دیکھنے والے
ہیں صحرا ذرہ میں قطرہ میں دریا دیکھنے والے

دکھادے اے عزیز مصر خوبی پھر جمال اپنا
کہ نور آنکھوں کا کھو بیٹھے ہیں سب دیکھنے والے

یہ مانا ہم نے نیروں سے ملے تم سادہ لوحی سے
مگر سوچو تو کہتے ہوں گے کیا کیا دیکھنے والے

بتائیں کچھ رہ و رسم دیار عشق ہم کو بھی
کہاں ہیں طرز راہ و رسم دنیا دیکھنے والے

دل اپنا بیچتے ہیں ہم رضامند یکا سودا ہے
پرکھ کر جانچ کرلیں مال اچھا دیکھنے والے

گرا ہے چاہ کنعاں جان کر بحر محبت میں
کہیں کیوں یوسف دل کو نہ اندھا دیکھنے والے

بہت مشکل ہے اندازہ پرائے دل کی حالت کا
بھلادیں تجربوں کو اپنے دنیا دیکھنے والے

ہے تصویر طلسمی تو مگر حسن مثالی کی!
سراپا نقش حیرت ہیں سراپا دیکھنے والے

نہاں کے ماندآں رازے کزو سازند محفلہا
نگاہیں تاڑ لیتے ہیں زمانہ دیکھنے والے

وہاں قانون الاعمال بالنیات جاری ہے
کہیں ہوتے ہیں واعظ زہد و تقوی دیکھنے والے

دکھا اک دل کی حالت ادنےٰ ہوں انصاف کا طالب
ملیں مجھ کو اگر مجنوں کا صحرا دیکھنے والے

ابھی نوک مژہ تک اشک غم آیا ہی آنکھوں سے
مگر سمجھے ہیں طوفاں خیز دریا دیکھنے والے

انہیں بدمست رکھتی ہے نگاہ ناز ساقی کی
کریں کیا ساغر مے چشم شہلا دیکھنے والے

خبر اس کی نہیں سرمست صہبائے محبت ہوں
مجھے سمجھے ہوئے ہیں بادہ پیما دیکھنے والے

گریں گی بجلیاں اک دن ذرا اتنا سمجھ رکھیں
مری بیتابی دل کا تماشا دیکھنے والے

"ثنائے خود بخود کردن نہ زیبد مرد عاقل را"
کہیں گے ضامن آپ اچھا کو اچھا دیکھنے والے

شباب آخر ہوا مہمان کچھ دن کی جوانی ہے
خزاں آنیکو ہے رخصت بہار زندگانی ہے

ہے غم کا پیش خیمہ نام جسکا شادمانی ہے
غم ہنگامۂ ہستی مآل زندگانی ہے

مٹا دوں داغ فرقت دلسے ناصح ہو نہیں سکتا
مرے پاس اوس ستمگر کی یہی تو اک نشانی ہے

جو لے حسن بیاں سے کام تو بیشک سنیں گے وہ
نہیں پر دردہی دلچسپ بھی میری کہانی ہے

کیا بے مہری ساقی نے لذت آشنا غم کا
دل پرخوں مجھے جام شراب ارغوانی ہے

غضب ہوگا مٹادی یاد اسکی تم نے گر دل سے
ہوا جو بے نشاں الفت میں یہ اوسکی نشانی ہے

ہوں سب تم سے تو کاروبار عالم چل نہیں سکتا
تن آسانی ہی کیا ضامن مال زندگانی ہے

ہر گھڑی لبریز جام مرگ ہے
درد دل شائد پیام مرگ ہے

جو گیا پیغام لے کر مر رہا
اون کا کوچہ کیا مقام مرگ ہے

اسمیں پھنستے ہی مری جاں پر بنی
گیسوؤں کا دام دام مرگ ہے

ہجر میں ساقی خوش اندام کے
ساغر مے مجھ کو جام مرگ ہے

کام دیتا موت کا کیونکر نہ عشق
دوسرا یہ بھی تو نام مرگ ہے

مرٹے ہم اور انہیں باور نہیں
یعنے ہم پر اتہام مرگ ہے

سن کے شادی مرگ ضامن کو ہوئی
تیرا وعدہ کیا پیام مرگ ہے

مول ہم نے لیا بکھیڑا ہے
بیٹھے بیٹھے کسی کو چھیڑا ہے

دیکھیں اس سیل میں رہے یا جائے
دل میں ارمانوں کا ڈیڑا ہے

جل کے ڈٹ جائیں یار کے در پر
دل پہ رکھ لیں تو پار بیڑا ہے

حادثہ کیا ہے بہر کشتی عمر
موج طوفاں کا اک تھپیڑا ہے

دیکھنے ہی میں عشق ہے آسان
اک زمانہ کا یاں بکھیڑا ہے!

کیا پڑی ہے تجھے ہماری شیخ
کام اپنا بھی کچھ نبیڑا ہے

باب مقصد کرے گا ضامن فتح
جس نے خیبر کا در اکھیڑا ہے

جگہ تھوڑی جو حاصل زیر قصر مہوشاں کر لی
میں سمجھوں گا ریاض خلد میں جا کر مکاں کر لی

چھپا کر محتسب سے کی تھی میں نے بیعت ساقی
جو پوچھا چھیڑ کر کہنا پڑا آخر کو ہاں کر لی

ہمیں منظور خود بینوں پر اظہار تمنا تھا
کہ دل کے ٹکڑے لیکر آئینوں کی اک دکاں کر لی

کریں کیا عرض حال دل کہ آنکھیں چار ہوتے ہی
وہ کہتے ہیں کہو تیار کوئی داستاں کر لی

مرے صبر و تحمل کے ہیں تمغے داغ دل۔ یعنے
سنی جو سخت بات اوس سے وہیں خاطر نشاں کر لی

کیا کام ابر رحمت کا مرے چھالوں نے صحرا میں
دعائیں دیکے ہر کانٹے نے تر سوکھی زباں کر لی

خیال وصل سے ضامن خدا را اب تو باز آؤ
جو کچھ کوشش تھی امکاں میں وہ سب اے مہرباں کر لی

کیا آپ جانتے نہیں کیا ہو تو جانیئے
ہاں سچ ہے دل کسی کا لیا ہو تو جانیئے

نیچی نگاہیں بھی تری بر مارہی ہیں دل
ان تیروں کی سپر جو حیا ہو تو جانیئے

کیا فائدہ فلک پہ ہے گر ناخن ہلال!
عقدہ ہمارے دل کا جو وا ہو تو جانیئے

کھچتے ہو اوس سے آپ جو ہے زندگی سے تنگ
اغیار سے یونہی جو خفا ہو تو جانیئے

آساں نہیں ہے گرم روی راہ عشق میں
دل مثل شمع آبلہ پا ہو تو جانیئے

نخل غم و نہال تمنا جو تھے سو ہیں
یاں کارگر دبور و صبا ہو تو جانیئے

ظلمات اور کوچۂ گیسو کچھ اور ہے
یاں کوئی آکے راہ نما ہو تو جانیئے

کیا ناصح آپ کو مری آشفتگی کی قدر
دل مبتلائے زلف رسا ہو تو جانیئے

گر الفت صنم میں جلا دل جلا کرے
شمع حریم عشق خدا ہو تو جانیئے

اپنے تو کان پھوٹ گئے بلبل کے شور سے
ضامن کی طرح نغمہ سرا ہو تو جانیئے

ہیں اوسکی ادائیں بھی جفائیں بھی نرالی
لو پھر گیا پیار گیا آنکھ چرالی

آنکھوں سے جو اوجھل ہوا وہ چاند سا چہرہ
کھینچا کئے بیٹھے ہوئے تصویر خیالی

اب رہبری دل ہے نہ ہے رہزنی خضر
ہے سب سے الگ ہمنے بھی وہ راہ نکالی

دل تیرہ کئے دیتی ہے زلفوں کی سیاہی
خون آنکھوں سے رلواتی ہے اُن ہونٹوں کی لالی

کر لیتے ہیں خشت خم صہبا ہی پہ سجدہ
ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ اک ہم نے بنالی

اب زینت ظاہر ہوئی پیرایۂ باطن
دیتے ہوئے خوشبو نہیں دیکھے گل قالی

کل لائے وہ تشریف یہ دن حق نے دکھایا
جی کھول کے ہم نے بھی خوشی خوب منالی

کیا حور کو واعظ مرے دلدار سے نسبت
موجود وہ حسی ہے یہ وہ شبہ مثالی

الفت میں تری کور ہوئے دونوں دل و چشم
ق انجام کا اب اپنے ہے اللہ ہی والی

ہے اسکی نظر سود پہ نے اوس کی زباں پر
وہ دیکھنے والا ہے نہ یہ دیکھنے والی

بندش میں نہ ہو جھول نہ الفاظ میں ہو ثقل
ق اسکا بھی رہے دھیان کہ مضمون ہو عالی

تقلید حبیب اور زباں گھر کی ہو ضامن
کیا لطف ہے اوروں کی اگر طرز اڑالی

لاکھ غم عشق میں ہوں سمجھو کہ راحت ہے یہی
شرط الفت ہے یہی پاس محبت ہے یہی

مے جہاں ملتی ہو اے شیخ وہی جنت ہے
کیونکہ جنت میں بھی سرمایۂ عشرت ہے یہی

میں کروں آپ سے شکوہ ستم ناز کا واہ
عین رحمت ہے اگر عشق کی زحمت ہے یہی

بوالہوس چاشنی زخم جگر کیا جانے
پی کے دیکھے تو ذرا مے میں بھی لذت ہے یہی

خیر پیش آئے گا جو شکر کریں گے اوس پر
تیرا انشاء اگر اے شومی قسمت ہے یہی

مجمع عام میں ہے بنت عنب بے پردہ
پوچھیے شیخ سے کیا باعث حرمت ہے یہی

کبھی نااہل کے آگے نہ جھکاؤ سر عجز
عزت آپ اپنی کرو موجب عزت ہے یہی

پھلجھڑی کوئی نہ کوئی کبھی چھوٹیگی ضرور
اور چندے اگر آہوں کی شرارت ہے یہی

آپ میں مجھ میں عدو کا ہو توسط کیا خوب — ہے یہی یکجہتی میل کی صورت ہے یہی!

کیا خبر ہوگی کبھی قدرِ شرافت ضامن
آج کل تھوڑی سی دولت ہو شرافت ہے یہی

غزل

پھر چمن میں بہار آئی ہے
دیکھیں کیا ہو خدا ہی خیر کرے
مستِ الفت ہوں میں گر زاہد
میرے سر میں سمائی ہیں کے خیال
لو قسم مجھ سے پھر اگر مانگوں
حال دل کس طرح کسی سے کہوں
آہ کرنے کی بھی نہیں طاقت
کہیں وہ سنگ آستاں مل جائے
لے کے دل تم جواب کرتے ہو

سر میں وحشت کی پھر سمائی ہے
پھر طبیعت کسی پہ آئی ہے
تیرے سر میں بھی کچھ سمائی ہے
زلف کی بھی عجب رسائی ہے
لے کے دل آنکھ کیوں چرائی ہے
اس نے مجھ کو قسم دلائی ہے
ہائے کب تیری یاد آئی ہے
رات دن شوقِ جبہ سائی ہے
کیا یہی شرطِ آشنائی ہے؟

چھین لیتے ہیں دل وہ ضامن کا
حضرت عشق کی دہائی ہے

غزل

عشق کی دل نے رہنمائی کی
چشم تر کیوں ڈبو دیا دل کو
نارسا بخت مدعی درباں
اس نے بھی تیری چال سیکھی ہے
تو نے بھی آہ کچھ اثر نہ کیا

مجھ سے ظالم نے بیوفائی کی
یہ نہ تھی شرط آشنائی کی
ہائے کیا شکل ہو رسائی کی
پھر گئی جان لب تک آئی کی
تجھ سے امید تھی رسائی کی

اوس سے مل کے بھی حال دل نہ کہا
دیکھے دل مفت میں ہوئے بدنام

کیا گئی بات ہاتھ آئی کی!
داد کیا اچھی آشنائی کی

آہ ضامن کی عرش تک پہنچی
لیکن اوس تک نہ کچھہ رسائی کی

برباد کیے سیکڑوں گھر تیری جفا نے
بیخود تو کیا اوس نگہہ ہوش ربا نے
بیگانہ وشی دیکھہ کے یاروں کی ہے دل پر
درد جگر اپنا نہ گھٹا ہے نہ گھٹے گا
اغیار پھر اغیار ہیں کیا اون کی شکایت
کیوں سنتے وہ ہم غمزدہ عشاق کے حالات
تو نے بھی نہ کی کچھہ مدد اے جذبۂ الفت
محفل میں تیری آتے ہی دل ہوگیا غائب

غمزہ نے تغافل نے اداؤں نے حیا نے
پھیرے گیا دل کون یہ اللہ ہی جانے
کیا ٹھیک کہ ہونگے کبھی بیگانے یگانے
بخشا ہیں آرام دوا نے نہ دعا نے
جب آن پڑی پھیر لیا منہ رفقا نے
دلچسپ نہ قصے نہ ولاویز فسانے
گر ضعف نے واں تک نہ دیا تھا مجھے جانے
لاکر ہمیں چھوڑا ہے کہاں راہ نما نے

ضامن سا پر ارماں بھی نہ دنیا سے کوئی جائے
حسرت جسے بیٹھی ہوئی روتی ہے سرہانے

ہوش آئے ہوئے رنجش تری کھو دیتی ہے
نا امیدی کو ہے اس طرح کی الفت مجھہ سے
اپنی حد سے جو گزر جائے وہ نیکی ہے بدی
مرضی دست عطا جو ہو وہ ہے مانگا پان
مانگنا سہل نتھا سمجھے نہ کہ در کاسہ ہے ظرف

یہ ہوا کشتی امید ڈبو دیتی ہے
کر جدا ہونے کو جب کہیے تو رو دیتی ہے
کھیتیاں کثرت باراں بھی ڈبو دیتی ہے
لے کے خوش ہوتا ہوں قسمت مجھے جو دیتی ہے
اوسکی رحمت سے جو مانگا تھا وہ لو دیتی ہے

یاد رکھو ہے بُری جھوٹ کی عادت ضامن
وقعت انسان کی یہ خلق سے کھو دیتی ہے

قطعہ

کسی کی مہر کا پرتو جو دل کے داغ پہ ہے
گمان شمع تجلی کا اس چراغ پہ ہے

ہرے ہیں داغ دل اشکوں کی آبیاری سے
بہار دیکھیئے کیسی ہمارے باغ پہ ہے

بھری ہے کون سی مے تو نے جام میں ساقی
کہ زاہدوں کا بھی دانت آج اس ایاغ پہ ہے

نزول رحمت حق ہے قدوم فصل بہار
نہ کل تھی باغ پہ رونق جو آج راغ پہ ہے

جفا کا دفتر دل میں ہے داخلہ موجود
مگر شمار ہے مشکل کہ داغ داغ پہ ہے

ہجوم فکر میں فکر سخن ہو کیا ضامن
خموش بیٹھ یہ سب منحصر فراغ پہ ہے

قطعہ

جو دل کو داغ تو لا حوالہ ہو جائے
بہشت کا یہی محضر قبالہ ہو جائے

تم اپنے وعدے کو لو پھیر میرا دل دے دو
معاہدہ کا اسی پر اقالہ ہو جائے

یوہیں فلک ہمیں دیتا رہے جو داغ پہ داغ
بساط قلب و جگر کشت لالہ ہو جائے

سمجھ کے خون جگر ہجر یار میں پی لی
حلال مے ہے اگر استحالہ ہو جائے

ہمارا حال قلم بند گر کرے کوئی
برائے عبرت خلق اک رسالہ ہو جائے

طلسم ٹوٹے جو نیرنگ باغ ہستی کا
سواد دیدۂ دل داغ لالہ ہو جائے

نگاہ مست سے تو دیکھ لے ادھر قاتل
کہ زخم دل مجھے مے کا پیالہ ہو جائے

تسلیوں سے نہ جائیگا درد دل ہمدم
وہ فکر کر کہ مرض کا ازالہ ہو جائے

وصال یار کبھی گر نصیب ہو ضامن
بلائے ہجر کے منہ کا نوالہ ہو جائے

ق

ستمگر نے تو اب کچھ اور ہی طرز ادا بدلی
بڑا دھوکا ہوا پہلے سے کیوں شرط وفا بدلی

ہیں رستے جن کے اعلیٰ وضعداری اونکا جوہر
نہ اک دن بھی فلک نے اپنی رنگاری قبا بدلی

جو ٹھنڈے ہو گئے تھے اب ہیں کچھ گرما دل انکے
ہوا تغیر موسم پھیر زمانہ کی ہوا بدلی

اجازت دی نہ غیرت نے کبھی بیجا تملق کی
پھرا جب اون کا رخ ہم نے زبان مدعا بدلی

نہ ساقی ہے نہ صہبا ہے نہ ساغر ہے نہ مینا ہے
تہیدستان قسمت کو دکھائے لطف کیا بدلی

بنی جان پر وصال شاہد مقصد کی خواہش میں
مگر حالت نہ اب تک میری تو نے اے خدا بدلی

دیا دھوکا یہ ہم نے آپ اپنے نفس کو **ضامن**
لباس خود فروشی سے شرافت کی قبا نکلی

خائف اللہ سے کب اتنا بشر ہوتا ہے
جتنا انسان کو انسان کا ڈر ہوتا ہے

گریہ ہے نخل محبت کی نمو کا باعث
پانی دینے ہی سے سرسبز شجر ہوتا ہے

سہل ہے صاحب جوہر کے مقابل ہونا؟
دن کو نکلے بھی تو بے نور قمر ہوتا ہے

اف ری بالیدگی ذوق وصال دلدار
سینہ میں سانس کا مشکل سے گذر ہوتا ہے

زندگی خلق میں ہے بے مدد غیر محال
ایک کا ایک یہاں دست نگر ہوتا ہے

گھر کریں دل میں اگر نکلی ہوں دل سے **ضامن**
کیا بنائی ہوئی باتوں میں اثر ہوتا ہے؟

ق

پہلو میں دل ہے جبتک اور دل میں آرزو ہے
دنیا کو چھوڑ دیگا ایسا کہاں کا تو ہے

سر جب ذرا اٹھایا موجوں نے ٹھونک ڈالا
دیکھا حباب کو یہ سرکش کی آبرو ہے

کہتے ہیں دل کو صوفی یہ گھر ہے کبریا کا
شائد گناہ ہوگا ڈھاتا جو اسکو تو ہے

نتیج گناہ پر ہیں اعمال تیرے زاہد
اس کے عوض سمجھے گر جنت کی آرزو ہے

ضامن تری وفا کا اک دن صلہ ملیگا
منصف مزاج بھی ہے وہ گرچہ تند خو ہے

| | |
|---|---|
| دل میں ہے ترا دھیان کہ شیشہ میں پری ہے | یا قدرتِ اللہ کی یہ جلوہ گری ہے |
| دردِ جگری ہے کبھی سوزِ جگری ہے | بیمار ترا اب تو چراغِ سحری ہے |
| جو کچھ ہے ہنر ہم میں وہ سب بے ہنری ہے | بس ایک تری ذات معائب سے بری ہے |
| حیرت ہے کہ یہ داغ کہاں پائے اُسنے | جو پارۂ دل ہے وہ عقیقِ شجری ہے |
| معراج ہو دل جائے جو کنجِ اذیت | یاں جس کا سہارا ہے وہ بے بال و پری ہے |
| اک بات میں ٹوٹا ہو دل جوڑ دیا واہ | ناز اُن کو ہے جس پر وہ یہی شیشہ گری ہے |
| ہر چند مرے حال کی رکھتے ہیں خبر وہ | لیکن مجھے تا حال وہی بے خبری ہے |
| اے ابرِ کرم خشک ہے اک شاخِ تمنا | سب خلق کی کھیتی تری رحمت سے ہری ہے |
| عالم کے لئے ہو گی کشش کی کوئی قوت | نالہ جسے کہتے ہیں اثر سے وہ بری ہے |
| اے گل کبھی بے صرفہ نہیں نالۂ بلبل | واں سینہ خراشی ہے تو یاں جامہ دری ہے |
| کیا دفترِ عصیاں مرا مالک ترے آگے | رحمت کی نظر چاہیئے پھر سب نظری ہے |

ضامن اسے کیا روکیں گے یہ پنجۂ مژگاں
اک سیل ہے اشکوں کی جو آنکھوں میں بھری ہے

| | |
|---|---|
| اگر وجود کمر کا کبھی گماں کرتے | یقیں تھا سوئے عدم وہ ہمیں رواں کرتے |
| ہوس کو دو طلب جاہ و منزلت میں دخل | ہیں راہزن کو کہیں میرِ کارواں کرتے؟ |
| رہِ عدم کا مسافر نہ روکنے سے رکا | گئے تھے دوڑ کے ہم بھی کہاں کہاں کرتے |
| مثالِ گردِ پسِ کارواں نہ رہ جاتے | رکابِ توسنِ ہمت اگر گراں کرتے |
| چھپا ہے کب کفِ سیلاب زیرِ چادرِ موج | کہ جوشِ گریہ میں ہم رازِ دل نہاں کرتے |

"خموشی معنی دارد کہ ناید اندر گفت"

کبھی نہ چین ستم پیشہ کو نصیب ہوا
مجال تھی کہ ترا وصف ہم بیاں کرتے

ہمیشہ بار ہے آئینہ پہ امانت عکس
صدا گزرتی ہے زنجیر کو فغاں کرتے

عدم سے آئے تھے ہستی کو پھر چلے ہیں عدم
جو سادہ لوح تھے کیا ان کو رازداں کرتے

کیا نہ چارہ رہائی کا دام غفلت سے
تجھے تلاش اب اور آگے ہم کہاں کرتے

جہاں میں ہوتی اگر امن و عافیت کی امید
رہے شکایت بیداد آسماں کرتے

دہل کا وصف ہے دے جس قدر صدائے بلند
خرید قبر کو ہرگز نہ دے کے جاں کرتے

حریم دل کہ ہے خلوت گہ خیال حبیب
تہی دماغ نہ کیوں خودستائیاں کرتے

ہزار ضبط کیا سوز عشق چھپ نہ سکا!
غضب تھا غیر کو گر اس میں میہماں کرتے

شرار کو تہ خس کس طرح نہاں کرتے

رقیب کو بھی ہیں دعوے بڑے بڑے **ضامن**
مزا تو جب تھا وہ دونوں کا امتحاں کرتے

۱۲/۲/۵

تم سے سوا حسیں کوئی لانا پڑا مجھے
اب عالم مثال میں جانا پڑا مجھے

نظارہ باغ حسن میں تھا صرف دست برد
تم کو حریم دل میں چھپانا پڑا مجھے

جاں کے لئے تھی گرم تقاضا نگاہ یار
آخر کو ہاتھ دل سے اٹھانا پڑا مجھے

عاجز ہے روح کشمکش حسن و عشق سے
قصہ یہ جان دے کے چکانا پڑا مجھے

کیوں اذن دیگا ناز قبول نیاز کا
اے آہ اب دل ان کا دکھانا پڑا مجھے

پھونکے نہ آہ خرمن جمعیت حواس
اے چشم تر یہ شعلہ بجھانا پڑا مجھے

روز سیاہ ہجر میں کھا کھا کے دل پہ داغ
دن دوپہر چراغ جلانا پڑا مجھے

تھا عشق بدگماں کو نہ قاصد پہ اعتبار
مجبور ہو کے آپ ہی جانا پڑا مجھے

جو بار اٹھ سکا نہ زمیں آسمان سے
**ضامن** وہ بار سر پہ اٹھانا پڑا مجھے

درد ہے زخم ہے بلا کیا ہے
دل میں اے چارہ گر ترا کیا ہے

صبر ہے چارہ ساز محرومی
اور اس درد کی دوا کیا ہے

اک اشارہ ہے اونکے ابرو کا
برش دشنہ قضا کیا ہے

بن مژگاں تک اشک آ نہ سکے
دل پر خوں یہ ماجرا کیا ہے

عشق ہے ایک برق عالم سوز
خرمن آرزو بھلا کیا ہے

کوئی آفت کوئی بلا کوئی قہر
عشوہ کیا غمزہ کیا ادا کیا ہے

مستی بخت خفتہ و بیدار
جنبش چشم فتنہ زا کیا ہے

ہے یہ ہوش و خرد کو راہ عدم
نگہ چشم سرمہ سا کیا ہے

تیرے وحشی کی یہ بھی ہے اک درد
اور زنجیر کی صدا کیا ہے

سوز دل ہے زباں پہ صورت شمع
کیا کہوں اور مدعا کیا ہے

بسمل تیغ ناز سے پوچھو
لذت زخم دلکشا کیا ہے

ہم سے اس کو نہ پوچھیے **ضامن**
درد کیسا ہے اور دوا کیا ہے

نہیں نذر دیں کیا کچھ بھی نہیں ہے
پہلو میں دل ہی باقی نہیں ہے

گذرگہ راہ ہے یہ سیدھی نہیں ہے
کریں عشق اب وہ دل بھی نہیں ہے

گواہ محبت کوئی نہیں ہے
تھا اک داغ دل اب وہ بھی نہیں ہے

ستاؤ نہ مجھ کو غیروں کے آگے
غریبوں سے یہ چھیڑ اچھی نہیں ہے

برہم ہوئیں کیوں زلفیں تمھاری
مری آہ ہے یہ آندھی نہیں ہے

قیامت کا ہے طول فرقت کی شب کا
کسی طرح ظالم گھٹتی نہیں ہے

بھلا اس نشاط بیجا سے حاصل
ہوا ہے چمن ہے ساقی نہیں ہے

کروں ترک کیونکر الفت بتوں کی
لگی دل کی ناصح بجھتی نہیں ہے

برے وقت میں سب احباب چھوٹے
جہاں میں کسی کا کوئی نہیں ہے

گیا کیا ہے ضامن باز آؤ اب بھی
محبت بتوں سے اچھی نہیں ہے

تیکھی چتون سے تو شمشیر ہی اچھی تھی مجھے
اس عنایت سے وہ تعذیر ہی اچھی تھی مجھے

ہر قدم پر ہے جنوں خضر بیابان بلا
عشق میں رحمت زنجیر ہی اچھی تھی مجھے

کیا کہوں ایسی حیا کو نہ ملا لطف وصال
آپ سے آپ کی تصویر ہی اچھی تھی مجھے

دیکھ لی نالوں کی تاثیر بھی رسوائی میں
حسرت آہ گلوگیر ہی اچھی تھی مجھے

بامنت بھی لیا درد کا درماں نہ ملا
چارہ فرماؤں کی تقصیر ہی اچھی تھی مجھے

دوستو نالہ شبگیر کی دمساز تو ہے
کیوں رہا کرتے ہو زنجیر ہی اچھی تھی مجھے

کیوں حریف ستم ناز ہے افسوں بنایا
بیرخی بت بے پیر ہی اچھی تھی مجھے

ناز سے مل کے حیا اور غضب ڈھانے لگی
عذر تقصیر سے تقصیر ہی اچھی تھی مجھے

غیر کا ذلہ کش خوان کرم کیوں بنتا
کاسہ گردانی تقدیر ہی اچھی تھی مجھے

حسرت وعدہ وفائی تو نہ رہتی ضامن
جان کے دینے میں تاخیر ہی اچھی تھی مجھے

درد بے درماں سے مرگ ناگہانی خوب ہے
خار بدنامی سے تیغ اصفہانی خوب ہے

وہ حیات خضر کا باعث یہ اک عالم کی جان
آب حیواں سے تو آب آسمانی خوب ہے

ہم کو یہ دور تسلسل دیکھئے پھینکے کہاں
حکمرانی کر چکے پھر گلہ بانی خوب ہے

بحث کرنی چاہتا ہوں سے ہے صداقت کی دلیل
سعی استدلال سے یاں ہمزبانی خوب ہے

پہلے ملنا مل کے پھر تم سے بچھڑنا ہے ستم
وصل یکروزہ سے ہجر جاودانی خوب ہے

نزدباں ہمت عالی ہو گر لا تقنطوا
چھوٹے افسانوں سے واعظ دل بہلتا ہی نہیں
پہلی کوشش میں ہو ناکامی تو کوشش کو نہ چھوڑ

رنج حسرت سے امید کامرانی خوب ہے
تم ہیں مانا قوت معجز بیانی خوب ہے
نقش اول گر برائے نقش ثانی خوب ہے

قوم سے امید عبرت گو نہیں ضامن مگر
دل کے بہلانے کو ذکر پاستانی خوب ہے

غزل

آج ہم بھی طپش دل کا اثر دیکھیں گے
پیش آئے گا جو کچھ نفع و ضرر دیکھیں گے
اب تو ہیں وادی غربت میں گرفتار بلا
ہاں ادھر بھی تو بڑھا دست کرم اے ساقی
قصر دلدار کا اس شوق میں کرتے ہیں طواف
تو سہی نار جہنم کو بجھا دیں واعظ
خوب اے دیدۂ تر تجھ کو دعائیں دینگے
کچھ دنوں اور رہی گر یہی آشفتہ سری
عشق میں حد سے گزر جائیگی جب بیخبری
دل پر سوز کی آہوں سے خطر لازم ہے

ان کا گھر دیکھیں گے یا موت کا گھر دیکھیں گے
نہ ترے در کے سوا غیر کا در دیکھیں گے
پھر دکھائے گا خدا اگر کبھی گھر دیکھیں گے
کیا یونہیں منہ ترا ہم دست نگر دیکھیں گے
نظر آیا نہ ادھر گر تو ادھر دیکھیں گے
آپ اس دامن تر کا بھی اثر دیکھیں گے
آکے احباب کسی دن جو یہ گھر دیکھیں گے
قید یا وادی پر خار و خطر دیکھیں گے
ان کو کیونکر نہیں ہوتی ہے خبر دیکھیں گے
ہے دھواں آج کل آپ ان میں شرر دیکھینگے

ضامن اچھا نہیں انجام محبت لیکن
تیرے نزدیک مناسب ہو تو کر دیکھیں گے

بیٹھے ہیں دل میں حسرت و ارماں بھرے ہوئے
آہنگ ساز دہر کی ملتی ہے لے کہیں

قطرہ میں بحر بحر میں طوفاں بھرے ہوئے
نالوں سے نے ہیں نے سے نیستاں بھرے ہوئے

۱۳۱۴

نظارہ ہو نصیب تو ان پر کریں نثار
ہیں موتیوں سے پنجۂ مژگاں بھرے ہوئے

شکر رضائے حق ہیں ریاضت کا پھل ملا
بیٹھے گل مراد سے داماں بھرے ہوئے

تنگ آگیا ہوں اپنے ستم دوست دل سے میں
کیا کیا جفاکشی کے ہیں ارماں بھرے ہوئے

ویران دل کے داغوں کی گنتی نہ پوچھئے
ذروں سے جسطرح ہوں بیاباں بھرے ہوئے

غواص کیمیا ہے تو عنقا ہے جوہری
مانا کہ موتیوں سے ہیں عماں بھرے ہوئے

ملنے لگا ہے سوزش زخم جگر میں لطف
رکھے ہیں آس پاس نمکداں بھرے ہوئے

یوں شام وصل دل میں ہے ارمانوں کا ہجوم
شادی کے گھر میں جیسے ہوں مہماں بھرے ہوئے

دیتا ہے کس کو بادہ کوثر کی چاٹ شیخ
رندوں کے دل ہیں مرد مسلماں بھرے ہوئے

گو خوف محتسب سے نہ پی ہو کبھی شراب
ضامن کے دل میں بھی ہیں سب ارماں بھرے ہوئے

۱۳۱۵

دیکھئے ہم سے اُسنے جب نت نئی چھیڑ چھاڑ ہے
ہے یہ عجیب دل لگی میل میں بھی بگاڑ ہے

گھیرے سے ہے عرش و فرش کو تیرگی شب فراق
کاٹے کٹے گا کس طرح یہ تو بڑا پہاڑ ہے

یار سے پیار کس لئے غیر سے بیر کیا ضرور
اپنے ہی عنصروں میں جب روز نیا بگاڑ ہے

بیم و رجا و ذوق و شوق یاس نے دل سے کھو دئے
کل جو بھرا پرا تھا شہر آج وہی اجاڑ ہے

ضامن و شیخ پارسا دونوں ہیں بندہ ہوا
جامہ ورع سے مگر دھوکے کی ٹٹی آڑ ہے

گنوا کے دل کو تہیدست تیرے در سے پھرے
گئے تھے گھر سے خبردار بیخبر سے پھرے

یہ انقلاب جہاں کیوں نہ خون رلوائے
ذلیل ہو کے ہنرمند بے ہنر سے پھرے

بڑا ہجوم ہے واں شوق کی نگاہوں سے
کدھر سے جائے کوئی جا کے پھر کدھر سے پھرے

اٹھ آئے بزم سے دیکھی جو بیرخی اون کی
کسی کے خون سے پلٹے کسی کے ڈر سے پھرے

پہنچ ہوئی نہ وہاں تک اسی امید میں ہم
خود اپنے خط کو لئے آپ نامہ بر سے پھرے

دیار عشق کی کہدیں گے دوستو حالات
اگر صحیح و سلامت ہم اس سفر سے پھرے

بہار آئی گئی ہم کو خط ملا نہ کوئی
کہ باغ دہر میں مرغ شکستہ پر سے پھرے

ق
عزیز چھوڑ دیں بھائی سے بھائی چھٹ جائے
پسر پدر کا نہ ہو یا پدر پسر سے پھرے

پھریں رفیق مقدر پھرے جہاں پھر جائے
یہ سب قبول ہے لیکن نہ تو شر سے پھرے

ترے کرم سے ہوں وابستہ جسکی امیدیں
کہاں وہ جائے جو مایوس تیرے در سے پھرے

ترے خیال سے دل میں کہاں تھی گنجائش
وہ آہ بن گئے جو اشک چشم تر سے پھرے

**نظر نہ آیا کسی جا وہ مہر دشمن ضامن**
**اسی خیال میں ہم شام تک سحر سے پھرے**

لٹائے باغباں گل بھی ثمر بھی
رہے آباد گلشن کچھ ادھر بھی

عدو ایمان کی دل کی جگر کی
ادا بھی ہے حیا بھی ہے نظر بھی

جلا کر دل نہ ہو اسدرجہ بیخوف
کہ خاکستر میں پنہاں ہیں شرر بھی

ق
کہاں ہے او طبیب درد فرقت
بری ہوتی ہے غفلت اسقدر بھی

نہیں ملتی ترے بیمار کی نبض
ہراساں دوست بھی ہیں چارہ گر بھی

ق
عبث ہے دعوے ہمتائے غیر
ادھر ہے زور بھی زر بھی ہنر بھی

ادھر ہے ضعف و افلاس جہالت
مخالف ہے سپہر فتنہ گر بھی

کہاں تک داستان پاستانی
ارے غافل جو کرنا ہو وہ کر بھی

پسیجیں دل تو رو دیں بہت کچھ
تری باتوں میں ہو واعظ اثر بھی

گنہگار دل ہی کو رحمت کی ہے آس
جو ڈرتے ہیں وہی ہیں کچھ نڈر بھی

بہت دیکھے ہیں ایسے ناز و انداز
ارے او پردہ والے دیکھ ادھر بھی

نہ چھوٹے ہاتھ سے داماں تسلیم
سہے جاؤ مصیبت بھی ضرر بھی

نہیں آسان ضامن دل لگانا
لگا دیتے ہیں اس بازی میں سر بھی

۱۳۱۶ء

طریق عشق میں کیا رہبر کامل کو ڈھونڈینگے
ہمیں بھی دل گنوانا ہے کسی بیدل کو ڈھونڈینگے

بساط دشت آباد جہاں طے کیجیے کیونکر
نئی راہیں نظر آئیں گی جب منزل کو ڈھونڈینگے

بچو ان سے ہیں آفت تیغ ابرو ناوک مژگاں
خبر لے گی جگر کی یہ اگر وہ دل کو ڈھونڈینگے

دیار عشق میں کیا کام ہے ابلہ فسر یوں کا
ملیں گے لاکھ دیوانے جو اک عاقل کو ڈھونڈینگے

تڑپ کر کہتی ہے برق فنا یہ ہر گھڑی مجھسے
جلا دونگی میں خرمن آپ گر حاصل کو ڈھونڈینگے

امین راز الفت کون ہو سکتا ہے عالم میں
ہمیں نکلیں گے گر اس بار کے حامل کو ڈھونڈینگے

نظر آتا ہے وہ دشت فنا میں کچھ غبار ایسا
چلو اس کارواں میں عمر مستعجل کو ڈھونڈینگے

مقرر ہے کوئی شیرازہ بند دفتر امکاں
پریشاں دل دکھا ئینگے اسی کامل کو ڈھونڈینگے

حباب آسا محیط عشق میں ہے ہست و بود اپنی
غریق بحر غم کیا عیش کے ساحل کو ڈھونڈینگے

دکھا دونگا اثر اک دن انہیں [illegible] محبت کا
مرے پہلو میں آئینگے جو اپنے دل کو ڈھونڈینگے

فنا میں سالک راہ وفا کی ہے بقا مضمر
برنگ موج گرتے پڑتے اس منزل کو ڈھونڈینگے

شہید ناز جنت میں اگر بھیجے گئے ضامن
یقیں ہے پر وہاں بھی کوچۂ قاتل کو ڈھونڈینگے

تیغ براں اور ہے ابروئے قاتل اور ہے
دشمن جاں اور ہے غارت گر دل اور ہے

مرغ بسمل اور ہے بیتاب بسمل اور ہے
نیم جانی اور ہے بیتابی دل اور ہے

کب حقیقت کو مٹا سکتی ہے رسم بے اصول
اور ہے تشئید ایماں وہم باطل اور ہے

۱۹۱۸ء

اک نگاہ ناز کی قیمت کہاں تک دے کوئی
ناگوار اسکی کھٹک اسکی خلش سوہانِ روح
داغ سودا ہے جدا خالِ رُخ روشن جدا
دیکھے دونوں دیکھیں گے اوسکا مذاق انتخاب
خوب کشت آرزو کو دیکھ لے برق نگاہ

لے کے دل کہتے ہیں وہ کچھ میر افاضل اور ہے
اور ہے خار مغیلاں حسرت دل اور ہے
نجم رخشاں اور ہے الفت کا حاصل اور ہے
جنس ایماں اور ہے حسرت بھرا دل اور ہے
یہ نذر ہوجائے گماں انکو کہ حاصل اور ہے

دلگی ہی دلگی میں تیوریاں چڑھنے لگیں
اٹھ چلو اب یاں سے ضامنؔ رنگ محفل اور ہے

۱۹۱۸ء

ترقی درد کی تھے چارہ گر بھی دیکھتے جاتے
کوئی یاں ہے تمہارا ہم سفر بھی دیکھتے جاتے
خزف ریزوں ہی میں ملجاتے لعل بے بہا انکو
خطا سے نکتہ چینوں نے بچایا اونکا احساں ہے
یہ حسرت لیچلے تخم محبت بو کے ہم دل میں
اگر ممکن نہ ہوتا دشت پر خار محبت سے
تمہاری تیغ کا پھل رہگیا ہے ٹوٹ کر دل میں
انہیں سمجھاؤں کیونکر جو مجھے جھوٹا سمجھتے ہیں
رہے شاید نہیں کچھ درمیاں ہتیائی غربت کا
ستم کرتی ہے دیکھیں کیا ادا آنکھوں کی فسونکاری
زباں پر حرف رخصت لا کے دم بھر تو ٹھہرنا تھا
ترے جلوے کے آگے بھول جاتے طور کا جلوہ
شکایت کچھ نہیں برباد کی مٹی جو عاشق کی!
بہت اچھا کیا پھر آسے ضامنؔ راہ الفت سے

مداوا چھوڑتے کیوں گر اثر بھی دیکھتے جاتے
ذرا اے قافلے والو ادھر بھی دیکھتے جاتے
مگر انصاف سے اہل نظر بھی دیکھتے جاتے
ہنر کے دیکھنے والے ہنر بھی دیکھتے جاتے
کہ نخل آرزو کو بار ور بھی دیکھتے جاتے
جو ہم اس راہ میں نفع و ضرر بھی دیکھتے جاتے
مرے باغ وفا کا یہ ثمر بھی دیکھتے جاتے
یہی جلوہ تھا بیشک طور پر بھی دیکھتے جاتے
دم رخصت مرے قلب و جگر بھی دیکھتے جاتے
نظر دل پر بھی ہے اور ہیں جگر بھی دیکھتے جاتے
دھوئیں کے ساتھ آہوں میں شرر بھی دیکھتے جاتے
پلٹتے وقت گر موسیٰ ادھر بھی دیکھتے جاتے
مگر اوج غبار منتشر دیکھتے جاتے
دگرنہ ہر قدم پر یاں خطر بھی دیکھتے جاتے

ہم تو جاتے تھے اٹھا درد جگر بیٹھ گئے
کبھی رونے کو جو ہم تفتہ جگر بیٹھ گئے
دمِ رخصت انہیں پہنچانے کو اٹھے تھے مگر
تیری آنکھوں میں وہ جادو تھا کہ دل تھام کے لوگ
ایسے وقت آئے کہ ہم کر نہ سکے استقبال
صورتِ نقشِ قدم مٹ کے اٹھیں گے اک دن
کرتے کیا اٹھ گیا جب جنسِ ہنر کا بازار
ڈھونڈھنے سے نہ ملا منزلِ مقصد کا پتہ

کیا ہوا در پہ تمہارے ہی اگر بیٹھ گئے
بستیاں ڈوب گئیں سیکڑوں گھر بیٹھ گئے
تھام کر ہاتھوں سے ناچار جگر بیٹھ گئے
کچھ ادہر لوٹ گئے اور کچھ ادہر بیٹھ گئے
جی کڑا کر کے تو اٹھے تھے مگر بیٹھ گئے
اب تو کوچہ میں ترے خاک بسر بیٹھ گئے
توڑ کر پائے ہنر اہل ہنر بیٹھ گئے
تھک کے آخر کو سرِ راہگذر بیٹھ گئے

ہم بھی ضامن ہوئے تھے چشمِ فسونگر کے حریف
قلب پر آکے لگا تیرِ نظر بیٹھ گئے

کیا کام غمزدوں کو ترے سیرِ باغ سے
روشن ہے بزمِ حسن مرے دل کے داغ سے
جو دل لگا چکے ہیں کسی رشک گل کے ساتھ
اب کچھ اوسی طرف سے کشش ہو تو ہو وے
دل میں ہے عشق چشم حسیناں کی یوں نمود
سودا ہوا ہے دل کو حسینوں کی زلف کا
پوچھیں۔ پھر اوس سے حالت حسن و جمال گل
ہرگز نہیں ہے دامن دل میں بہار داغ
ڈھونڈھے ہے کہاں وہ جاکے ملیں کسطرح سے ہم
"ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں"
واعظ جو تم سے کہتا ہے ضامن وہ مان لو

پہلو ہے لالہ زارِ دل داغ داغ سے
زینت ہے بتکدہ کی حرم کے چراغ سے
بدتر ہے باغ اونکی نگاہوں میں راغ سے
مایوس ہو کے بیٹھے ہیں ہم تو سراغ سے
جسطرح چھلکے رنگ مئے ناب ایاغ سے
یہ گھر سیاہ ہو گیا دود چراغ سے
بلبل جو ہو کے آئے ترے خانہ باغ سے
لایا ہوں پھول چن کے محبت کے باغ سے
لاغر ہوئے ہیں ایسے کہ ہیں بے سراغ سے
کیا چپکے چپکے کہتا ہے شیشہ ایاغ سے
جانے دو بحث کرتے ہو کس بد دماغ سے

جو عرش قناعت پہ ہیں عالی نظری سے
سر دے کے بھی راحت نہیں سوز جگری سے
کم کر دیا اشکوں نے مرے شوخ کا غصہ
اے چرخ ہے کیوں درپئے آزار نکالتی
جاتے ہوئے جلتے ہیں پر طائر ادراک
گرمی سے اسی کی ہے ہری کشتِ محبت
ثابت نہ رہا حضرتِ یوسف کا بھی دامن
ہستی جسے کہتے ہیں نمونہ ہے عدم کا
سو بار سیاں کوند چکی برقِ تجلّی
کب روح کو ہے بارِ علائق کا تحمل
کب فائدہ دیتی ہے حقیقت کا بناوٹ

بیدل نہ کبھی ہونگے وہ بے بال پری سے
حاصل ہوا کیا شمع کو اس تاجِ زری سے
یا دھوپ خنک ہو گئی شبنم کی تری سے
چکر ہے ترے سر میں اسی فتنہ گری سے
خارج ہے حقیقت تری فہمِ بشری سے
ہے فائدہ خورشید کا داغِ جگری سے
اے عشق بچا کون تری پردہ دری سے
ثابت یہ ہوا یار کی نازک کمری سے
لیکن ہمیں فرصت ہی نہیں بےخبری سے
مزدور کا کام نہ اس رہگزری سے
پھل کس کو ملا نخلِ عقیقِ شجری سے

ہے الفت ابرو میں تمنا یہی ضامن
سیراب ہوں آبِ دمِ خنجر کی تری سے

حسن کلام خود مرے دعوے پہ دال ہے
مایوس دل نمونۂ دشتِ تمنّا ہے
نا گفتہ بہ کار مرا بال بال ہے
سودائے مال ہے کبھی فکرِ مآل ہے
ہر دم دکھاتا رہتا ہے شکلیں نئی نئی
دھوتی ہے دل سے رند کے مے زنگِ احتمال
زاہد جو پائے رحمتِ حق درمیاں ہوا
جلوت میں دل فریب ہے جو تیرا جمال

طبعِ بلند مطلعِ مہرِ کمال ہے
اس سرزمیں پہ خونِ تمنا حلال ہے
وہ صاحبِ کرم بھی ہے جو ذوالجلال ہے
اس کشمکش سے دل کی رہائی محال ہے
دورِ زمانہ گردشِ چاکِ کلال ہے
جامِ جہاں نما انہیں جامِ سفال ہے
پھر امتیاز آپ میں ہم میں محال ہے
خلوت میں جو انیس ہے تیرا خیال ہے

ہے ہر حسیں کا ایک نہ اک دل میں گھر ضرور
زنداں میں ہے اسیر جو یوسف جمال ہے

مست شراب عشق ہیں صوفی بھی رند بھی
لفظی فقط تفاوت مستی و حال ہے

گرداب مد و جزر محیط امید و بیم
تارِ نگاہِ چشم تصور کا جال ہے

گر ہم نہ ہوں تو کون کرے قدر حسن کی
گرمی عشق غازۂ روئے جمال ہے

پروا ہو کیا کسی کی یہ ہے بزم حسن و عشق
ہر بستہ ریش کشتۂ شمع جمال ہے

موسیٰ نہیں نہ وادی ایمن ہے بزم وصل
پنہاں عبث نقاب میں شمع جمال ہے

منہ پھیر دینگی تازہ حوادث کی آندھیاں
جمنا قدم کا دشتِ ہوس میں محال ہے

نیرنگی طلسم ہے کیفیت وجود!
عالم بساطِ خم کدہ احتمال ہے

ضامن یہ دل تو کیا ہے جو دیدو گے جان بھی
ہوگی نہ ادن کو قدر کہ مفلس کا مال ہے

فنا کے پردے میں ہم کو نظر شکل بقا آئی
حیات جاوداں بن کر محبت میں قضا آئی

کسی کے سامنے کیا ہاتھ پھیلاتے گدا تیرے
ہوس کا تذکرہ سنکر توکل کو حیا آئی!

تمنائی کو تیرے کیا تمنا ہو کسی شے کی
نسیم عشق شمعِ آرزو کو جا کر بجھا آئی!

مٹا نیسے کبھی قسمت کا لکھا مٹ نہیں سکتا
ازل کے دن سے مایوس اثر ہو کر دعا آئی

بہت کچھ علت و معلول کے قصہ نے سر کھینچا
ہر اک پردے میں قدرت اسکی نیرنگی دکھا آئی

خدا جانے گئے کب ذرہ ذرہ کے عدم جا لیکن
شکستِ آرزو کی ان کے کہنے میں صدا آئی

پلا دے اور اک جامِ شراب بیخودی ساقی
کہ پھر کانوں میں سمتِ دل سے آوازِ انا آئی

نہ زنجیرِ غم وحشت بلا ہیں پاؤں کے چکر
ترے وحشی کو جبدم یادِ زلفِ مشکسا آئی

بیان عشق کو پیغامبر کی کچھ نہیں حاجت
نگاہ شوق خود قصہ مرا اونکو سنا آئی

ہنسے کیونکر نہ بیداری مری غفلت پہ اے ضامن
مصیبت خواب میں بھی دیو بن کر بارہا آئی

بے تکلف ہو نہ اے دل آہ سے / راز کہتا ہے کوئی بدخواہ سے
دب کے پھر اُبھری ہے دل کی آرزو / ڈوب کر نکلا ہے یوسف چاہ سے
گر نہ ہو پیکاں تو ہے بیکار تیر / درد کا پہلو نہ چھوٹے آہ سے
سب کو منہ مانگی مرادیں مل گئیں / ہم پھرے خالی تری درگاہ سے
وادیِ ایمن ہے دامانِ خیال / لو لگی ہے ایک رشکِ ماہ سے
صورتِ ظاہر پہ رندوں کی نہ جاؤ / ہیں یہ سب مردانِ حق آگاہ سے
کس کی یاد آئی تھی سمجھانے مجھے / پھیر لائی جو عدم کی راہ سے
نقشِ پا پر مدتوں آنکھیں ملیں / پھول چن لائے کسی کی راہ سے
ساقیا اب خونِ دل بھی ہو چکا / کیا عجب خمیازہ بدلے آہ سے
آج ہے بیتاب آنکھوں میں نگاہ / یہ پھری کس کی تجلی گاہ سے
ہوشیار اے دل چراغِ داغِ عشق / گل نہ ہو جائے ہوائے آہ سے
معتکف ہے میرے دل میں انکی یاد / بت نکالے کس نے بیت اللہ سے؟
شہسواری دیکھنا جائے غبار / حسرتیں اُٹھتی ہیں ان کی راہ سے
ذرہ ذرہ کوچۂ دلدار کا / چشمکیں کرتا ہے مہر و ماہ سے
گھر جفا کا بیٹھ جائے تو سہی / رو کے اٹھتا ہوں تمہاری راہ سے

۱۲۸

یاد میں اک بت کی ضامنؔ روز و شب
لو لگائے بیٹھے ہیں اللہ سے

محشر میں نکلے ان کے خریدار اور بھی / سوداگراں ہوا ہے سر بازار اور بھی!
لیکر جو وعدہ کرتا ہوں اصرار اور بھی / دیتا ہے لطفِ یار کا انکار اور بھی!
دل میں کچھ آرزو نہیں ہے آئے یار اور بھی / اللہ اک نگاہ فسوں کار اور بھی!
تم کو نہیں پسند مرا دل تو پھیر دو! / اس کے جہان میں ہیں خریدار اور بھی

موسیٰ کی طرح ایک ہی جلوہ میں ہوں جو غش
نکلیں گے ایسے طالب دیدار اور بھی

اٹھنے سے مرے بزم میں محشر بپا ہوا
فتنے اٹھائے گی تری رفتار اور بھی

سہ لیتے تھے جفائیں تغافل کو کیا کریں
اس نے تو جان سے کیا بیزار اور بھی

فرصت جنوں میں جیب و گریباں سے ہو چکی
باقی ہے ایک دامن کہسار اور بھی

ہم بھی منانے والے ہیں اس میکدہ کی خیر
ساقی کوئی تو ساغر سرشار اور بھی

جب ہے ترے سکوت میں جادو بھرا ہوا
کیوں دلفریب ہوگی نہ گفتار اور بھی!

نیساں کو ہے بہت گہر افشانیوں پہ ناز
چھینٹا کوئی تو دیدۂ خونبار اور بھی!

ہے بسملوں کی گر یہی گستاخی ہوس
چمکے گی ایک روز وہ تلوار اور بھی

بسمل جگر کو دیکھ کہ دل کیوں ٹھہر گیا
قاتل ادا کی تیغ کا اک وار اور بھی

سودائے زلف میں ہوئے روشن جگر کے داغ
چمکے ستارے پا کے شب تار اور بھی

ضامن اسی طرح جو رہیں بیقراریاں
رسوا کرے گی حسرتِ دیدار اور بھی

بندہ ہوں عشق کا نہ سہی بت خدا سہی
آئینۂ مجاز حقیقت نما سہی

کوئے بتاں سے خلد کی نسبت بجا سہی
بہلے جو دل تو خیر یہی تذکرہ سہی!

کرنی تھی دل کو پہلے ہی آزادیوں کی قدر
چندے اسیرِ حلقۂ زلفِ رسا سہی

آنکھوں کو اتنی مشق تصور نہیں ابھی
دل کلفتِ فراق سے ناآشنا سہی

کیا آشنائے بحر فنا کو غم شکست
ہستی مری حباب محیطِ فنا سہی

ان میں سے ہے کسی نہ کسی پر ہمارا خون
تیر نگاہ گر نہیں تیغ ادا سہی!

رشک مسیح جان کے کہتے تھے حال دل
گر تم گلہ سمجھتے ہو اس کو گلہ سہی

پابند خضر کے نہیں ہم کوئے عشق میں
مطلب ہے راہبر سے دل مبتلا سہی

ملنے سے تمکنت انہیں مانع ہے کیا کریں
دل مائل تلافی جور و جفا سہی

کچھ شیخ شہر سے نہیں کم پیر مے فروش
بیعت سے واسطہ ہے کوئی سلسلہ سہی!

یارب نجات دے خلش انتظار سے
قاصد تو اب نہ آئیگا پیک قضا سہی!

تار نظر ہو رشک رگ ابر آذری
اے حسرت نظارہ یہی سلسلہ سہی!

کھل جائے گا کہ عشق میں ثابت قدم ہے کون
لو امتحان میں نہ سہی دوسرا سہی!

طوفان تند باد حوادث کہاں نہیں
اک دل تھا وہ بھی مورد رنج و بلا سہی

ضامن دل بخیل نہیں عرصۂ خیال
پھر اب کے آزمایش طبع رسا سہی

ترپائے جائے مجھے کوئی ادا سہی
چلمن نہیں تو رخ پہ نقاب حیا سہی

ناکامیاں شرائع توکل کشا سہی
کشتی آرزو کی یہی ناخدا سہی!

اڑ کر ہوائے آہ میں پہنچیں گے انکے پاس
دربان جو روکتے ہیں تو یہ راستہ سہی

لو بیڑیاں پہنتے ہیں اب یاد زلف میں
در پردہ ارتباط کا یہ سلسلہ سہی!

نالوں کے ساتھ ساتھ جگر سنہ کو آگیا
اس پر بھی نارسا ہیں تو ہوں نارسا سہی

دیوانگی ہے ساز سیہ مستی ہوس
موج شراب گر نہیں موج ہوا سہی

خوف خدا کے ساتھ ہے اپنے کیے کی شرم
درمیکدہ کا مثل در توبہ وا سہی!

دل کھلتے کھلتے زلف کے سو رنگ آئیگا
موج خرام ناز ہی زنجیر پا سہی

بدنام ہو گئے کر کے تمنا کا خوں تمہیں
دل میرا کعبہ گر نہ سہی کربلا سہی!

دست سوال جیب قناعت ہی میں ہے
کیا فرق ہے ہوس نہ سہی مدعا سہی

کانوں میں آرہی ہے صدائے شکست دل
مطرب نہ چھیڑ ساز طرب جانفزا سہی

دشوار ہے کہ دل سے بھلا دو دل پیچ زلف
کلک خیال حلیہ نویس بلا سہی!

دل شہر آرزو تھا وہی جب اجڑ گیا
سینہ دنور داغ سے بستاں سرا سہی

اے دل اب اس قدر بھی تحمل نہ چاہیئے
جیسے وہ جاننے لگے اتنی جفا سہی

آئینۂ قدم ہے یہ سرچشمۂ حد و شدا
امید وار ہم بھی ہیں دے کچھ تو اے خدا

ہستی ہماری جلوۂ برق فنا سہی
گر مدعا نہیں دل بے مدعا سہی

کس کو بھلے برے کی پرکھ ہے جسے دکھائیں
ضامن یہ پارہ ہائے جگر بے بہا سہی

۱۳۱۵

یا خدا خیر ہو پھر کوئی بلا آتی ہے
مجھ کو آتی ہے خطا تجھ کو عطا آتی ہے

ڈر ہے محشر نہ بپا کر دے کہیں چال تری
موج رفتار ہے یا سیل فنا آتی ہے

جا نکلتی ہے جدھر گلشن رحمت کی نسیم
عطر سے دامن امید بسا آتی ہے

یار سے کون کہے حال پریشانی دل
کان تک جا کے مگر زلف سنا آتی ہے

ابتدا میں یہ جفا ہے عوض مہر و وفا
دلبری خوب تمہیں نام خدا آتی ہے

مجھ پہ یوں آتی ہیں فرقت میں بلائیں جیسے
کھا کے بل تا بہ کمر زلف رسا آتی ہے

دیکھ کر اشک ندامت مرے جوش آ ہی گیا
جھومتی رحمت باری کی گھٹا آتی ہے

مثل پروانہ رہ عشق میں ہے گرم روی
شمع محفل میں تری آبلہ پا آتی ہے

نور الفت سے نہ کیوں قلب صفا پرور ہو
پرتو مہر سے پتھر میں جلا آتی ہے

حاصل کشت امل پر نہ ہو نازاں ضامن
دیکھ وہ برق شرر بار فنا آتی ہے

فسوں کسی کے نہ آگے تری ادا کے چلے
کلیم بھی ارنی کہہ کے زک اٹھا کے چلے

توان و تاب دل و دیں شکیب و صبر و قرار
تمہاری راہ میں جو کچھ تھا سب گنوا کے چلے

طریق عشق میں ثابت قدم ہمیں نکلے
خضر بھی دور ہی سے راستہ بتا کے چلے

اٹھے جو پاس سے عاشق کا دل بٹھا کے اٹھے
چلے جو ناز سے اک حشر وہ اٹھا کے چلے

ہمیشہ رکھتی ہے نخوت اوسے پریشاں حال
جو بوئے گل کی طرح دوش پر ہوا کے چلے

رہ طلب میں نہ جمنے دیا ہوس نے قدم
چلے تو مست کے مانند ڈگمگا کے چلے

جگا سکے نہ مرے بخت خفتہ کو وہ بھی!
ہزار فتنہ خوابیدہ جو جگا کے چلے

ہمارے دل کو مزار امید سمجھے تھے
کہ داغ ہجر کے پھول اس پہ تم چڑھا کے چلے

نقاب رخ سے ہٹا کر دکھا دیا جادو
چراغ خانہ امید ہیں جلا کے چلے

نگاہ لڑتے ہی دونوں تھے بیخودِ عشق
میں لڑکھڑا کے گرا اور وہ ڈگمگا کے چلے

ہوا ہے صبح شب وصل دل میں غم کا ہجوم
اس اجڑے شہر میں بستی نئی بسا کے چلے

کہاں داغ جو فکر غزل کریں ضامن
یہ عام راہ ہے کب تک کوئی بچا کے چلے

وہ بت سفاک بھی دشمن تھا چرخ پیر بھی
ہے قیامت پر قیامت پھر گئی تقدیر بھی

ایک مرنا رہ گیا ہے ہجر میں سب کر چکے
نالہائے بے اثر بھی آہ بے تاثیر بھی

چھید کر دل کو ہوا آخر جگر کے آر پار
کس بلا کا توڑ رکھتا ہے نظر کا تیر بھی

ق

یاد ہیں وہ دن کہ تھے ہم فخر اقوام و ملل
بخت جب سیدھا تھا بن پڑتی تھی ہر تدبیر بھی

پاس دولت تھی حکومت تھی ہنر تھا علم تھا
تھے نہ ہم ایسے سدا دنیا میں بے توقیر بھی

بوعلی بھی ہم میں تھا طوسی بھی تھا رازی بھی تھا
ہم میں بابر بھی تھا اکبر بھی تھا عالمگیر بھی

پڑ گئے غفلت کے پردے جب سے چشم عقل پر
چھن گئے طبل و علم بھی ہم سے اور شمشیر بھی

رہ گیا کوئی کمال اب ہم میں باقی اور نہ مال
دیکھ کر تدبیر الٹی پھر گئی تقدیر بھی

یہ کشاکش ہے جو نالوں کی نکل جائیگا دم
ایکدن ہو جائیگا سیدھا یہ چرخ پیر بھی

اے نسیم گلشن اخلاق کیا کہنا ترا
تو جو چھو جائے مہک اٹھے گل تصویر بھی

عشق کہتے ہیں جسے کس دل میں گھر اسکا نہیں
پھنس گیا آفت میں آخر ضامن دلگیر بھی

سنجیدگی ذرا سی طبیعت میں چاہیئے !  
اغراق کم شکایت قسمت میں چاہیئے

تقدیر جانتی ہے کہ ہے کتنا کس کا ظرف  
کچھ حوصلہ بھی طالب دولت میں چاہیئے

ردّ و قبول اپنا ہے کب قابلِ شُمار  
تطبیق خواہش اور مشیّت میں چاہیئے

معلوم ہے کہ چاہیں گے جو ہم نہ ہوگا وہ  
پھر کیوں یہ بیم و وسوسہ نیت میں چاہیئے

ہر حال میں ضرور ہے اُس کی عطا کا شکر  
ہمت بلند کنج قناعت میں چاہیئے

دل میں نہاں ہے دولت آسائش دوام  
ہر دم زیادتی اسی دولت میں چاہیئے

دل ہی سے آدمی ہے غنی بھی فقیر بھی  
قابو اسی پہ عُسرت و ثروت میں چاہیئے

قارون کے ہم خیال ہیں جو لوگ خلق میں  
کچھ اعتدال ان کی دنائت میں چاہیئے

لیکن ہے جن کے پیش نظر عزمن قنع  
تقلید ان کی عزم و حمیت میں چاہیئے

"باشد بقدر ہمتِ تو اعتبار تو"  
بے غیرتی نہ کسب معیشت میں چاہیئے

کافی ہے گر جہاں میں رہ جائے نام نیک  
کیوں فکر ترک مال وصیت میں چاہیئے

ہے لازوال خلق میں اک دولت کمال  
ہونا حریص کسب لیاقت میں چاہیئے

ضامن کمال سے نہیں بڑھ کر ہے کوئی مال  
یہ اصل چیز قبضہ قدرت میں چاہیئے

یکرنگیوں کا لطف محبت میں چاہیئے  
ضد اتنی مہرباں نہ طبیعت میں چاہیئے

زاہد ریاکار ننگ کچھ اچھا نہیں کھلا  
ایک اور داغ جامۂ عصمت میں چاہیئے

لیتے تو ہو وہ دل کہ جو ہے گنج آرزو  
سعی بلیغ حفظ امانت میں چاہیئے

کیا ڈر ہے جائے امن نہیں گر سرائے دہر  
مسکن ترے حصار عنایت میں چاہیئے

باقی رہے ذرہ نہ ہوس نشا تین کی  
دل چور نشہ مئے الفت میں چاہیئے

کیا لطف ہے رفیق ہوئے گر جناب خضر  
مجنوں سا دوست وادی وحشت میں چاہیئے

خون جگر سے لکھیں گے ہم آج ان کو خط  
یہ رنگ شاعروں کی عبارت میں چاہیئے

هرگز نہ داغ ہجر دکھانا ابھی انہیں !
ایدل یہ آفتاب قیامت ہیں چاہیئے

کلک خیال دوست کی تصویر کھینچ دے
مونس کوئی تو عالم غربت میں چاہیئے

دنیا اسی کا نام ہے اے شیخ کیوں نہ ہو
زنجیر حرص پائے قناعت میں چاہیئے

ضامن ہوس کو عشق سے نسبت نہ دیجیے
تفریق کچھ مجاز و حقیقت میں چاہیئے

[illegible]

آئینہ بن گیا جس وقت یہ صورت دیکھی
تم نے میرے دل مشتاق کی حالت دیکھی

نظر غور سے دنیا کی جو حالت دیکھی
ہم نے برپا ہیں ہر روز قیامت دیکھی !

آئے اور آکے پھرے در کر شرارت دیکھی
کیوں نہ ہو وعدہ کے سچے ہیں صداقت دیکھی

میں برا ہوں نہیں اچھے سہی جانے دو کر
مگر اور دل کی بھی ہے مینے طبیعت دیکھی

قاصد آیا وہ چلے گھر سے سواری نکلی !
آج تاثیر تری جذب محبت دیکھی

عمر عاشق سے زیادہ کبھی ہوتی ہی نہیں
دیکھی تیری بھی درازی شب فرقت دیکھی

ہجر کے ڈر سے کریں ترک محبت کیا خوب
اور دیکھیں گے جہاں اتنی مصیبت دیکھی

غیر کے مال پہ واعظ یہ سخاوت کیسی
پی چکے بادۂ کوثر تری نیت دیکھی

خاک چھانی بہت اس دار عنا کی ضامن
کنج عزلت ہی میں کچھ کچھ امنیت دیکھی

[illegible]

دو روزہ عمر میں کیوں فکر اتنی ایدل ہے
خوشی نہیں نہ سہی خیر غم تو حاصل ہے

غم فراق نہ جائے گا جان سے جبتک
خط مماس نفس مجھہ کو خط فاصل ہے

سنو بدی مری تم مدعی سے ٹھیک نہیں
برا ہی ہیں مگر اس کا قول باطل ہے

سنا ہے قتل کریں گے اسیر زلف کو وہ
اگر یہ سچ ہے تو پھر کیا۔ مراد حاصل ہے

بھروسہ جس کو ہے اہل جہاں پہ اوسکی امید
خجل نہ کر مجھے ناصح بہت ملامت سے

اسیر حلقۂ دام خیال باطل ہے!
کسی پہ آہی گیا گر تو کیا ہوا دل ہے

ہم اوس کے خوان کرم کے ہیں ریزہ چیں ضامن
ہر اک فقیر و غنی جس کے در کا سائل ہے

سوئے دل تہدید عرض مدعا الٹی پھری
آکے لب تک زیب عصمت سے صدا الٹی پھری

جاکے پھر باب اجابت تک دعا الٹی پھری
تھی کمند جذبۂ دل نارسا الٹی پھری

کشمکش بیم و رجا کی مرنے بھی دیتی نہیں
آرزو کے حلق پر تیغ ادا الٹی پھری

آکے در تک کیوں پلٹتے وہ گر قسمت مری
جاتے جاتے ڈر کے فرقت کی بلا الٹی پھری

ناز کا پہرہ تھا اون کے دل پہ کیا ہوتا گزر
مفت کی خفت ہوئی آہ رسا الٹی پھری

پھر دل ناداں ہے گرداب ہوس کا آشنا
لے خبر کشتی مری اے ناخدا الٹی پھری

سخت جانی ہی کو اپنی کیوں نہ دیں الزام ہم
یہ کہیں کس طرح سے تیغ ادا الٹی پھری!

میری آہ سرد نے باندھی جو داغوں کی ہوا
ہو کے رخصت موسم گل سے صبا الٹی پھری

شور مستی عشوہ کو چونکائے گا سمجھے تھے ہم
تھی حیا آنکھوں میں شوخی ادا الٹی پھری

گرد دشت نارسائی تھی ہوائے وصل یار
دیکے بوسہ سنگ در کو بارہا الٹی پھری

ہنستے ہنستے رک گئے وہ مرتے مرتے میں بچا
گرتے گرتے رہ گئی برق بلا الٹی پھری

کس میں یہ قدرت ہے صید عشق پر ڈالے جو ہاتھ
آکے بالیں تک مری اکثر قضا الٹی پھری!

گلشن ہستی کی رونق اپنے دم کیساتھ ہے
کچھ نہیں پھر یک نفس گریہ ہوا الٹی پھری

بزم میں بے مانگے ملتا کس طرح ساغر بھلا
دخت رز مجھ کو سمجھ کر پارسا الٹی پھری

ساز یکرنگی نہیں غماز شکست مدعا
گنبد خالی ہی میں اپنی صدا الٹی پھری

جاکے دیکھا تم نہ تھے واں اک مسیحا اور تھے
چرخ چارم سے مری آہ رسا الٹی پھری

بس کرو ضامن نہیں ہرگز غزل کی یہ زمیں
تم کہو آخر کہے گا کوئی کیا الٹی پھری!

١٣١٩

آج پھر تقریب وصل یار ہو کر رہ گئی ‌ ‌ بیخودی مہر لب اظہار ہو کر رہ گئی

توڑ کر دل گر نکل جاتی نظر پھر کچھ نہ تھا ‌ ‌ پر خلش یہ ہے کہ آدھی پار ہو کر رہ گئی

یاد رخ میں خون رونا چاہیے اے چشم تر ‌ ‌ لعل برسانا تھا گو ہر بار ہو کر رہ گئی

آنیوالی تھی قیامت مل گئے تم راہ میں ‌ ‌ بس وہ محو شوخی رفتار ہو کر رہ گئی

چھوڑ کر جاتی کہاں بیماری الفت مجھے ‌ ‌ چارہ کچھ ممکن نہ تھا ناچار ہو کر رہ گئی

چل دیے بن کر غبار اونکے جلو میں عقل و ہوش ‌ ‌ بیکسی نقش سم رہوار ہو کر رہ گئی

حسرت نظارہ نکلی بھی اگر اشکوں کے ساتھ ‌ ‌ پھر اسی سلک گہر میں تار ہو کر رہ گئی

کیوں نہ پہلے ہی کیا عشق و ہوس میں تمنے فرق ‌ ‌ چار دن کی گرمی بازار ہو کر رہ گئی

سامنے جب آئے وہ تاب شعاع حسن سے ‌ ‌ چشم حیران روزن دیوار ہو کر رہ گئی!

خانہ دل کیا عمارت تھی جو غم کے ہاتھ سے ‌ ‌ دیکھتے ہی دیکھتے مسمار ہو کر رہ گئی

تم کو ضامن اس قدر کیوں فکر ہے ادغام کی
طرح تھی تدبیر وصل یار ہو کر رہ گئی!

١٣١٩

بے چین تن میں جاں ہے بیتاب بر میں جی ہے ‌ ‌ گزری بہار لیکن جوش جنوں وہی ہے

ابرو پہ بل پڑے ہیں تلوار آپ ہوئی ہے ‌ ‌ اے مرنیوالو دیکھو کیا بانکا ادبچی ہے

جو مجھ کو مانگتا ہے وہ تجھ سے مانگتا ہوں ‌ ‌ ہو گر کوئی دنی ہے ہو گر کوئی سخی ہے

داغ جنوں درم ہیں موتی یہ اشک غم ہیں ‌ ‌ یاں عشق کی بدولت کس چیز کی کمی ہے

چہرہ ہے لال دیکھو زلفوں کا حال دیکھو ‌ ‌ اب میں نہ کچھ کہونگا کیوں اتنی برہمی ہے

کچھ بے نیازیاں ہیں کچھ حیلہ سازیاں ہیں ‌ ‌ دنیا میں رسم الفت کہنے کو رہ گئی ہے

گیسو نہ ہونگے سیدھے دکھنے لگیں گے شانے ‌ ‌ کیا نکلے گی یہ میری تقدیر کی کجی ہے

بیداغ گو نہیں ہے میرا نگینۂ دل ‌ ‌ دیکھو تو مہر اس پر کس کی کھدی ہوئی ہے

ایمان کا ہے ڈر بھی اور جان کا خطر بھی ‌ ‌ چلنا سنبھل کے ضامن یہ راہ عشق کی ہے

تیزی تیغ نگہ کا امتحاں گردش میں ہے
پھرتی ہے چشم فسونگر یا فساں گردش میں ہے

امتحان حسن ترکیب بیاں گردش میں ہے
خامہ مانی کی صورت پھر زباں گردش میں ہے

دل نے خود بھٹکایا امیدوں کو دشت آز میں
رہنما کی رہزنی سے کارواں گردش میں ہے

بزم میں ہے جرعہ ریز عشوہ چشم مست یار
خیر بادا کشتی میخوارگاں گردش میں ہے

جب سہی جب ساتھ لیکر کوہ و صحرا کو پھرے دل
آسماں کا اور میرا امتحاں گردش میں ہے

کوچہ گردی سے میں خود نالاں ہوں ناصح کیا کروں
اندنوں میرا ستارہ مہرباں گردش میں ہے

حال کیسا رقص صوفی ہے دلیل بیخودی
بادہ الفت سے ہو کر سرگراں گردش میں ہے

عشق ٹھہرا جب سے دل میں بیقراری بڑھ گئی
کیا تماشا ہے مکیں ساکن مکاں گردش میں ہے

کس کو دوران فلک نے چین سے رہنے دیا
اس ہنڈولے میں ہے جو وہ بے گماں گردش میں ہے

یوں ہی کیا کم تھی برش تیغ نگاہ ناز کی
آسماں کیوں صورت سنگ فساں گردش میں ہے

وہ گدا ہوں جانتا ہوں آپکو سلطان وقت
سر پہ جب تک چتر نیلی پرنیاں گردش میں ہے

آرزو کے پیچھے پیچھے دوڑی تھی جو دشت آز میں
ہمت اب مثل غبار کارواں گردش میں ہے

سنہ ١٣١٥

کوچہ الفت کہاں وہ بت کہاں ضامن کہاں
یہ بھی وحشت ہو کے دل کا ہمعناں گردش میں ہے

یوں لے کے جو پھرتی ہے یہ گھر گھر خبر اوسکی
ہمراز ہوئی کب سے نسیم سحر اوس کی؟

الزام مری برہمی دل کا ہے تجھ پر!
برہم ہوئی اے باد صبا زلف اگر اوسکی

بیتابی فرقت کا تقاضا ہے کہ مر جاؤں
ہے میری قضا تابع فرماں مگر اوس کی

بیتاب دل اک سمت ہے مضطر جگر اک سمت
کب تک میں خبر لوں ادھر اسکی ادھر اوسکی

ہیں سخت بہت ہوش مرونگا وہ کرے وار
محتاج فساں بھی تو ہے تیغ نظر اوس کی

دل لے لیا اچھا کیا تھا در پئے آزار
بھولونگا یہ نیکی نہ کبھی عمر بھر اوس کی

آنا ہو تو آئے جو نہ آنا ہو تو کہہ دے
ہر روز کی یہ کل ہے قیامت گر اوسکی

سنہ ١٣١٥

فرزانگی عشق ہے دیوانگی شوق ! ہم آپ سے کھوئے گئے پا کر خبر اوسکی

ضامن ہو کر تم دوست ہیں دونوں مرے یکساں
بدنام ہوں کہہ کر ادھر اس کی اُدھر اوسکی

آنکھوں ہی آنکھوں میں ضامن عہد وپیماں ہوگئے
اک نظر پر بندۂ بیدام جاناں ہوگئے

جو ترے خوان کرم پر آکے مہماں ہوگئے
میزبان خلق بننے کے وہ شایاں ہوگئے

ان کا اک گوہر تو ہوتا زینت تاج اثر
کیا ہوا گر دیدہ تر ابر نیساں ہوگئے

بیخودی میں یاد رہتا خاک درس آرزو
کچھ ورق تھے جو کہ نذر طاق نسیاں ہوگئے

دامن قاتل پہ لایا رنگ خون بے گناہ
ایسے گل پھولے دہان زخم خنداں ہوگئے

آہ کے ہمراہ سنہ کو لخت دل آنے لگے
بوئے گل کیسا تھ برگ گل پریشاں ہوگئے

رشتہ الفت ہی کو کہتے نہ ہوں حبل الورید
رابطے جب تو میان جان و جاناں ہوگئے

رات دن رہتا ہو جو دل میں وہ کیا چھپتا مگر
حائل اپنے پردہ ہائے چشم حیراں ہوگئے

عشق گیسو نے کیا بند علائق سے رہا
قید کے اسباب آزادی کے ساماں ہوگئے

جن کا وادی فنا میں عشق تھا خضر طریق
نقش پا اون کے چراغ راہ عرفاں ہوگئے

اب صدا بھی ہو نہیں سکتی بلند اللہ رے ضعیف
نالے کھنچ کھنچ کے مرے تار گریباں ہوگئے

یہ بنا جس روز سے داغ جنونکی جلوہ گاہ
دل کے ہر گوشہ میں پیدا سو گلستاں ہوگئے

داغ کیسے پہلے زنگ آلود تھا مرآۃ دل
عشق نے کر دی جلا جوہر نمایاں ہوگئے

جان کر جو کچھ کیا تھا اوسپہ شرماتے وہ کیوں
کہہ کے اپنا درد دل ہم خود پشیماں ہوگئے

ذوق گلچینی باغ حسن کم ہوتا نہیں
صرف دامان نظر تار رگ جاں ہوگئے

جو نکلنے پائے تھے تسکیں انہیں سے کچھ ہوئی
رہ گئے جو نالے دل میں درد پنہاں ہوگئے

ضامن اتنا بھی نہ رونا چاہیے بے اختیار
گھر کے گھر سیل سرشک غم سے ویراں ہوگئے

جب قضا نے جان لے لی عاشق بیمار کی
آبرو پھر کیا رہی قاتل تری تلوار کی

دھوم سرہنگو نہیں ہے چشم بت عیار کی
وار رہے لاکھوں پر ان ترکوں نے جب تلوار کی

حالت دل دیکھ کے ہر لال پیکانکی زباں
اسنے کیا دیکھا کہ باچھیں کھل گئیں سوفار کی

کشمکش میں غم کی نکلے حرف مطلب منہ سے کیا
آگئی ہے دل میں بھی تنگی دہان یار کی

اف ری وحشت ساعی صحرا نوردی ضعف ہے
لے اڑیں مجھ کو ہوائیں [illegible] کہسار کی

ہر روش پر فتنے اٹھتے ہیں پئے تعظیم یار
حشر لیتا ہے بلائیں موجہ رفتار کی!

جوش وحشت پھر ہوا ہے آج ہمدم چھیڑ دے
یاد ہوں چبھتی ہوئی باتیں اگر کچھ یار کی

پرتو داغ جگر ہے جلوہ جوش بہار
ایک مرجھائی کلی ہے جنت اس گلزار کی!

جزر و مد عشق کا ہے نام ہستی و عدم
موت بھی اک موج ہے اس قلزم زخار کی

عشق کر دیتا نہ گر داغ جنوں سے دل پہ مہر
غیر ممکن تھا کہ ہو تنقیح اس طومار کی

حسن ہر صورت میں برق خرمن نظارہ ہے
لن ترانی ہے صدا ہر طالب دیدار کی!

روک لیں آنسو نہیں دست مژہ میں سکت
آبرو ملتی ہے مٹی میں در شہوار کی

دفتر راز محبت تھا جو دل پھونکا اسے
قہر کرتی ہے شرارت آہ آتشبار کی!

ٹوٹ جائیگا یہ دیکھو یوں نہ تم مجھ سے کھنچو
کچا دھاگا ہے حقیقت کیا نفس کے تار کی

اس قدر ٹکرایا سر زنداں میں رخنے پڑ گئے
میری وحشت دیکھ کر آنکھیں کھلیں دیوار کی

بس کرو ضامن نہ ہو جائے غزل طول امل
نغز گوئی چاہیئے حاجت نہیں طومار کی

خدا تو کہہ نہیں سکتے خدا کی شان عالی ہے
گر اپنی جگہ وہ بت مثال بے مثالی ہے

خدا جانے کہ وہ آتے ہیں یا موت آنیوالی ہے
مریض عشق کے چہرہ پر اسدم کچھ بحالی ہے

خدا رکھے محبت کو کہیں داغ ایسے ہوتے ہیں
نہیں یہ دل طبق ہے لعل کا پھولونکی ڈالی ہے

دیے سب کام چھوڑ اب دل فروشی پیشہ کرتے ہیں
ترے دربار میں آنے کی یہ صورت نکالی ہے

فقط اک گوشۂ دامن کا طالب ہے غبار اپنا
خدا آباد رکھے تیرے میخانہ کو اے ساقی!
اٹھایا فتنۂ قامت نے سر جس دم خجل ہو گی
یہ مہر و ماہ ہیں وہ دن ہستی کے داغ گردوں پر
بجائے خاکساری خاک بیزی کا نتیجہ کیا!
عدم میں نکتہ رس کیوں جا کے مضموں کر ڈھونڈیں
جفا الفت تغافل ترک اب ہم راز داں ٹھہرے

نہ ذوق سرفرازی ہے نہ تاب پائمالی ہے
بھرے ہیں سب کے دل لیکن مرا پیمانہ خالی ہے
جہاں تو ہے وہاں پھر کیوں قیامت آنے والی ہے
سوئے پستی کہیں جھکتے ہیں جن کی طبع عالی ہے
یہ ہستی صورتِ نقشِ قدم مٹ جانے والی ہے
سخن کوتاہ کر دیں بس یہی نازک خیالی ہے
ستمگر نے ستم کی یہ نئی صورت نکالی ہے

نہ پوچھو حال ہم سے ضامن آزادہ مشرب کا
نہ مومن ہے نہ کافر ایک رند لاابالی ہے

الفت یار شمع رو نہ گئی
چشم زر رو نیسے نہ بار آئی
ارنی کہہ کے ہیں خجل موسیٰ
رہ گیا نام نیک ناموں کا
ساتھ دل کا نہ داغ نے چھوڑا
دل و مژگاں میں چھیڑ ہوتی رہی
گو ہوئے لاکھ بار جلوہ فروش
بن گیا روزِ عیش شامِ الم!

۱۳۲۲ھ

دل سے جلنے کی آرزو نہ گئی!
شورش موج آبجو نہ گئی
پیش کچھ اوس کے رد بدو نہ گئی
مٹ کے بھی ان گلوں سے بو نہ گئی
جام سے بیعت سبو نہ گئی!
خلش خار آرزو نہ گئی
لن ترانی کی گفتگو نہ گئی
دل سے پر مہرِ ماہ رو نہ گئی

گو زمانہ بدل گیا ضامن
تم میں جو تھی مگر وہ خو نہ گئی

جتنے آنسو ڈبڈبا کر چشم تر میں رہ گئے
آبلے بن کر وہ سب پائے نظر میں رہ گئے

دل میں اب کیا ہے بجز حرمان و یاس و درد و غم
خانماں برباد کچھ اس اجڑے گھر میں رہ گئے

نور کے چشمہ میں مُو ڈھلنے سے تا کب جرم ذات
چند دھبے پھر بھی داماں قمر میں رہ گئے

پہنچے منزل پر وہی تھی جن کی ہمت زادِ راہ
رہ گئے پیچھے جو ساماں سفر میں رہ گئے

بخشوائیں گے مجھے کیا میرے اشکِ انفعال
چشمِ تر سے نکلے اور داماں تر میں رہ گئے

عمر بھر کی جانفشانی کا یہ نکلا ماحصل
دل میں کچھ داغ اور سودے چند سر میں رہ گئے

گرچہ بندش صاف ہے مطلب مگر کھلتا نہیں
عقدے کچھ پیچیدہ مضمون کمر میں رہ گئے

دل تو مدت سے نہیں پہلو میں ہاں دل کی جگہ
تھے کچھ ارماں جہد کے جو تیر نظر میں رہ گئے

پھونک دینگے خرمن یاس اکدن بن کر شرر
میرے دو آنسو بھی گر جیب اثر میں رہ گئے

عیش سے پائندہ ہے کلفت کہ آثار خزاں
داغ سودا بن کے لالے کے جگر میں رہ گئے

ضامن اب غربت میں دیکھا کیجئے راحت کے خواب
عیش کے اسباب جو کچھ تھے وہ گھر میں رہ گئے

جو جاں نثار کشتۂ شمشیر ناز ہے!
خاک اوس کی سرمۂ نظر امتیاز ہے

اپنی فروتنی پہ مجھے آپ ناز ہے
اوس کا نیاز مند ہوں جو بے نیاز ہے

افسانہ کل وہ بات ہے جو آج راز ہے
باہم زبان و دل میں کہاں ساز باز ہے

کیا میرے دل کی قدر ہو ظاہر پرست کو
اس شیشہ میں بھری ہوئی صہبائے راز ہے

کیوں بہر سجدہ خشت خم آسماں وہ لے
ساقی کے در پہ جس کی جبین نیاز ہے

اس صیدگاہ میں نہیں آزادیوں کا لطف
دامِ ہوس بساطِ جہاں پر دراز ہے

دل سے یوہیں وجود بشر کو شرف ملا
ممتاز جیسے کعبہ سے ارض حجاز ہے

رکھ آنکھ بند کر کے قدم راہ عشق میں
یاں کا نشیب چرخ نہم کا فراز ہے

ہمت کلید ہے پے قفل در مراد
دیکھو توسعی کرکے خدا کارساز ہے

ایسا بڑہا کہ سلسلۂ آرزوئے وصل
شب ہائے ہجر سے بھی زیادہ دراز ہے

پوچھو نہ کچھ کشاکش امید و بیم سے
بڑھ کر اٹھائے گوشۂ داماں ناز میں
کیونکر اٹھاؤں سر رہ عجز و نیاز سے

تار نفس میں دل گرہ نیم باز ہے
اشک چکیدہ گوہر عجز و نیاز ہے
نقش قدم ترا مجھے مہر نماز ہے

پایا اوسے بھی ہم نے تو اک بندۂ ہوس
ضامن کو سنتے تھے کہ بڑا پاکباز ہے

نالے کہیں کرتی ہے جو زنجیر کسی کی
بجلی سے نہ جھپکیں گی کبھی حضرت موسی
شرمانے لگا آب بقا عمر خضر سے
پیوند شب ہجر ہوا روز قیامت!
زنداں سے چھٹا چشم غزالاں میں کیا گھر
ہیں عشق کے الجھاؤ مرے تار نفس تک
کرتا ہے کوئی چھیڑ سر بزم کسی سے
زخموں سے اٹھے آگ کے شعلے عوض خوں
ہر حرف میں اک خون جگر کی سی جھلک ہے
دوری سے چڑھی چشم تصور پہ وہ عینک

دل کھائی ہے کیوں زلف گرہ گیر کسیکی
دیکھی ہے مری آنکھوں نے تنویر کسی کی
کھلنے جو لگی زلف گرہ گیر کسی کی
اور بن چکی زلف گرہ گیر کسی کی
صحرا میں بھی ہمراہ ہے زنجیر کسی کی!
اس ڈورے ہی کو کاٹ دے شمشیر کسیکی
تجویز ہوئی آج یہ تقصیر کسی کی
آتش تھی کہ آب دم شمشیر کسی کی
دیکھے کوئی رنگینی تحریر کسی کی!
ہر ذرہ میں پائی گئی تصویر کسی کی

ناکامیوں کا رنج ہی کیا چلتی ہے ضامن
تقدیر کے آگے کہیں تدبیر کسی کی!

نہ سکوں ہے نہ تحمل نہ شکیبائی ہے
ہیں کہاں وہ جنہیں دعوائے مسیحائی ہے

دل ہے پہلو میں تو رسوائی سی رسوائی ہے
آئیں اب چاہنے والے کی قضا آئی ہے

١٢٣

خبر موسم گل باد صبا لائی ہے !
ہیں کہاں رند چلیں فصل بہار آئی ہے

خوف عصیاں کا نہیں مل کے پئیں چل واعظ
آج میخانہ پہ رحمت کی گھٹا چھائی ہے

پھر جنوں سلسلہ جنباں ہے پھر آئی ہے بہار
پاؤں کو پھر ہوس بادیہ پیمائی ہے

ہم تہیدستوں کا ساغر تو نہیں ہے ساقی
واژگوں کس لئے پھر گنبد مینائی ہے

جس کا نظارہ نہیں چشم خرد سے ممکن !
ایک عالم اوسی جلوہ کا تماشائی ہے

کون دیکھے گا میسر بھی ہو گر تیرا جمال
طاقت دید نہ یارا ئے شکیبائی ہے

لوگ کیا جان کے دل اُسپہ فدا کرتے ہیں
کس کے قابو کا بھلا وہ بت ہرجائی ہے

سادگی پہ یہ لگاوٹ ہے قیامت ڈھاتی
ہائے ظالم نے کہاں سے یہ ادا پائی ہے

ناتوانی کا بھلا ہو کہ تن زار مرا
خار دامان گل گلشن رعنائی ہے

شوق گلچینی گلزار جمال اور یہ دل
اس کے دامن نے تو وسعت یہ نہیں پائی ہے

میرے آئینۂ دل کو بھی کبھی دیکھا ہے !
یا زبانی ہی فقط دعوے یکتائی ہے

دیکھئے اوس کا جوانی میں ہو کیسا عالم !
بچپنے میں جبسے یہ ذوق خود آرائی ہے

برق جمعیت ہستی نہ ہو یہ گرمی حسن !
ایک عالم ترا نادیدہ تمنائی ہے

کون اس راہ سے گزرا ہے جو انیک یارب
دیدۂ نقش قدم چشم تماشائی ہے

اپنے ضامن کو نہ محروم رکھ اے پیر مغاں
یہ پُرانا ترے میخانہ کا صہبائی ہے

١٢٤

ساقی بس اک نگاہ کریمانہ چاہیئے
چھک جائے بزم جس سے وہ پیمانہ چاہیئے

کچھ ہو خیالِ زلف میں بہلا ہوا تو ہے
اک سلسلہ پئے دل دیوانہ چاہیئے

دے طاعت خدا نہ زاہد خودی کو دخل
یاں ہر قدم پہ لغزش مستانہ چاہیئے

میرا ہی دل ہے عشق کی دولت کیواسطے
گنج نہفتہ کے لئے ویرانہ چاہیئے

اے دل شعار بوالہوسی ننگ عشق ہے
کچھ تو خیال وضع شریفانہ چاہیئے

کہتی ہیں میری طبع سے نازک خیالیاں
زلف عروس نظم کو یہ شانہ چاہیے

نقش قدم پر اون کے گھسوں کیونکر میں جبیں
واماندگی کا سجدۂ شکرانہ چاہیے

اے بوالہوس پڑی نہیں ملتی متاع عشق
دل بہر نذر جاں سے پئے بیعانہ چاہیے

عاشق کا دل ہے جلوہ گہ نور معرفت
بہر فروغ شمع سیہ خانہ چاہیے

پتلی کے ساتھ آنکھ میں پھرتی ہے تیری شکل
ایسے صنم کو ایسا ہی بت خانہ چاہیے

ہر کام میں شریک ہے توفیق کارساز
عزم صمیم و ہمت مردانہ چاہیے

ناصح کے قدرداں نہیں دیوانگان عشق
ان کا شریک حال بھی دیوانہ چاہیے

اے شمع تیرے تاج زری کی ہو خاک قدر
اس میں بجائے گل پہ پروانہ چاہیے

ضامن کو بزم وعظ میں کیوں لے چلا ہے شیخ
اس کو تو کوئی محفل رندانہ چاہیے

ایضاً

ہو اگر ایک تمنا تو تمنا کہیے !
دل میں ہنگامہ جو برپا ہے اسے کیا کہیے

ہیں آگاہ ہیں اوس حال سے جس حال میں ہیں
بیخودی کہیے جنوں کہیے کہ سودا کہیے

گرد صحرا ہے تو ہم ہے سحاب امید
قطرہ مل جائے جو پیاسے کو تو دریا کہیے

نسخۂ دہر ہے مجموعۂ اسباب و علل
سخت حیرت ہے کہ تقدیر کو پھر کیا کہیے

عمر کو دیجیے کیوں برق کی چشمک سے مثال
چشمک برق کو اک عمر کا عرصہ کہیے

کام جس لمحہ میں انجام ہو کوئی اوس کو
حاصل زندگی خضر و مسیحا کہیے

گر حیات ابدی صرف ہو بیکاری میں
تو اوسے ماحصل مرگ مفاجا کہیے

یہی قدرت کا ہے منشا یہی انسان کا ہے فرض
سوچیے سیکھیے یا کیجیے کچھ یا کہیے

لطف پاتے ہیں خموشی ہی میں اب تو ضامن
سننے والا نہ ہو جب کوئی تو پھر کیا کہیے

ہر چند نہ تھا دل کو اب ذوقِ غزل خوانی
ہوتا نہیں حسرت کا کم ذوق پر افشانی
کیونکر کھلیں ظالم کے انداز ستم رانی
پروانہ کا دل کس نے بخشا تھا زلیخا کو
اسباب فراغت ہے بے بال و پری اپنی
کیا خوانِ کرم تیرا کافی نہ نہیں ہو گا
کچھ بھید ہے یوں تم کو دل غیر جو دیتے ہیں
کیوں چھپتے ہو عاشق سے کیا دیکھینگی وہ آنکھیں
محرومِ فراغت وہ کیوں ہونے لگے جن کو
ٹھنڈک نہ ہوئی جی کو آبِ دمِ خنجر سے
آئینہ ہے محو اون میں وہ محو خود آرائی
لیں سینہ تلاشی وہ دل ہی نہیں پہلو میں
کیا غیر کی تھی ہستی اپنی ہی خطا ہو گی
داماں ہوس کیا ہو کافی تری رحمت کو
اب اپنی بھی حالت پر افسوس نہیں ہوتا

۱۲۲۱

پر سلسلہ جنباں ہے پھر مشفق سوہانی
منت کش مرہم ہے کیوں زخمِ پشیمانی
آب دمِ خنجر میں دیکھی نہیں طغیانی
کس شمع کا پرتو تھا حسن مہ کنعانی؟
جمعیت خاطر کو کیوں کہیے پریشانی
ممکن ہے سلیماں کی جب مور سے مہمانی
پہلے تو نہ تھی ایسی اس جنس کی ارزانی
خود آئینہ ساں جو ہیں سر چشمہ حیرانی
تقلیل تمنا ہے راحت کی فراوانی
خمیازہ ساحل تھا پیمانہ طغیانی!
ہے کون جو دیکھیگا یا رب مری حیرانی
کیا لوٹ میں جائیگا غیر از غم پنہانی
بے وجہ نہیں کرنا یوں دیو سلیمانی
کب حوصلہ ساحل ہے درخورِ طغیانی
یا شاق بہت دل کو تھی گھر ہی کی ویرانی

اوس در کا گدا ہوں میں جس در پہ سدا ضامن
کرتے ہیں جبیں سائی رومی ہوں کہ یونانی

آئینہ حسن ازل کا ہے ترا نام مجھے
بوئے گل بھی ہوس ہم نفسی رکھتی ہے
تھا کبھی ہم قدم حوصلہ و ہمت و عزم
ہیں تو شکوہ بھی نہ لاؤں کبھی لب تک لیکن

۱۲۲۲

نظر آغاز میں آنے لگا انجام مجھے!
کیا آشفتہ سری نے مری بدنام مجھے!
اب تو ہے یاد تمنا کا فقط نام مجھے!
کام نکلے جو ترا رکھنے سے ناکام مجھے

داغ فرقت نہ ہوا مہر قیامت نہ سہی
کر دیا عشق نے خورشید لب بام مجھے

کرتا رہتا ہوں ہواداری عنقائے امید
بھیج دے کاش کوئی بوسہ بہ پیغام مجھے

شکوہ تھی عرض نیاز اور تحمل ہے غرور
آخرش کچھ تو دیا چاہیں وہ الزام مجھے

بیخودی بڑھ گئی حد سے ہے خودی اب درکار
ساقیا دے مئے پندار کا اک جام مجھے

ہوں گرفتار بلا اڑ کے کہاں جاؤں گا
نظر آتے ہیں ہوائیں قفس و دام مجھے

ایک دھوکا ہے فقط جلوۂ نیرنگ مراد
یعنے امید پہ کرنا ہے ہر اک کام مجھے

میری تقدیر میں ہے گوشۂ عزلت ضامن
خلق کی گرمی ہنگامہ سے کیا کام مجھے

برات عشرت جاوید پائی حب حیدر سے
مرے ساغر کی موجیں جا ملیں امواج کوثر سے

مقابل کر کے دیکھیں گے قبائے ناز دلبر سے
کوئی ٹکڑا اگر ہاتھ آ گیا دامان محشر سے

یہ جوہر ہیں کہ بدنامی کے دھبے ہیں قبا قاتل
کسی کا خون آخر پھوٹ نکلا تیرے خنجر سے

تم آؤ تو سر میدان ہم اس جینے سے باز آئے
لڑیں نظروں سے نظریں تیغ چمکے ابروؤں سے

مبارک عاشقوں کو نو بہار مرگ ناکامی
ہوئی چھریوں کی بارش پھر نگاہ عشوہ پرور سے

خطا کیا ہے خضر کی پردہ پڑ جائے جو آنکھوں پہ
ابا کرتا ہے آب زندگانی خود سکندر سے

محبت میں ہر اک [illegible] یہ کہتا ہے
قدم یاری نہ دیں اس راہ میں گر تو چلو سر سے

کہاں تک خود فروشی اے مئے نخوت کے متوالو
دھلیں گے داغ رسوائی نہ موج آب گوہر سے

نہیں کم قطرۂ بے دست و پا سے دست و پا مارو
قیامت ہو گی اونچا ہو گیا پانی اگر سر سے

حقیقت مہر روشن سے فریب رنگ کیوں کھائیں
وہ کانٹے جھانکتے ہیں زیر دامان گل تر سے

مبارک شام غم جو شوق کے شعلوں کو بھڑکائے
ہمارے داغ دل کرتے ہیں چشمک چشم اختر سے

بس اب کھینچیں گے خون دل سے گلزار تمنا کو
ترے وعدوں کے بادل گھر کے جب آئے نہ برسے

وعید قتل امید کرم سے جاں فزا تر ہے
کسی صورت سے جھنکار تو ہو ضامن خنجر سے

ورتِ حال اور کچھ رمزِ نہاں کچھ اور ہے
اون کے سکوت محض پر اب تو گماں کچھ اور ہے

ھو نہ آب زندگی آب دم حسام کو
عربدہ جو نگاہ کا لطف عیاں کچھ اور ہے

تی شہر سے ابھی لینی ہے بیعت سبو
میکدہ خلوص میں پیر مغاں کچھ اور ہے؟

ش خود فروش کو کیجئے نذر بیخودی
کیف شراب اور ہے مستی جاں کچھ اور ہے

رگ نیاز کو زخمۂ ناز چاہیئے
پردۂ ساز شوق میں حسن فغاں کچھ اور ہے

ظ جاں ہے خصم جاں موت کفیل زندگی
گلہ کو ہے گماں کچھ اور فکر شباں کچھ اور ہے

ں بے پناہ ہے گنبد بے در فلک
یاں سے کہیں نکل چلو راہ اماں کچھ اور ہے

ن تکلفات میں چھپ گیا حسنِ سادگی
اہل جہاں کچھ اور ہیں وضع جہاں کچھ اور ہے

یتِ چشم عشوہ کار سرمۂ طور ہے تو ہو
جنس دکان اعتبار جان جہاں کچھ اور ہے

رہ در رنگ ہر جذبۂ شوقِ بے محل
چشم سراغ جو ہے اور قلب طپاں کچھ اور ہے

۱۳۳ھ

ضامن حق نوا کہاں واعظ خود ستا کہاں
اس کی زباں کچھ اور ہے اوسکا بیاں کچھ اور ہے

ہ مستی میں بھی اتنا تامل پیشہ ہے
راوق معنی گداز جوہر اندیشہ ہے

ہ اعراض عکس شوخی اندیشہ ہے
ورنہ گلزار تحیر بے رگ و بے ریشہ ہے

راہ حریت ہے کام جوئی کی ہوس
پائے ہمت کے لئے عرض تمنا تیشہ ہے

یں تیرے غضب ہر اے سپہر حیلہ کار
گھر ہو رہا ہوں کا وہ جو ضیغموں کا بیشہ ہے

ا نگاہِ وفا سے ہٹ نہیں سکتے قدم
جان جائے جان جانے کا اگر اندیشہ ہے

بابی کا ثمر دے کیوں نہ شاخ اعتبار
ریشہ حسنِ عمل اس نخل کا ہر ریشہ ہے

۱۳۴ھ

ضامن اک آزادہ رو ہے قاضی و مفتی نہیں
مشرب و ملت ہی رندی عشقبازی پیشہ ہے

۱۳۲۲ھ

خود داریوں کا بھی مجھے اب ہوش نہیں ہے
غفلت کدہ ہے شوق کی آغوش نہیں ہے

دستار جو واعظ کی ابھی تک ہے سلامت
میخانہ میں کیا ایک بھی مے نوش نہیں ہے

اے دل رہے انجام حبابوں کا نظر میں!
موج شکن زلف ہے آغوش نہیں ہے

اک موج تبسم تو ہو مزدِ نفس سرد
غنچہ بھی کسی کا لبِ خاموش نہیں ہے

دریا ہے وہی راہ طلب میں جو رواں ہو
گو ہر میں بھی ہے آب مگر جوش نہیں ہے

صورت کدۂ وہم ہے آئینۂ ہستی
تمثالِ حقیقت سے ہم آغوش نہیں ہے

کوثر کے عبث دیتا ہے چھینٹے اسے واعظ
ضامن ابھی ہشیار ہے بیہوش نہیں ہے

۱۳۲۲ھ

مسیح جائے مرے درد کی دوا نہ کرے
جو کام ہو نہ سکے اس کا ادعا نہ کرے

ستم شعار ستم میں کمی ذرا نہ کرے
لگائے قلب پہ چھریاں مضائقہ نکرے

کہیں گے ہم قدر انداز اوسی کو جسکا تیر
بلا ارادہ بھی چل جائے تو خطا نہ کرے!

وہ بو رہے ہیں محبت کی راہ میں کانٹے
کرے مگر کبھی ایسے سر راستا نہ کرے

بھلا برا تو وہ کرتا ہے لیکن انساں سے
بھلا کسی کا نہ گر ہو سکے برا نہ کرے

خضر کی راہبری پوچھئے سکندر سے
جو خود غرض ہو کبھی اوسکو رہنما نہ کرے

یہ زنگ غم نہیں جوہر دل کے رہنے دو
اس آئینہ پہ کوئی صیقلی جلا نہ کرے

نہ آئے بحر میں طوفاں نہ جوش دریا میں
بہ لطف اگر گرہ قطرہ موج وا نہ کرے

شکستہ حالی گل کہہ رہی ہے رازِ دروں
فغانِ بلبل شیدا پہ اعتنا نہ کرے

جمال دوست ہے آئینۂ معارجِ شوق
حکیم وہن دل حیرت آشنا نہ کرے

بھی بھی پھرے سیل فنا ہے بہر نیر
جو ذرہ تھا کہ کا آغوش شوق وا نہ کرے

دو نیم کر دیا ضامن کے قلب محزوں کو
پھر اوس پہ حکم یہ ہے شکوۂ جفا نہ کرے

حصۂ غزلیات ختم شد

# مسمّطات

(۱)

## مخمس اول بر اشعار حکیم مومن خاں دہلوی

پھر ہے زوروں پہ درد پنہانی
بحر غم پھر ہوا ہے طوفانی
کیوں نہ ہو وجہہ اشک افشانی
یاد ایام عشرت فانی
نہ وہ ہم ہیں نہ وہ تن آسانی

رشک جنت پہ جس مکان کو تھا
کیا یہی وہ کھنڈر ہے وا ویلا
ہے مقدر ہی میں جو ویرانہ
جائیں وحشت میں کیوں سوئے صحرا
کم نہیں اپنے گھر کی ویرانی

سچ ہے گذری ہے ایک سی کس کی
ہے تنزل کبھی عروج کبھی
تھی نصیبوں میں خانہ بربادی
خاک میں رشک آسماں سے ملی
ہائے کیسی بلند ایوانی

کیا کریں کھا کے اب غم کم و کیف
نہ قلم ہاتھ میں ہے اور نہ سیف
نہ لباس شتا نہ لقمۂ صیف
کر دیا گردش سپہر نے حیف
برج خاکی سپہر کیوانی

کیا دھرا ہے جو آکے لیجائے
خانہ بینوا میں کیا پائے
کون ناحق کی ٹھوکریں کھائے
ایسی وحشت سرا میں کون آئے
بیدری کر رہی ہے دربانی

کہیں ٹوٹے ہیں در کہیں روکار
ہیں چھتوں میں شکست کے آثار
ہر طرف سنگ و خشت ہیں انبار
کیا ہوئی وہ بلندی دیوار
کیا ہوئے وہ عماد طولانی

صلح سے ہے زمانہ بر سرِ جنگ　　دیدنی ہیں سپہر کے نیرنگ
کل وہ تھا اور آج ہے یہ رنگ　　جائے گل ہیں چمن میں ریزہ سنگ
کاہ کرتی ہے نازِ ریحانی

نہیں معلوم کیا فلک کو ہے بیر　　حالت اپنی ہے اس کے ہاتھوں غیر
چھوڑ کے شہر کبھی نہ کرتا سیر　　اٹھ گئے حوض و نہر چشمہ بغیر
ایک قطرہ کہیں نہیں پانی

ہیں تباہی کے ہر طرف ساماں　　آئے دن کا ہے قحط آفتِ جاں
جانور جاں بلب بشر نالاں　　نہ ملا کچھ نشانِ آبِ رواں
خاک سارے جہاں کی چھانی

درد سے بیقرار سب بے درماں　　زندگی کھا کے ہوتی ہے غم نہاں
سر چھپانے کو جھونپڑا نہیں یاں　　سقف رنگین و زرنگار کہاں
جز سپہر و نجوم نورانی!

دل پژمردہ خاک ہو بشاش　　ہم نہ ہوتے جہان میں اے کاش
جو گئے ہے عبث اب اونکی تلاش　　شورِ زاغ و زغن سے سمع خراش
اب کہاں بلبل و غزل خوانی

کتنی دلبند تھیں وہ تصویریں　　نقش بر آب تھیں وہ تصویریں
اے خدا کیا ہوئیں وہ تصویریں　　نظر آتی نہیں وہ تصویریں
نقش دیوار کیوں نہ ہو مانی

فرش مخمل کہاں جو تھا پہلے　　نہ وہ مسند ہے اب نہ وہ تکیے
تھے جو سامان عیش کے نہ رہے　　صرف دلق گدا ہوے پردے
زینت افزائے کاخِ سلطانی

بے محل اب ہے ذکر زینت کا　　تھا وہ دولت کا جو نچلا سارا
بس ہے ضامن جو بوریا ہو پھٹا　　آپ کاشانہ فرش خاک ہوا

کیسے قالیچہ ہائے کاشانی

# مخمس بر غزل حضرت غفراں مکاں آصفجاہ سادس رح

ہر ایک بات ہے دلچسپ دلربا اون کی
کبھی نہ بھولے گی تا حشر وہ ادا اون کی
ہر اک روش ہے قیامت کی فتنہ زا اونکی
سوال وصل پہ نیچی نظر تھی کیا اون کی
ہماری آنکھہ میں پھرتی ہے وہ حیا اونکی

اگرچہ رنج و محن میں کٹی سدا اون کی
ہوئے شہید کہ تقدیر تھی رسا اون کی
زبان خلق پہ رہجائے گی وفا اون کی
مرے جو عشق میں عاشق وہ تھی قضا اونکی
یہ آپ کہدیں کرے مغفرت خدا اونکی

میں ہوں کہ اف بھی نہ کی لاکھہ درد و رنج سہے
میں سُرمہ سمجھوں جو خاک قدم بھی ہاتھہ لگے
وہ ہیں کہ حال دل زار بھی نہیں سنتے
یہ اون کا قول ہے میری بلا ملے تجھہ سے
بلائیں اوس کی بھی لوں گر ملے بلا اونکی

نہ اون سے ملنے کی خواہش نہ غم ہی ہجر کا اب
بڑا غضب ہے جو ہوں یار یاب بزم طرب
اگر ہے کچھہ تو اسی بات کا ہے رنج و تعب
عدو بھی وصل کے طالب ہیں خیر ہو یارب
دعا قبول ہماری ہو یا دعا اون کی

کمند زلف رسا کاکلیں ہیں دام بلا
ہے رخ وہ شمع جسے دیکھہ کر ہوں غش موسیٰ
رسیلی آنکھیں ہیں جادو نگاہ تیر قضا
ستم ہے غمزہ بلا ناز ہے غضب ہے حیا
اور اوسپہ ڈھاتی ہے آفت ہر اک ادا اونکی

جو نقش پا سے محیط جہاں کو کم جانیں
نہ کیوں نثار کرے خلق دمبدم جانیں
ہوا کو تیرا وہ کس طرح ہمقدم جانیں
چلے یہ چال قیامت کی بھی تو ہم جانیں
بہت اڑاتی ہے اٹکھیلیاں صبا اونکی

وہ بوالہوس ہیں سمجھتے ہیں ناز کو جو عذاب
ہمیں ہیں دونوں غنیمت خطاب ہو کہ عتاب
ہیں یادگار یہ راز و نیاز عہد شباب
نہ اس کا مثل جہاں میں کہیں نہ اوسکا جواب

وفا وفا سے ہماری جفا جفا اون کی

وہ جن کے عشق میں شہرہ ہے چارسو میرا
وہ جن کے واسطے پانی ہوا لہو میرا
وہ جن سے نام ہے بدنام کو بکو میرا
اوسی کی مانیں خوشی سے جو ہو عدو میرا

غرض ہی کیا انہیں میری سُنی بلا اونکی

ادا کسی کی خدا جانے کیا دکھائے گی!
حیا کسی نہ کسی سر پہ قہر ڈھائے گی
قیامت آے گی اک روز اور آئے گی
کبھی وہ شوخی رفتار رنگ لائے گی

کرے گی خون مرا ایک دن حنا اونکی

ہوا ہے صورت مجنوں کہیں کوئی ناشاد
کسی نے پھوڑ کے سر جان دی بنا فرہاد
وہاں پہ اڑتی ہے اب خاک گھر جو تھے آباد
ہزاروں حُسن کی شہرت سے ہو گئے برباد

بندھی ہوئی ہے زمانہ میں کیا ہوا اونکی

ہے عیں لطف ستم عاشقوں کی جانوں پر
ہر ایک کرتا ہے ناز اپنے قدر دانوں پر
کوئی کہے تو کہے زور کیا زبانوں پر
خدا کے سامنے رکھونگا ہاتھ کانوں پر

برائی میں انہیں سننے کا برملا اون کی

سمجھ کے کہتے تھے پہلے ہی سے یہ ہم اے دل
کہ رکھ نہ راہ محبت میں تو قدم اے دل
اٹھے گا کس کے اٹھائے یہ کوہِ غم اے دل
وہ ابتدا ہی میں کرنے لگے ستم اے دل

اب آگے آگے قیامت ہے انتہا اونکی

نصیب مجھ کو الہی انہیں کی صحبت ہو!
کہ جن کی چال سے ہر گام پر قیامت ہو
ہو لاگ جن کی غضب اور لگاؤ آفت ہو
نیا ہو ناز ہر اک ناز میں نزاکت ہو

ادا ادا سے ادا ہو ادا اون کی

جو پیش آئے محبت کی راہ میں لے دل
کر اوس پہ صبر کہ ہے جد و جہد لاحاصل
پر اے دل پہ چلا ہے کسی کا بس غافل
ہر ایک بات پہ اتنا نہ تو مچل اے دل

ستم میں تیرے اٹھاؤں گا یا جفا اونکی

[خ]وش اسے دل ناداں سکھاتیں تا کے
[...]غائیں کرنے وے کرتے ہیں وہ جو پے درپے
مقدرات کو بھی میٹ سکتی ہے کوئی شے
ازل کے روز سے اک لاگ حسن و عشق میں ہے

نہ ہے قصور ہمارا نہ ہے خطا اونکی

[و]ہ جذب عشق ہی کیا دل پہ جو اثر نہ کرے
[گ]واہی دیتی ہے حالت ہی خود بغیر کہے
بلائے سے جو نہ آتے تھے بے طلب آئے
شب وصال میں جو ہاتھ آئی تھی اُسنے

سنک گئی ہے ہر اک جائے سر قبا اُنکی

[...]ڑے ہیں کھا کے نمک بچپنے سے اسکے بڑے
[...]ہے ہر ایک سے ضامن بھی مفتخر ہو کے
اب آرزو ہے کہ وہ دن خدا نصیب کرے
ملے تھے آج تو ہم بھی جناب آصف سے

عجیب رنگ میں ہر پیچ چھٹنے ہو گیا اُنکی

## [م]خمس ترجیع بند جو جشن جوبلی حضرت غفراں مکاں آصفجاہ سادس رح کے موقع پر
## منجانب اطفال مڈل اسکول محبوب نگر پڑھا گیا

پھرتی ہے باد صبا اترائی
باغ پہ تازہ رونق چھائی
مژدۂ فصل گل ہے لائی
کرتی ہے بلبل نغمہ سرائی

جوبلی آئی جوبلی آئی

مدت سے تھی جس کی تمنا
شاہ آصف جاہ ہمارا
آج خدا نے دن وہ دکھایا
جشن چہل سالہ ہے مناتا

جوبلی آئی جوبلی آئی

شاہ دکن محبوب علی خاں
آپ کے ہم پہ ہیں کیا کیا احساں
آصف ذیشاں رستم دوراں
کم ہے کریں گر جان بھی قرباں

جوبلی آئی جوبلی آئی

تو نے جو گھر گھر در سے کھولے
ہم نے علم کے موتی رولے
طائر شوق نے جب پر تولے
بلبل نطق چہک کر بولے

جوبلی آئی جوبلی آئی

آؤ لڑکو خوشی منائیں
جشن کا دن ہے دھوم مچائیں
جس کا کھائیں اوس کا گائیں!
شاہ کو دیں سب مل کے دعائیں

جوبلی آئی جوبلی آئی

یارب شاہ کی عمر و دولت
روز افزوں رہے تا بہ قیامت
سر پہ ہو سایہ رب العزت
روز یوہیں ہوں جشن مسرت

جوبلی آئی جوبلی آئی

## ترکیب بند

## جو وفد انجمن الفرض علیگڈھ کی آمد پر ایک خاص جلسہ میں پڑھا گیا

یاد ہیں وہ دن کہ تھا باغ تمنا ہرا
گلشن اسلام میں دخل خزاں کا نہ تھا
دولت و اقبال میں حشمت و اجلال میں
کوئی ہمارا نہ تھا ہمسر و ہم مرتبہ
فتح و ظفر تھے قریب راہ نما تھا نصیب
پھر گئے قوموں کے رخ ہم نے جدھر رخ کیا
ابر ترقی تھا یا کوکبہ احمدی
دیکھتے ہی دیکھتے چار طرف چھا گیا
کردیا قوموں کو ایک ہوگئی بد ساری نیک
شرع کی تعلیم نے رنجشیاں دیں سب مٹا
دین مبیں نے کئے ایک سیاہ و سفید
شامی و رومی کا فرق ہم میں نہ باقی رہا
یاوری بخت سے ہاتھ لگا تاج و تخت
پیروی عقل سے مل گئی راہ ہدا
خاک نشینی پہ تھے مہر سپہر عروج
نقش قدم جن کے ہیں زینہ بام علا
خادم و مخدوم کا فرق نہ تھا قوم میں
سامنے اسلام کے ایک تھے شاہ و گدا
شمع طریق عمل سنت بیضا ہوئی
رسم اخوت بنی حبل متین ولا

شانِ اخوت سے تھی شان سب اسلام کی
یکجہتی پہ بنا ہوتی تھی ہر کام کی

جب سے کہ بدلا یہ رنگ اور ہی عالم ہوا
بادِ سموم نفاق چلنے لگی ہر طرف
گھٹ گئیں غمخواریاں بڑھ گئیں عیاریاں
سلسلہ اتحاد قوم کا شیرازہ تھا
شیعہ و سُنّی کی جنگ۔ فارس و ترکی کی جنگ
ناصح مشفق کا نام ہجو میں آنے لگا
کوششِ رفع نفاق گذری دلوں پہ گراں
نیچریوں کا گروہ قابل لعنت بنا
نوحہ مرگ پدر نغمہ عشرت فزا
عقل پہ پتھر پڑے ہو گئی الٹی سمجھ

تھا جو نہال مراد وہ شجر غم ہوا
کینہ و بغض وحسد ذائقہ سم ہوا
جاتی رہیں یاریاں جوش [illegible] کم ہوا
ٹوٹتے ہی جس کے سب دفتر برہم ہوا
تا بہ ابد تفرقہ ہم میں مسلم ہوا
جس نے کہی نیک بات مستحق ذم ہوا
بار جہالت سے قد حلقہ خاتم ہوا
چارہ گری کا صلہ قہر جہنم ہوا
اور ترقی کا راگ نوحہ ماتم ہوا
ہر ادب آموز قوم جہل مجسم ہوا

خواری و ذلت کو بھی سمجھے کہ اقبال ہے
اپنی تباہی کی جڑ زشتیِ اعمال ہے

بادۂ عشرت کجا خون جگر تک نہیں
بستر سنجاب ہے ہم کو ہی فرش خاک
جہل۔ تعصب۔ نفاق۔ بے ہنری۔ کاہلی
لٹ گیا شہر کمال کھد گیا قصر جلال
صولت جد و پدر دولت فضل و ہنر
شان وہ اسلاف کی حال یہ اخلاف کا
بے خبری یہ نہیں بے پدری جانیے
یاد ہوں کیا وہ پدر مل گئے جو خاک میں
سب بے غمی مرگ قوم ہے مرض الموت قوم

اپنی خرابی کا آہ دل پہ اثر تک نہیں
خواب میں ہیں مست گو بالش سر تک نہیں
گھر میں گھس آئے ہیں چور پہ ہمکو خبر تک نہیں
ہو گئی برباد قوم رہنے کو گھر تک نہیں
غیر دل پہ ہے سب ہدر راہ سفر تک نہیں
گدیہ گری کے سوا شغل بسر تک نہیں
ہیں یہ پسر ہونہار یاد پدر تک نہیں
ان کا تو یہ حال ہے فکر پسر تک نہیں
شام کو بیچ بھی گئی گر۔ تو سحر تک نہیں

سلطنت دنیوی ملک کسی کی نہ تھی ! — پر یہ غضب کیا ہوا علم و ہنر تک نہیں

کھول کے آنکھیں ذرا پھر خدا دیکھیے !
تھے ابھی کل آپ کیا آج ہیں کیا دیکھیے

اب بھی گیا کیا ہے ہو باہم اگر اتفاق — چھوڑیے یہ خوئے زشت خوب نہیں ہے نفاق
سارے مسلماں ہیں ایک یاد رہے یہ اصول — قہر ہے اندھیر ہے ان میں ہو گر افتراق
بحث نہ اس سے کرو کس کا وطن ہے کہاں — ہند ہو یا ہو دکن شام ہو یا ہو عراق
ایک عمارت کے ہیں چھوٹے بڑے سب ستون — جن سے ہوا قصر دیں رو کش نیلی رواق
کچھ بھی تزلزل ہوا ان میں سے کوئی اگر — جان لو مسمار ہیں یہ در و بام و اطاق
اب بھی جو مل کر باہم لیجیئے ہمت سے کام — نکبت و ادبار یہ سارے ہوں بالائے طاق
تیرگی جہل سے پائیں مسلماں نجات — نیّر اسلام سے دور ہو دَور محاق
پھر ہو وہی عظم و شان پھر ہو وہی آن بان — پھر ہو وہی دبدبہ پھر ہو وہی طمطراق
اس کے لئے ہے مگر اتنی ضرورت ضرور — عرض کروں باادب ہو نہ اگر دل پہ شاق
گرم نوائی میں آپ کہئیے گا مجھ کو معاف — آگ ہے دل میں لگی خون میں ہے احتراق

چھوڑیے ناٹک کا شوق علم و ہنر سیکھیے
تجربہ کسب زر خرچ کے زر سیکھیے

سوانگ نیا لائے ہیں چند مہذب جواں — ان کی طرف دیکھیے یہ بھی ہیں ذی خانداں
شہری و ملکی نہیں ہیں یہ غریب الدیار — رنج سفر جھیل کر آئے علیگڈھ سے یاں
گو کہ نہیں ہیں گدا مانگتے لیکن ہیں بھیک — جاکٹ و پتلوں پہ ڈالے ہوئے جھولیاں
ٹھیک نہ معلوم ہو آپ کو گر انکا حال — ان کی حقیقت مجھے کرنی پڑے گی عیاں
باغ ہے کل ہند میں ایک مسلمانوں کا — جس کا تھا اک پیر مرد پہلے کا بھی باغباں
باغ لگایا تھا یہ اوس نے بصد جد و جہد — حیف نہ پائی مگر دست اجل سے اماں
تھا وہی خدمت گزار اور وہی آبیار — مر گیا وہ اور رہے باغ کو خوف خزاں
یہ بھی اوسی باغ کے خادم بے مزد ہیں — خادم بے مزد قوم قوم کے ہیں باپ ماں

قوم کے غم سے نژند قوم کی شادی سے شاد — دل سے جو ہمدرد ہوں ایسے بشر ہیں کہاں
ان کو اسی باغ سے چونکہ ملا ہے ثمر — ذائقہ درد کو سمجھی ہے ان کی زبان

کرتے ہیں خدمت ادا دل سے یہ خلقت اساس
قوم کے مخدوم ہیں قوم ہو گر حق شناس

ہند میں ملک دکن مرکزِ اسلام ہے — شرق سے لے تا بغرب اسکا بڑا نام ہے
والیِ عالی نژاد خسرو والا نہاد! — یعنے حضور نظام مرجعِ اقوام ہے
اپنوں ہی کی وہ بھلا لیگا نہ کیونکر خبر — غیروں پہ جس شاہ کا بذل و عطا عام ہے
ملک کی بہبود ہے قوم کی بہبود سے — مجمع اجزا ہی سے صورت اجسام ہے
قوم ہو گر فرد فرد قوم نہ باقی رہے — ملک ہو گر جزو جزو قطعۂ انعام ہے
یاں پہ یہ قومی گدا آئے ہیں دیتے صدا — قوم کا ہے چل چلاؤ یاروں میں کہرام ہے
اے شہ اسلامیاں تو ہے پناہ جہاں — تجھ سے بیاہی بہت مادرِ ایام ہے
تو نے بہت کچھ دیا مدرسہ کو قوم کو! — دورۂ تعلیم کا پھر بھی ثمر خام ہے
حضرت محبوب علی کون ہے تجھ سا قوی — گرتی ہوئی قوم کو تھام علی نام ہے
یاں کے سلمانوں سے بھی ہے یہی التجا — بھیک دیں راہ خدا قوم کا یہ کام ہے

آج نہ لی گر خبر پھر نہیں کل خیریت
یہ ہوں کہ وہ میں کہ تم ہوگی بری سب کی گت

## ترکیب بند

## جو اقبال کلب حیدرآباد دکن کے خاص جلسہ میں پڑھا گیا

پھر جاں حریفِ حسرت و آلام و درد ہے — پھر سوئے دشتِ عزم نفس رہ نورد ہے
پھر عرصۂ خیال میں ہنگامہ ہے بپا — پھر دل امید و بیم کا دشتِ نبرد ہے
ہے ہمت آج مرحلہ پیمائے شوق پھر — پھر پائے کوچہ گرد ہوس دشت گرد ہے

پھر ہو رہی ہے گرمی بازار آرزو
پھر فکر ہے کہ جمع ہو وہ دفتر تباہ
سودائے خام لانے لگا رنگ پختگی
ڈھل جائے آب شرم سے گر کچھ عجب نہیں
کہتا ہے کون گر کے پھر اٹھتا نہیں کوئی

ہنگامۂ فضولی و کرد و نہ کرد ہے
اک عرصۂ دراز سے جو فرد فرد ہے
پھر پردہ ہ آہ کچھ نملک لاجورد ہے
رخ پر جمی ہوئی جو جہالت کی گرد ہے
ہر قوم اس بساط پہ جو سر کی نرد ہے

ہاں سختی زمانہ کی پروا نہ چاہیے
عزم صمیم و ہمت مردانہ چاہیے

ہے یاد پہلے صاحب تاج و نگیں تھے تم
اقبال تھا بزرگوں کا خالق کی دین تھی
وہ دن گذر گئے وہ زمانہ نہیں رہا
ہاں پہلے تھے کبھی قرشی اور ہاشمی
کیا فائدہ ہے تم سے کہے کوئی آج گر
اسوقت تو حقیقی ذلت میں ہو پڑے
سوچو ذرا تو کس لئے دولت وہ چھن گئی
اقبال و جاہ و دولت و علم و کمال و فضل

بزم جہاں میں صدر نشیں اک تمہیں تھے۔ تم
جس کے سبب سے مالک روئے زمیں تھے تم
جب پورہ بابرو بسر آتیں تھے تم
اسلام کے سپہر پہ ماہ مبیں تھے تم
یہ ذکر کل کا ہے کہ جہاں تھے جنیں تھے تم
گو پہلے ساکن فلک ہفتمیں تھے تم
خالق نے دی تھی جو تمہیں جسکے امیں تھے تم
کیا ان میں سے کسی کے بھی قابل نہیں تھے تم؟

کس نے یہ تم کو بادۂ غفلت پلا دیا
مٹی میں آہ نام آب و جد ملا دیا

جو کچھ ہوا ہوا مگر آگے اب ہوگا کیا
اک وہ تھے جو گدا سے بنے شاہ بحر و بر
وہ تھے کہ عزم و ہمت جرأت کی تھے مثال
وہ تھے کہ جن کے پاؤں کے نیچے تھے بر و بحر
وہ تھے کہ جن کے سایہ میں غیروں کو تھی اماں
باغ وجود میں جو گل سر سبد تھے وہ

بربادیوں کا کون دقیقہ ہی اٹھ رہا!
اک تم ہو چھوڑ کر جو حکومت بنے گدا
تم ہو کہ جبن و سستی و غفلت پہ ہو فدا
تم ہو کہ خاک سر پہ ہے اور اشک زیر پا
تم ہو کہ اپنے سایہ سے بھی رہتے ہو خفا
تم صفحہ جہاں پہ ہو اک داغ بدنما

یوناں سے جا کے لائے وہ سرمایۂ علوم
اور تم نے گھر میں جو تھا اُسے بھی لٹا دیا

ثروت میں جانتے تھے وہ کسبِ ہنر کو فرض
حاجت میں تم نے بے ہنری کا سبق لیا

کس مے نے تم کو بیخود و مدہوش کر دیا
انجام کار کو بھی فراموش کر دیا

بیخود ہو اب بھی یا کہ سر و پا کا ہوش ہے
میری سنو جو گوش نصیحت نیوش ہے

خمخانۂ جہاں کی طرف اک نظر کرو!
دیکھو مئے عروج کو ہر خم میں جوش ہے

پیرِ مغاں بنا ہے ہر اک رند خستہ حال
ساقی کا جانشین ہے جو دُرد نوش ہے

زیرِ خرابہ خاک بسر تھا جو کل پڑا!
موجِ مئے کمال سے وہ درعہ پوش ہے

کیسا غضب ہے ہم نے اتاری تھی جو شراب
وہ اب ہمیں ہے نیش حریفوں کو نوش ہے

ماتم کی صف بنی جو بساطِ نشاط تھی
نغمہ کے بدلے جزع و بکا و خروش ہے

دامن ہے خوں کے آنسوؤں سے دامنِ بہار
داغِ الم سے دل سبدِ گل فروش ہے

کیا جانے کیا زباں سے نکلتا ہے جوش میں
احباب کے لئے یہ سخن بارِ گوش ہے

ہر چند یہ کہیں گے بہت کچھ بھلی بری
میں تو یہی کہوں گا کہ ہے بیخودی بری

اے قوم ہوشیار ہو غفلت کے دن نہیں
جتد چر سے کہ عظمت و شوکت کے دن نہیں

ہنسنے کا یہ محل نہیں رونے کا وقت ہے
ایامِ غم ہیں عیش و مسرت کے دن نہیں

وہ دن بھی یاد ہیں کہ ہمارا ہی دور تھا
اب دورِ ساغرِ مئے عشرت کے دن نہیں

بیغیرتی کا اوڑھ کے برقع نہ شاد ہو
کر عزت اپنی گو کہ یہ عزت کے دن نہیں

کچھ دن جہاں میں اور بھی رہنا ہے گر تجھے
ہمت سے کام لے کہ حمایت کے دن نہیں

آپس میں اتفاق کی فکریں ضرور ہیں
یہ باہمی نفاق و خصومت کے دن نہیں

اب بات بات میں نہ جہالت کو دخل دے
لے کام عقل سے کہ جہالت کے دن نہیں

حاجت ہے اسکی اب من و تو کا رہے نہ فرق
ذکرِ نزاعِ مشرب و ملت کے دن نہیں

قائل ہیں جتنے اشہد ان لا الٰہ کے
بس ہے کہ چلنے والے ہیں سب ایک راہ کے

گر دوزخی ہے زید بلا سے ہوا کرے
جنت ملے گی عمرو کو اچھا ملا کرے

ضامن وہ جنتی ہے ہمارے عقیدے میں
جس طرح سے ہو قوم کا جو کچھ بھلا کرے

شیعہ سے کوئی بحث نہ سُنّی سے ہے غرض
اسلام خلق میں رہے باقی خدا کرے

اسلام کی بقا ہے مسلمانوں کی بقا
آئے وہ دن کہ انسے زمانہ وفا کرے

لیکن وفا کرے گا زمانہ جبھی کہ قوم
من حیث قوم خدمت قومی ادا کرے

ہر شخص سمجھے حق اخوت کو فرض عین
یہ جان اوسپہ اور وہ دل اس پہ فدا کرے

گر یہ نہیں تو جان لو آیا قریب وقت
بیماری اجل کو مسیحا بھی کیا کرے

اس طرح سے تو چل نہیں سکتا ہے کوئی کام
رینگے نہ جوں بھی کانوں پہ ناصح بکا کرے

ہشیار سر سے سیل تباہی گذر گئی
"بیدار اب کہ لذت خواب سحر گئی"

دیکھو ادھر یہ کون ہیں کیا ہیں کہاں کے ہیں
انساں ہیں جن ہیں یا کہ ملک آسماں کے ہیں

گلفام ہیں کہ سبز پری ہیں کہ لال دیو!
آئے ہیں بمبئی سے کہ ہندوستاں کے ہیں

کرتے ہیں ذکر قوم کا نیچر نہ ہو کہیں!
بس چلیئے اب سمجھ گئے ہم یہ جہاں کے ہیں

ہیں جاں نثار قوم کے سید کی یادگار
یہ بھی مرید خاص اوسی پیر مغاں کے ہیں

سہے ہے یہ کس کا نام زباں سے نکل گیا
شاکی دل و جگر مری تیغ زباں کے ہیں

وہ کیا گیا کہ جان گئی قوم سے نکل
قالب ہیں چھ کرور جو محتاج جاں کے ہیں

بے دین تھا لعین تھا مرتد تھا کچھ بھی تھا
پر ذلہ خوار ہم اوسی محسن کے خواں کے ہیں

پہلے اوسی نے ہم کو خودی کا سبق دیا
ہم جن سے چونکے نعرے اسی کی فغاں کے ہیں

مذہب میں اوس کے خدمت قومی تھی فرض عین
حقا کہ تھے عبادت مقبول اوس کے بین

خو بو اوسی کی انکے دماغو نہیں ہے بھری
مد نظر ہے قوم کی ان کو بھی بہتری

مومن نہ ہوں پہ مومنوں کے خیر خواہ ہیں
واعظ نہ ہوں پہ قوم کے یہ بھی ہیں مشتری

اسلام کے فدائی ہیں بے مزد و بے صلہ
دہری خطاب دے انہیں کوئی کہ نیچری

دل سے عروج قوم کی لو ہے لگی ہوئی
مٹ جائیں خود یہ چاہیں گے یارو نکی برتری

سمجھے ہیں یہ ضرورتِ تعلیم کو اہم
جس کے بغیر ہوگی نہ شاخِ امل ہری

تم سے تمہارے واسطے ہیں بھیک مانگتے
پیشہ کیا ہے قوم کی خاطر گداگری

خالق کرے کہ تم کو بھی ہوش آئے اسقدر
محسوس ہو کچھ اپنی تباہی و ابتری

ان کیطرح سے دل میں تمہارے بھی درد ہو
مہلک مرض کو جہل کے سمجھو نہ سرسری

تجویز جو دوا یہ کریں اوس کو مان لو
تعلیم پر مدار ترقی ہے جان لو!

تعلیم مدرسوں کی نہیں تم کو کارگر
کرتی ہے جو ضرورت قومی سے بےخبر

تعلیم اپنے بچوں کو اس طرح کی دلاؤ
پھیلائے اتفاق جو اون میں بہم دگر

درکار اس کے واسطے ہیں ایسے مدرسے
سید نے جس کی ڈالی تھی بنیاد پیشتر

سعی بلیغ چاہیئے جن کے قیام میں
حتیٰ کہ دار علم بنے خود ہر ایک گھر

افسوس قوم سے مگر اس کی نہیں امید
سینچا گیا جب اس سے نہ چھوٹا سا اک شجر

کالج کا ایک کام مکمل نہ ہو سکا
کیا حشر ہوگا کام چھیڑا ادھر اگر

بےسود کوششیں ہیں یہ بیہودہ خواہشیں
کیوں لوگ غل مچاتے ہیں ناحق یہ گرد کر

باتیں بنانے سے نہیں چلتا ہی کوئی کام
ہے قول سے عمل کی جدا اگانہ رہگزر

جو چاہیں کہہ لیں بیٹھ کے گھر میں زبان سے
کرتے ہیں کام یہ کوئی کرنے کی شان سے

جاگو خدا کے واسطے غفلت کو چھوڑ دو
بغض و نفاق و کینہ و نخوت کو چھوڑ دو

گر اعتبار دوست پر اپنے نہیں تمہیں
للہ مدعی کی رفاقت کو چھوڑ دو

گر پیروی عقل نہیں ہے تمہیں پسند
بیراہ رو نہو نہ حماقت کو چھوڑ دو

قسمت کے خوابہائے پریشاں میں مت پڑو
خود کچھ کرو بہانہ قسمت کو چھوڑ دو

قسمت ہے اوس کیساتھ جو ہمت سے کام لے
ایسا نہ ہو کہ دامن ہمت کو چھوڑ دو

زنجیر توڑ دو یہ جو ہے پاؤں میں پڑی
یارو تعصب اور جہالت کو چھوڑ دو

پہلے جو کام سب سے مقدم ہے وہ کرو — ہر بابیوں کی بیہدہ عادت کو چھوڑ دو
دو ان کا ساتھ جو یہ علیگڈھ سے آئے ہیں — ان کے مخالفوں کے رفاقت کو چھوڑ دو

نیچر نہ سمجھو پیر طریقت یہی تو ہیں
مخدوم قوم و خادم ملت یہی تو ہیں

گھبرائیے نہ خاتمہ عرض حال ہے! — جو کچھ ہے دل میں آئے زباں تک محال ہے
اس سرزمیں پہ خون تمنا کا بہہ گیا — مایوس دل نمونۂ دشت قتال ہے
یا ہم جہان میں ادب آموز خلق تھے — یا اب لکھے پڑھے ہوؤں کا ہم میں کال ہے
اسلامیوں کو جہل نے دنیا سے کھو دیا — اعمال زشت کا یہ ہمارے مآل ہے
محتاج روٹیوں کو ہیں جو تاجدار تھے — دنیا میں نادرات سے اپنی مثال ہے
نیرنگی طلسم ہے کیفیت جہاں — عالم بساط خمکدۂ اختلال ہے
گرداب و مد و جزر محیط امید و بیم — تار نگاہ و دیدہ عبرت کا جال ہے
کل کیا تھا آج کیا ہے خدا جانے کل ہو کیا — امید پھر محرک پائے خیال ہے

جذبے نیاب دگر راہ خانہ را
"بشکن بآب صبح خمار شبانہ را"

# مرثیہ ترکیب بند

## بروفات حسرت آیات حضرت قبلہ گاہی عمو للنا مولوی سید محمد کاظم صاحب کنتوری مرحوم

اعلی اللہ مقامہ

اے فلک ایکدم کو رخصت آہ — میری حالت سے ہے خدا آگاہ
کجروی نے تری کیا دلتنگ — راتدن دیکھتا ہوں موت کی راہ
ہے چمن زار اشک خوں دامن — نفس سرد ہے نسیم گیاہ
آہ جانسوز برق خرمن صبر — رگ ابر بہار تار نگاہ

بجھ گیا دل برنگ شمع سحر
رنگ ہستی کو دیکھ کر واللہ

لفظ ہستی ہے شرح حرف عدم
کوئی باقی نہیں بغیر اِلا

تخت طاؤس گر ہو تختۂ مرگ
ہے نتیجہ وہی غم جانکاہ

ہے سراب خیال کا دھوکا
بحر خضرا و مہر و اختر و ماہ

سب ہے وہم ضعیف کا پرتو
باغ و بستان و نخل و برگ گیاہ

سہ موالید اور عناصر چار
سب کا حاصل ہی صفر سے کوتاہ

نام کو ہفت روزہ ہے دنیا
مگر اس میں بھی ہے شک و اشباہ

عدم اول ہے اور عدم آخر
اس پہ ہیں خود مشاہدات گواہ

چشمۂ زندگی ہے بحر فنا
ہے جہان حدوث شہر فنا

رنگ لاتا ہے آسماں کیا کیا
دیکھیں نیرنگیاں یہاں کیا کیا

ہو گئے صرف دست بُرد خزاں
چمن و باغ و بوستاں کیا کیا

بے نشانی سے کیوں نہ رکھوں کام
نامیوں کے مٹے نشاں کیا کیا

زیر سقف فلک ہے یاروں کو
ہوس بام و آستاں کیا کیا

ہیں مکیناں خانۂ بے در
آرزومند پاسباں کیا کیا

دیکھتے ہیں کہ نذر دست اجل
ہوتے ہیں پیر و نوجواں کیا کیا

پھر بھی اکسیر کی تمنا ہیں!
عمر کھوتے ہیں رائگاں کیا کیا

گو نفس ہے نشید خاموشی!
ساز ہستی پہ ہیں گماں کیا کیا

ہے بقا گرچہ نقش پائے فنا
خاک اڑاتے ہیں کارواں کیا کیا

رکھتے ہیں پیروان اسکندر
خواہش عمر جاوداں کیا کیا

سنتے ہیں اک وجود وہمی پہ
چشمۂ خضر کے بیاں کیا کیا

خبر اس کی مگر نہیں کہ ہے موت
متقاضی برائے جاں کیا کیا

کیا کرے کوئی لے کے آب حیات
مرگ تعبیر جب ہو خواب حیات

کیا ہوا دل جو بیقرار ہے آج | سینہ کس زخم سے فگار ہے آج
آسماں کیا زمیں پہ ٹوٹ پڑا | شور محشر جو آشکار ہے آج
ہو نظر میں نہ کیوں زمانہ سیاہ | منقلب رسم روزگار ہے آج
ابر غم ہے نہیں یہ ابر بہار | چشم ہر اختر اشکبار ہے آج
تیرگی ہے نشان شال عزا | خود جہاں ہے کہ سوگوار ہے آج
لٹ گیا ہائے کس کا باغ وجود | کہ خزاں سے خجل بہار ہے آج
سیر گلشن نصیب مدعیاں | داغ سینہ پہ لالہ کار ہے آج
حسرت جاوداں کی بار آئی | رخصت عیش مستعار ہے آج
پہلے تھی نذر آرزو کی خلش | غم کی برچھی جگر کے پار ہے آج
اختلال حواس ایک طرف | کہ عناصر میں انتشار ہے آج
کیا عجب روح پہ ہو جسم جو بار | جسم کو خود ہی روح بار ہے آج
رخصت اے آہ جاں گسل رخصت | اپنی ہستی سے مجھ کو عار ہے آج

دشمنوں کو یہ دن نصیب نہ ہو
میں تھا نہ میرا حال حبیب نہ ہو

ہائے کس کا زباں پہ نام آیا | رگ جاں نے جو نیشتر کھایا
ہے کہاں میرا مایہ دار کہ جو | لکھے اب مجھ کو اپنا سرمایہ
غم یہی کیا ہے کم کہ اٹھ جائے | سر سے بیٹے کے باپ کا سایہ
نہ کہ جو باپ ہو حبیب سا باپ | نام آبا کو جس نے چمکایا
جو کہ تھا وجہ نازش اسلاف | جس سے اخلاف نے شرف پایا
نیر اعظم سپہر کمال | عرفی و انوری کا ہم پایہ
دانش اوسکے کلام کا زیور | حکمت اوس کے سخن کا پیرایہ
باب علم نبی کا پوتا تھا | علم ورثے میں اوسکے تھا آیا
اوس کے روشن سواد خط نے مدام | رقم مہر و مہ کو شرمایا

اف ری آتش زبانیاں اوسکی
ہر دل سرد جس سے گرمایا

گوکہ ایمان شاعری ہی جھوٹ
پر نہ وہ راستی سے باز آیا

بارہا اوسکا رنگ حکمت بیز
روح سعدی کو وجد میں لایا

اٹھ گیا دفعتہً وہ جان سخن
آہ ویراں ہوا جہان سخن

اوس سے تھی رونق جہان کمال
وہ زمیں پر تھا آسمان کمال

اوس کی ایک ایک بات جوہر نطق
اوسکا ایک ایک حرف جان کمال

اوس کی تحریر حرز جان سخن
اوس کی تقریر داستان کمال

اوس سے شاداب تھا ریاض کلام
اوس سے سرسبز بوستان کمال

اوس کا ہر غنچہ مضامیں تھا
گل صد برگ گلستان کمال

اوس کے دلدادہ معنی وحشی
اوس کے وارفتہ عاشقان کمال

وہی خلاق تھا معانی کا
تھا کلام اوس کا ارمغان کمال

خاک کنتور اوسکے دم سے بنی
غیرت خاک اصفہان کمال

زندہ تھا اوس سے نام نیشاپور
تھا نظیری دم بیان کمال!

فخر تھا اوس کو عشق و ناسخ پہ
تھی مگر یہ بھی ایک شان کمال

اب جسے چاہیں لوگ ٹھہرائیں
اوستاد سخن ضمان کمال

اوس کے مٹنے سے مٹ گیا لیکن
صفحۂ دہر سے نشان کمال

رونق بزم شاعری نہ رہی
سب رہا ریختہ پروری نہ رہی

اوس کا دل تھا ہزار نغموں کا ساز
کب فقط ریختہ تھا مایۂ ناز

فاضل کامل و ادیب و اریب
ناظم و ناثر بدیع طراز

تھا ظہوری کی طرح سے جو وحید
نثر نثری سے نثر تھی انباز

کس نے لکھا معاملہ ایسا
ہوتا بو الفضل کا نہ کیوں دمساز

فیصلے اوس کے ہوتے گر مشہور
اوس کو محمود جانتا ہر ایاز

اوس کی تفسیر پاتی گر تکمیل
دنیٔ فیضی کی روح یہ آواز

مرحبا مرحبا حبیب لبیب
"آنیک انجام یافت آں آغاز"

اگر آہنگ فارسی چھیڑا
ہو گئے بند حسن کے اہل حجاز

عاشقانہ غزل پڑھی جو کبھی
دل سامع تھا مثل شمع گداز

لی تنائی سے داد حسن بیاں
حکمت آمیز گر ہوا انداز

گل کھلا ہے اگر نعمت کے
تازہ کی روح بلبل شیراز

قلم اٹھا اگر تصوف پر
کر دیا دادر خزینۂ راز

باغ سعدی کھلا دیا اوس نے
معنوی کو بھلا دیا اوس نے

کس سے کہیے وہ کیا تھا کیسا تھا
فرد تھا بے بدل تھا یکتا تھا

ڈھونڈیے عمر بھر جو لیکے چراغ
نہ ملے مثل اوس کا ایسا تھا

جیسی صورت تھی ویسی سیرت تھی
دل بھی روشن مثال سیما تھا

نیک دل نیک نفس نیک نہاد
سربسر نیکیوں کا پتلا تھا

ہو عداوت کسی سے یا الفت
کھوٹ دل میں کبھی نہ رکھتا تھا

تھا جو رندانہ پن تو بالاعلان
بے ریا تھا جو زہد و تقوی تھا

کام تھا کنبہ پروری اوس کا
ہاتھ تھا تنگ دل کشادہ تھا

ایک کی آمد اور دس کا خرچ
ہمت اوس کی تھی دل اُسی کا تھا

گرچہ نادانوں میں تھا جز رس
گھر میں حاتم سے بھی زیادہ تھا

ہم وطن ہو عزیز ہو کوئی ہو
سب پہ در اوس کا رات دن وا تھا

فکر بھی دوسروں کی راحت کی
آپ تکلیف خود اٹھاتا تھا

یوں تو سب ہیں مگر عزیزوں کو
ایک اسی ذات کا سہارا تھا

ایسا سردار خاندان نہ رہے
کام کیا پھر رہے جہاں نہ رہے

اگرچہ قانون ایزدی ہے یہی — کہ پسر دیکھے داغ بے پدری
ہم نے مانا کہ جانیوالے تھے آپ — مگر ایسی ابھی تھی کیا جلدی
نہ قوی کچھ ضعیف تھے ایسے — نہ مرض کوئی تھا نہ بیماری!
تھی فقط چار ماہ پچپن سال — باغ ہستی کی سیر فرمائی
ابھی مرنے کے دن نہ تھے ہرگز — ملک الموت کو یہ کیا سوجھی
گھر کا رستہ بتا دیا کس نے — کام کیا موت کا تھا کیوں آئی
سنتے پھرتے یہ کیا ہوا یار سب — کیا بلا آسماں سے ٹوٹ پڑی
صرف مرنے سے دو گھڑی پہلے — مانگی دفتر کے جانے کو گاڑی
یک بیک پھر خیال کیا آیا — باگ جو خلد کی طرف پھیری
کون سی ایسی بات آئی پیش — طبع نازک پہ جو گراں گذری
جان دے اس طرح جنگل میں — ہائے کنتور کا وہ شیدائی
حیدرآباد لائیں لاش احباب — اف ری یہ بیکسی و تنہائی

یوں ہیں پردیس میں جو مرنا تھا
مجھ کو تو اطلاع کرنا تھا

مجھ سے دیکھی تھی گر خطا کوئی — کیا نہ تھا اور دوسرا کوئی
کیا ہوا تھا برادر جانباز — جس سے تم کو نہ تھا سوا کوئی
جو پسر سے بھی تھا گرامی تر — جیسا کم ہوگا باوفا کوئی
آپ کا وہ پچاس سال کا دوست — دور ایسا بہت تھا کیا کوئی
لکھ کے خط کیا اسے بلایا تھا — تار برقی دیا تھا یا کوئی
کیوں نہ آئے عدیل اور بھی کام — تیری خدمت سے تھا بڑا کوئی
کاش اتنا تو منہ سے فرماتے — کہ مظفر ہی کو بلا کوئی
بدنصیب اور ہم سا ہوگا کون — نہ ہوا حق ترا ادا کوئی
خیر گھر والوں سے جو نفرت تھی — پاس تھا یار و آشنا کوئی

آج کیوں آتی ہے رکتی ہوئی سانس — آج کیوں سینہ میں گھٹتا ہے دم
آج کیوں چہرۂ عشرت ہے کبود — آج کیوں دست تاسف ہیں بہم
آج کیوں سر پہ ہے خاک حسرت — آج کیوں بر میں ہے رخت ماتم
آج کیوں روئے فلک ہے پر گرد — آج کیوں قامت ہستی میں ہے خم
آج کیوں رایت دولت ہے نگوں — آج کیوں حالت ملت ہے دژم
آج کیوں خلق ہوئی نیلی پوش — آج کیوں دہر بنا مجلس غم
آج ہر تن ہوا کیوں بیت حزن — آج کیوں ہند ہے درہم برہم
کیا ہوا آج کہ بدلا ہوا ہے! — کچھ بری طرح سے رنگ عالم

جان ہستی کہ بر سنگ زدند
سنگ گوئی بدل تنگ زدند

کس کے مرنے کی خبر آئی ہے — روح کیوں جسم میں گھبرائی ہے
کس نے دنیا سے کیا آج سفر — ساری دنیا جو الٹ آئی ہے
کس کا ماتم ہے کہ ہے عالمگیر — کون سے دل کو شکیبائی ہے
ابھی نظروں میں ہے شان دربار — یاد وہ انجمن آرائی ہے
بانہ کل کی ہے ... جیسے تھے یہی — ہند میں تازہ بہار آئی ہے
گلشن دہلی مرحوم نے پھر — رونق باغ جناں پائی ہے
شاہ کی تخت نشینی کا ہے جشن — فرش کو عرش کی ہمتائی ہے
جوق کے جوق چلے آتے ہیں — راجے مہراجوں کی بن آئی ہے
اس کو اظہار عقیدت میں غلو — اور ادھر سے شوق جبیں سائی ہے
تہنیت کے چلے آتے ہیں پیام — عیش و عشرت کی گھٹا چھائی ہے

گر امروز چگویم چو نست
سینہ ہا ریش و درونہا چو نست

عہد وکٹوریہ نیک صفات — تھا عجب عہد عمیم البرکات

علم و شائستگی و امن و اماں ہیں اسی عہد کے سارے ثمرات

عدل و انصاف و مساوات حقوق! قابل شکر نہیں کون سی بات

ان کے فرزند جناب ایڈورڈ تھے اسی طرح پسندیدہ صفات

مختصر عہد حکومت ان کا تھا رعایا کے لیے عہد نجات

گرچہ برپا ہوئی کیا کیا شورش گرچہ نازل ہوئے کیا کیا آفات

پنجۂ آہنی کا نے مگر! کس طرح روک دیے سب بدعات

جوش ٹھنڈا کیا نرمی سے کہیں گر سیاست سے کیے رد خطرات

دیں نئی ممبریاں کونسل میں ہندیوں کو سے عالی درجات

ایسا قیصر نہ رہے دنیا میں موت اوس شاہ کو آئے ہیہات

بہچنیں رنگ جہاں می گریم
زار می گریم و ہاں می گریم

پانچویں کو یہ اڑی تھی افواہ کہ علیل آج ہیں کچھ شاہنشاہ

پھر چھٹی کو ہوئے شائع اخبار کہ ہے بیماری حضرت جانکاہ

ہے جو لاحق مرض صعب خناق سخت تشویش میں ہے خلق اللہ

کہتے ہیں عارضہ کو سب مہلک ڈاکٹر روتے ہیں با حال تباہ

اہل دربار و اعزہ سارے متاسف ہیں بصد حسرت و آہ

سرنگوں سب ہیں طبیب شاہی ہاتھ ہیں چارہ گری سے کوتاہ

یاس سی شہر پہ اک چھائی ہے حق سے ہیں شاہ کے سب صحت خواہ

کہ یکایک سحر ہفتم کو! ہوا مسموع کہ شاہ ذی جاہ

دار فانی سے سوئے ملک بقا ہو گئے راہ سپر وا اسفاہ

سنتے ہی یہ خبر وحشت اثر اڑ گئے ہاتھوں کے طوطے واللہ

گوئیا زلزلہ افتاد بدہر
نیست امروز دم شاہ و بہر

دہر میں جب حادثہ کوئی بڑا آئے نظر — اوس سے عبرت کا سبق حاصل کریں اہل نظر
دی ہیں خالق نے ہمیں کیا آنکھیں اتنی ہی لئے — تا کہ برسایا کریں آنسو قیامت تک یو ہ

غم جدائی کا تری کوئی بٹا سکتا نہیں
داغ یہ دورِ فلک دل سے مٹا سکتا نہیں

ہے محبت کے لئے یہ کام از بس خوشگوار — خوبیوں کا تیری ہر دم کرتی رہتی ہے شمار
تھے ترے افعال سوچ چشمہ فیض ازل — ذکر جن کا دل سرد ہو دیتا ہے گر دا نقشا
زندگی میں قوم نے تیری نہ کچھ کی قدر حیف — اب کہاں ہاتھ آئیں گے اردو کو یہ خدمتگا
کون پہنچائیگا اس کشتی کو ساحل تک بھلا — جو کہ برگ کاہ سے بھی ہے سوا نا پائدا

پر ہے جی میں کام کچھ ہاتھوں سے لینا چاہیے
ہو جہاں تک ناؤ کو اردو کی کھینا چاہیے

حیرت افزائے نگاہ شوق تھا تیرا جمال — اس بڑھاپے میں ترا چہرہ تھا اک مہکا ہوا
مہیاں لاکھوں ہی خوان علم پر تھے۔ تھا اگر — نعمتوں سے دہر کی خالی ترا خوان نوال
عادتِ مہر و وفا خوش خلقی و خوش نیتی! — تھے تری سیرت کے چہرہ پہ یہ دلکش خط و خال
دل دکھاتی ہے ہمارے اب انہی باتوں کی یاد — خارِ غم بن کر کھٹکتے ہیں جگر میں یہ خیال

لیکن ان باتوں پر اب رونے سے حاصل کچھ نہیں
ساتھ مرنے والے کے سب خوبیاں بھی مر گئیں

تھا فلک پرواز تیرا طائر فکر رسا! — فکر دنیا سے پریشاں اسلئے ہوتا نہ تھ
علم سے تیرے جو انان وطن تھے فیضیاب — سارے پیشوں سے تھا اشرف بالیقیں پیشہ تر
رکھتی تھی کب تیرے گوہر بار خامہ کی زبان — کہتی رہتی تھی حقیقت کا فسانہ بر م
تجربہ تیرا تھا ان کی راہ میں شمع طریق — جو ہیں نیرنگ زمانہ سے ابھی ناآشنا

گو مٹے تھے دولت و علم و ہنر اہل دیار
تیرے دم سے تو عدو لٹنا بنا تھا روزگار

نظم ہو یا نثر ... گلشن اردو زبان — آبیاری سے تری رہتا تھا ہر دم گلفشاں

ڈر تھا پامالی کا جس کو اور نہ تھا خوف سموم      جس کی شادابی و سرسبزی تھی از بس دلستاں
تیرے دم سے تھا تر و تازہ ریاض نو عری      تیرے قدموں کے تلے سرجوئے انشا تھی رواں
اتنی جلدی موت کیوں داعی ہوئی سوئے عدم      کیا بہت آگے تھا تیرے ساتھیوں کا کارواں

تیرے اٹھ جانے سے گلزار ادب مرجھا گیا
رخصت فصل بہاری کا زمانہ آگیا

فصل گل تھی خندۂ گل سے زیادہ بے ثبات      جب کمال آیا شبابوں پر بجھی شمع حیات
کر گئے لیکن مشام جاں معطر خلق کا      جاں فزا خوشبو سی اپنی تیرے گلہائے صفات
تیری مستانہ ادا اور تیری آزادہ روی      تیری استغنائے دل تیری ہر اک مردانہ بات
شہرت و عزت کا باعث تھی شریفانہ روش      گرچہ تھی تیری فقط الفقر فخری کائنات

لیں سبق تجھ سے جنہیں ہو سربلندی کی ہوس
کلفتوں میں بھی نہ کی راحت پسندی کی ہوس

آخری حق محبت ہے جو کرتا ہوں ادا      گر قبول اس کو ہے گو ناچیز میرا مرثیہ
اشہری اب تو کہاں پھر اور کہاں وہ صحبتیں      "خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا"
پھر گئی آنکھوں کے نیچے صحبت بزم حبیب      کیا کہیں تیری خبر نے کیا اثر دل پر کیا
بس قلم کو روک ضامن اب لکھا جاتا نہیں      حضرت اشہر کو پرسہ دے لے اپنے باپ کا

تم کو دے اللہ صبر اس درد میں منتظر علی
لے کے جائیں مرثیے کو لب کوثر علیؑ

## مرثیہ ترکیب بند

## بر وفات ملک معظم ایڈورڈ ہفتم

آج کیوں چھایا ہے یہ ابر الم      آج کیوں چشم جہاں ہے پرنم
آج کیوں دل ہے اسیر حرماں      آج کیوں جان ہے محبوس ستم

تھے شباب و سلام و عالم و شوق
بار خدمت ہیں پا سکا کوئی !
نوحہ خواں تھا بجز صدائے نفس ؟
ہمنشیں وقت نزع تھا کوئی ؟
کون سمجھا تھا ہوں گے ہیچ یہ سخن
تم دلی تھے نہ ظاہرا کوئی

اب کھلا مرد راہ تھے حضرت
ہاں سیادت پناہ تھے حضرت

الوداع اے کلیم طور سخن
ہم ہیں اب اور رنج و درد و محن
رہ گیا تیرا مرثیہ کہنا !
نہ مذاق سخن نہ لطف سخن
خانہ بربادیوں کا ذکر ہی کیا
حجرہ حجرہ ہے گھر کا بیت حزن
دیکھ کر حالتیں بزرگوں کی
نقش حیرت ہیں بچے سب ہمہ تن
ایک کہتی ہے سو گئے ابا
ایک کہتی ہے مر گئے وہ بہن
پر وہ کیا جانیں موت ہے کیا چیز
کھیل کے دن ہوں جنکے اور بچپن
ہے سمجھدار کوئی تو اس کا
خشک ہے وحشتوں سے خون بدن
کس کو بہلاؤں کس کو سمجھاؤں
یاس و حسرت بنے ہیں قفل دہن
دیکھوں اس جنگ کا ہو کیا انجام
مجھ سے پرخاش پر ہے چرخ کہن
ایک دل اور ہزار تیر الم
ایک سر اور لاکھ سنگ فتن
جائے ماندن نہ پائے رفتن ہے
مجھ کو دوزخ ہے ہو وطن کہ دکن
یاد اب کیوں وطن کی آتی ہے
نہ رہا جب وہ جان نثار وطن
کعبہ کشور کو جو کہتا تھا
آہ اوس کا دکن ہوا مدفن

تھا یہی کیا نوشتہ تقدیر
ایک جا ہوں حبیب و داغ و امیر

بس کر اے ضامن حزیں بس کر
منہ کو آتا ہے بار بار جگر
دل میں جو ہے زباں پہ کیونکر آئے
جانگزا سانحہ ہے مرگ پدر
تھی یتیمی نصیب میں لکھی
کیجیے کیا مشیت داور

چارہ جز صبر اب نہیں کوئی
دہوئیں گے کیا یہ داغ دیدۂ تر

ایک دن یوہیں سب کو مرنا ہے
سب کو طے کرنی ہے یہ راہگزر

ہو خطا کار یا ہو نیکوکار
موت سے یاں نہیں کسی کو مفر

اے خوشا بخت اوسکے جسنے کیا
بوئے گل کیطرح جہاں سے سفر

خدمت آخری کو بھی نہ ہوا
اپنے بیگانہ کا جو دست نگر

نیک بندے خدا کے ایسے کم
آتے دنیائے زشت میں ہیں نظر

مست حب ولائے آل تھا وہ
تھا ثنا خوان سبط پیغمبر

حیدری تھا محب تھا ہوگا ضرور
از دم نزع تا دم محشر

قبر میں حوض پر قیامت میں!
اوس کا ہاتھ اور دامن حیدرؑ

شد فنا در ولا و بحر بقا
دخل الجنتہ ہی الماوی

۱۰۳
۱۲۲۱ + = ۱۳۲۴ھ

## مرثیہ ترکیب بند
## بر وفات مولانا سید امجد علی اشہری مرحوم

تو بھی آخر چل دیا سن کر صدائے الرحیل
اشہری اب ہم کہاں سے پائینگے تیرا عدیل

گو ہوا ہے تو طلب رونق فزائی کو وہاں
ہو نہیں سکتے جہاں بیم و رجا ہرگز دخیل

کس طریقہ سے مگر ہوگا ہمارا غم غلط
رونق بزم احبا کی تبا کوئی سبیل!

وقت نے کورانہ سختی سے کیا تجھ کو شکار
ہے غضب جاتا رہا ایک اور اردو کا کفیل

ہم کو رکھیگا یہ صدمہ مدتوں یوہیں خراب
چشم پر نم آہ بر لب سینہ بریاں دل کباب

کیا نتیجہ کہہ کے وہ باتیں جو سننے ہوں کہیں
سنیئے خاکی پیکر انسان فانی کچھ نہیں

ایک خواب خوش ہے روح اور زندگی افسانہ ہے
جو نہیں ایسا کریں اک دم بھی جسکو دلنشیں

خلق عالم میں ہے اک ماتم عام
دیکھو جس سمت مچا ہے کہرام

یاد کر کر کے صفات قیصر
سر کو دھنتے ہیں خواص اور عوام

کوئی کرتا ہے دعا بخشش کی
کوئی ہے نوحہ کناں صبح و شام

کوئی کہتا ہے کہ جنت میں ملے
شاہ کو پہلوئے عیسیٰ میں مقام

ہمزباں ہو کے سبھوں سے ضامن
ہم بھی کہتے ہیں کہ رب علام

ان کو یہ مرتبے دے اور ہمیں
کر اس آفت میں عطا صبر تمام

ان کی اولاد کو بھی مثل ان کے
رکھ سدا دہر میں تو فرخ کام

جارج پنجم کی حکومت ہو وسیع
کوئیں کیطرح جسے ہوں نیکو نام

سیکڑوں سال رہے ہاتھوں میں
یا خدا توسن دولت کی زمام

خوشدل از شاہ رعیت بادا
سایہ اش سایۂ رحمت بادا

# مقطعات

## گل پژمردہ

صبح ہنستی ہوئی مشرق سے نمودار ہوئی
اور میں روتا ہوا بستر سے اٹھا پُر ارماں

تھی جو اک خار غم عیش گذشتہ سے خلش
دل کے بہلانے کو راہی ہوا سوئے گلستاں

جلوۂ گل نے نگاہوں کو تراوت بخشی!
کم ہوا شبنم شاداب سے جوش خفقاں!

جی کو تسکیں بھی ہوئی سیر بھی کی پھول چنے
ایک گلدستہ لیا اور ہوا گھر کو رواں

جس کی خوشبو تھی مجھے نکہت باغ امید
جس کے بندھن کو سمجھتا تھا کہ ہے رشتۂ جاں

پر اشاروں ہی اشاروں میں کوئی اپنی طرف
کھینچتا تھا انہیں جذب نظری سے جو وہاں

جھپٹا وقت جب آیا تو بچا کر مری آنکھ
چلدیا وہ تھا جو ان پھولوں کے پردے میں نہاں

اب جو دیکھا تو ہیں مرجھائی ہوئی پتیاں کچھ
دلکشی ان میں کہاں حسن کہاں بو وہ کہاں

یاد آئی مجھے گلزار جوانی کی بہار
کہ اسی طرح سے تھی اوس کی بھی رونق گزراں

بیٹھتے ہی کو تھی دل پر مرے اک گرد ملال
کہ اٹھا پیر خرد پاس سے دامن افشاں

برہمی دیکھ کے اوس کی مرا جی چھوٹ گیا
دوڑ کر تھام لیا جھٹ سے کنار داماں

عرض کی میں نے خطا کی نہیں کوئی عمداً
عفو فرمایئے دیکھا ہے جو سہو و نسیاں

اس لجاجت پہ مری آگیا کچھ رحم اسے
گہر افشاں ہوا اس طرح سے سن او ناداں

بڑا مطلب ہے کہ پیری کی بھی برباد ہو صبح
جس طرح شام جوانی ہوئی نذر حرماں

پہلے بدمست تھا اب ہے ہوس بدمستی
اب خمار اوس کا ہے اوسوقت جو تھا خواب گراں

تو نے بدنام کیا مجھ کو زمانہ بھر میں
پیر دنفس رہا بات سُنی میری کہاں

رنج جتنا تجھے ان پھولوں کے مرجھانے کا ہے
ہوتا اے کاش بس اتنا ہی غم عمر رواں

جانے دے ذکر گذشتہ کو جو ہونا تھا ہوا
لے سبق اس سے جو اک گھاس ہے جنگل کی یہاں

دیکھ ان پھولوں کو ان کی بھی کوئی ہستی ہے
دو گھڑی کے لئے آئے تھے سوئے باغ جہاں

تو نے خود دیکھا ہے کیا شان تھی کیا رونق تھی
گھر کے خاروں میں بھی جبتک رہے زیب بستاں

ان کی خوشبو کو لئے پھرتی تھی کاندھے پہ نسیم
تازہ رکھتی تھی جو ہر وقت دماغ انساں

حسن سے انکے تھا روشن چمنستاں کا چراغ
جان و دل ہوتے تھے نظارے سے انکے فرحاں

گرچہ مرجھا گئے بیکار ہیں تیرے نزدیک
پہلے سے بھی مگر اب قدر ہے کچھ ان کی گراں

صبح تک تیرے لئے مایہ تفریح تھے صرف
درد والوں کے لئے اب یہ بنیں گے درماں

عمل خیر نہ دنیا میں ہو جس سے کوئی!
ایسا انساں بھی کہے گا کہ ہوں میں بھی انساں

یوں تو پہلے بھی ہے پیچھے بھی ہے مرنا لیکن
زندگی موت ہے غفلت میں جو گذرے یکساں

مستقل اپنے ارادہ میں رہے ہے وہی مرد
خندہ روئی کو نہ دے لاکھ ہوں رنج و حرماں

اوس کو پورا کرے ہر حال میں جو اسکا ہی فرض
بوئے گل بن کے رہے ہو نہ کسی دل پہ گراں

جائے دنیا سے تو وہ نقش قدم چھوڑ کے جائے
راہرو کو جو رہ راست کا بتلائے نشاں

کام کرنے کے لئے کم نہیں کچھ عمر بشر
گرچہ کوتاہ ہے مانگے کی ہے اور ہے گزراں

ہاں دعا وہ ہمیشہ دیتا ہوں
ہے گواہ اسپہ خالق علام

# احتجاج شاعر بہ جناب ایڈیٹر صاحب عصر جدید میرٹھ

چند ٹھہرائے ہیں خواجہ نے جو ستی کے امام — اوسی فہرست میں داخل شعرا کا بھی ہے نام
اعتراض انکا ہے ظاہر ہیں یہ ہر چند صحیح — کیجیے غور مگر اسمیں تو ہے جائے کلام
امرا اور علما سے نہیں ہم کو کوئی بحث — فقہا اور مشائخ سے نہیں کچھ ہمیں کام
حالت ان کی جو ہے ظاہر ہی عیاں را چہ بیاں — ان کے عادات ہیں جیسے انہیں اپنا ہی سلام
شعرا زلف کے پھندے میں جو رہتے ہیں پھنسے — آپ ہی ان کی ہر اک صبح سیہ صورت شام
لیکن اس فرقہ میں ابھرا ہے جو ایک اور گروہ — جس کا ممنون ادب اور ہے مشکور اسلام
ہے غضب ان کی مساعی کی نہ گر کیجیے قدر — قہر ہے ان کو جو ٹھہرائیے بستی کا امام
آپ کرتے ہیں جو کچھ ہم بھی وہی کرتے ہیں — ٹھنڈی نثروں سے نہیں گھٹ کے یہ پر جوش کلام
کیا ہے اردو کا جسے کہتے تھے قرآں سید — روشن اس نظم ہی سے آپ کے نانا کا ہی نام
ہزل گویوں سے مراد آپ اگر لیتے ہیں — فرق کچھ کیجئے تا آئیں نہ دھوکے میں عوام
یاد خواں ہوں شعرا آپ کے یہ بات ہی اور — ورنہ کیا پوچھ ہے سب ملٹن و کوپر کا کلام
یادہ گو صائب و سعدی و ثنائی بھی تھے — کیا اسی طرح سے تھی منہ بیش اونکے بھی لگام
طبع موزوں جو نہ انسان کو دیتا خالق — آج لیتا نہ زمانہ میں کوئی علم کا نام
جب نہ کاغذ تھا نہ تحریر نہ چھاپہ نہ پریس — شعر ہی دیتا تھا اوسوقت میں ہر چیز کا کام
فلسفہ تھا یہی تاریخ یہی اور یہی طب — شعرا ہوتے تھے تلمیذ خدائے علام
شعر ہی سے پڑی آفاق میں بنیاد علوم — شعر ہی اب بھی ہے جولاں گہ فکر اقوام
اب بھی ہے فلسفہ روح کا یہ اصل اصول — ہاتھ میں شعر کے اب بھی ہے تصوف کی زمام

ــ مراد از مسدس حالی

بات نازک ہے یہ سمجھیں کہ نہ سمجھیں اسے آپ / کیا کریں ہم نہ چلے بے مئے و پیمانہ جو کام

شعر ہے جان ادب شعر ہے ایمان ادب / پھینکئے جان ادب پر نہ ملامت کے سہام

"آں کہ بدنام کند صحبت می را غلط است
بلکہ مے می شود از صحبت ناداں بدنام"

## عمل

جیسے سحاب ترقی سمجھ رہے ہو وہ سب / غبار قافلہ منزل حجاز عمل

ہر اک ارادے میں موں پاؤں ہم عناں دل کے / بساط دہر ہے میدان ترک تاز عمل!

شکار طائر مقصد محال ہے ضامن
کمیں میں اسکے نہ جبتک ہو شاہباز عمل

## چال چلن

پوچھا پیر خرد سے میں نے
سن کر میرا سوال معقول
ملتی ہے اوسی کو یہ بزرگی
ہر شے سے زیادہ قابل قدر
لیکن وہ شرف نہیں ہے
کیونکر کہئے شریف اوسکو
انسان انساں کو جو بنائے
موقوف نہیں حسب نسب پہ
افلاس کا اوسکو غم نہیں کچھ

کس چیز کا نام ہے شرافت
وہ یوں ہوا کاشف حقیقت
اللہ کرے جسے کرامت
ہر چند کہ ہو نسب کی صحت
اور دل کیطرف نہو جسکی نسبت
جو آپ نہو شریف خصلت
جس کا ہے نام آدمیت
مشروط نہیں بوضع و صورت
درکار نہیں ہے اوسکو دولت

گو ہو برپا کیسا ہی ہنگامہ لہو ولعب
مشتغل گو جنگ و خونریزی کی ہو نار غضب

ناؤ پر ہوں ریل پر ہوں یا بھرے بازار ہیں
دیس میں پردیس میں یار و نہیں یا اغیار ہیں

کیسے ہی لوگوں میں ہوں اور کیسی ہی صحبت میں ہوں
اختلافات ان کے ادنےٰ کیسی ہی عادت میں ہوں

ان کی وضع ان کے طریق انکی زباں انکا خیال
کیسے ہی انسے الگ ہوں یہ نچھوڑیں اپنی چال

وقت جب آئے تو چپکے سے بچھا کر جانماز
جانب قبلہ جھکا دیں عجز سے فرق نیاز

پھر نہ دیکھیں یہ کہ ہے پاس انکے کوئی دوسرا
پھر نہ دیں کان اسپہ گو ہو کیسی ہی دلکش صدا

حمد خالق میں زباں انکی رہے گوہر فشاں
جسم میں لرزاں ہو خوف حق سے جان ناتواں

سجدہ میں جائیں تو اٹھنے کا بمشکل نام لیں
گھر پہنچ کر جیسے فاتح لشکری آرام لیں

## دیوان اکبر

پڑھا اکبر کا دیوان آج سارا
عجب زور طبیعت ہے خداداد

کیا مضموں کی بہیا کا نظارا
ہے دیواں یا کہ ہے گنگا کا دھارا

## شکریہ عطائے خدمت
## بہ جناب نواب عماد الملک بہادر مولوی سید حسین بلگرامی

مجھ سے پیر خرد نے کل یہ کہا
ہم نے بھی اک زمانہ دیکھا ہے
اُس کو بھولا نہ چاہیئے کہنا!
ہو ہی جاتی ہے آدمی سے خطا
ہے مگر اور چیز فعل عمد!

دور ہی سے تجھے ہے اپنا سلام
تجھ سا دیکھا نہیں کوئی خود کام
صبح جو جائے اور آئے شام
اٹھ ہی رہنا ہے کل پہ آج کا کام
سہو و نسیاں ہے اور چیز کا نام

گرچہ ہے سہو فطرت بشری! — تھا نہ حاشا یہ سہو کا ہنگام!
تو ہی کہہ یہ کہاں کا ہے دستور — کیوں اسی کا ہے کیا شرافت نام
آپ میں ایسے کیا ہیں لعل لگے — آپنے ایسا کیا کیا ہے کام
کون سی آپ میں لیاقت ہے — قدر جس کی کریں خواص و عوام
کوئی جوہر ہے آپ میں کہ جو ہو — قابل فخر و لائق انعام
کس لئے پھر یہ خود فراموشی — بیخودی کیوں بغیر بادۂ جام
شرم کر شرم کچھ تو مرد خدا — ڈوب مرنے کا تیرے ہے یہ مقام
تجھ کو ایسا نہ جانتے تھے ہم — پیکر بت سرشت انساں نام
شکر نعمت میں یہ تساہل حیف — نہ کیا چلتے وقت جا کے سلام
اوس پہ طرہ یہ ہے کہ یاں آکر — ہو گیا ایک ماہ آج تمام
بیٹھے ہیں آپ ویسے ہی بیفکر — اک عریضہ نہ ہو سکا ارقام
خیر اب اٹھ کے لے دوات قلم — جلد کر اوس کو کرنیکا ہے جو کام
نظم کر مدحت **عماد الملک** — کر ادا شکر بخشش و اکرام
سن کے تقریر اوسکی میں نے کہا — کیجئے انصاف سے یہ ہے مرا کام
لائق مدحت **عماد الملک** — نہیں میرا کسی طرح سے کلام
ہے حماقت کی اک صریح دلیل — گر فلک کو کہوں بلند مقام
گر فلاطوں کو لکھوں دانشمند — پختہ مغزان دہر سمجھیں گے خام
جو مجسم ہو جوہر قابل! — عارضی وصف سے اوسی کیا کام
گو کہ مشکور ہوں دل و جاں سے — پر ہے اظہار شکر میں بھی کلام
کرتے ہیں سچے دل سے جو نیکی — اون کو ہوتی نہیں ہے خواہش نام
ہاں اگر جس کے گھر میں آیا ہو — اونہیں کیوں ہو نہ شیوۂ اکرام
کیا سید سمجھ کے مجھ سے سلوک — جن کے پوتے وہ میر ہوں کہ اُنکا غلام
میں ہوں معذور کیا کروں صد آہ! — کہ خوشامد نہیں ہے میرا کام

"بادۂ پرتو خورشید و ایاغ دم صبح
مفت آنانکہ در آیند بہ باغ دم صبح"

## دلِ گم گشتہ کی یاد

یاد عہد عیش رفتہ دل سے جاتی ہے کہیں — تھا بہار زیست اک اک لمحہ جسکا بالیقیں
جو ادا ہوتی تھی ہوتی تھی مسرت کی دلیل — تھی مگر اوس عہد میں کلفت بھی راحت کی دلیل
جس کو سب کہتے ہیں دل تھا اک جہان آرزو — اوس کا ذرہ ذرہ دنیا تھا نشان آرزو
گوہر یکدانۂ بحر سعادت تھا وہ دل — زینت تاج سر مہر و محبت تھا وہ دل
تھا کہیں لیلی کی محمل اشک مجنوں تھا کہیں — بحر بے پایاں کہیں اک قطرہ خوں تھا کہیں
شاہد رعنائے فطرت کا وہی آئینہ تھا — گوہر اسرار قدرت کا وہی گنجینہ تھا
ہستی بے مایہ کا اپنی وہی سرمایہ تھا — اک اوسی کے دم سے تھا دنیا میں جینے کا مزا
پر نہ راس آئی اوسے اس باغ کی ٹھنڈی ہوا — دن مرادوں کے جب آئے عشق کا فدیہ ہوا
دفن ہے وہ نخل الفت کی گھنیری چھاؤں میں — کر دیا ہے زندہ درگور اوسکی فرقت نے ہمیں
برگ گل تربت پہ اوسکی جائے خاک انبار ہیں — اور یاں پہلو میں ارمانوں کے بدلے خار ہیں
وہ گل پژمردہ باغ عیش کے ہیں یادگار — اور ہیں رہ آورد دشت یاس یہ جانکاہ خار
ہائے وہ دل ہائے وہ ہم ہائے وہ عہد شباب — کیسے دن تھے کیا زمانہ تھا ہوا کیا انقلاب

"شام عیش و روز وصل دوستداراں یاد باد
داشتم دل یاد باد آں روزگاراں یاد باد"

## پھر مجھ کو ہنسنا چاہیے

سب کو بحر فکر میں پایا جو ضامن کو غریق — اوس سے یوں کہنے لگا ایک اوسکا یار شفیق

اس گھڑی کس سوچ میں بیٹھا ہے تو اے مہرباں
تیری صورت سے سراسر ہے پریشانی عیاں

چاند سا چہرہ ترا افکار سے ہے پرشکن
یا شب مہتاب میں ہے آب دریا موجزن

موج دریا کو کہیں گر فی المثل دست دعا
ہے تری چین جبیں انگشت حسرت برملا

اس کی لہروں سے ہے ظاہر گر پریشاں خاطری
اس سے بڑھ کر بیکلی پیدا ہے صورت سے تری

کیا ہوا کس بات سے پہنچا تجھے اتنا ملال
اے سدا خوش رہنے والے اسقدر کیوں ہے نڈھال

خوشدلی وہ کیا ہوئی تیری وہ جودت کیا ہوئی
وہ ظرافت و طلاقت وہ بشاشت کیا ہوئی

کیا ہوئیں وہ صحبتیں احباب سارے کیا ہوئے
وہ لگاوٹ وہ حسینوں سے اشارے کیا ہوئے

کیا وہی تو ہے کہ جو تھا رونق بزم سخن
ماہ تھا تو رشک انجم سارے اہل انجمن

تو وہی ہے رونق محفل کو ہنسا دیتا تھا جو
اپنا کیسا دوسروں کا غم بھلا دیتا تھا جو!

کچھ تو کہہ اللہ کیا حالت ہے یہ اے مہرباں
آہ بر لب چشم پرنم دل مکدر سر گراں

سن کے یہ تقریر ساری ہنس کے وہ کہنے لگا
تم مرے ہمدرد ہو اب تم سے کہنا ہی پڑا

تم نے دیکھا ہے کبھی عالم میں ایسا کوئی دل
ساتھ ہی راحت کے جس پر غم نہ گذرے متصل

ہے قدامت سے مگر دستور عالم کا یہی!
ساتھ کم دیتا ہے آزردہ دلوں کا یاں کوئی

میں بھی ہوں گلزار ہستی ہی کا آخر ایک پھول
خندہ رو گاہے کبھی غنچہ کیصورت دل ملول

ہاں مگر احباب میں کرتا نہیں اظہار غم
تاکہ اُن کا بار خاطر ہو نہ میرا بار غم

عالم تنہائی شب کو غنیمت جان کر
آ کے بیٹھا ہوں کہ کدورات سے ہو کچھ مفر

یاد عیش رفتہ و اندوہ و حسرت ہائے حال
قعر دریائے فراموشی میں دوں ان سبکو ڈال

صبح ہے پھر آنے والی پھر تقیہ چاہیے
مجلس احباب میں پھر مجھ کو ہنسنا چاہیے

## مسلمانوں کی عبادت

کم ہے ایسے عابدوں کی جس قدر عزت کریں
ساتھ جن کے ہر جگہ رہتی ہیں جن کی مسجدیں

دولت وہ خود اپنی ذات سے ہے
جس گھر میں یہ شمع ہو فروزاں
جو دل اس نور سے ہو روشن
وہ چال چلن کی ہے درستی

جوہر یہ بہت ہے بیش قیمت
ہوتا نہیں اس میں دخل ظلمت
سمجھو اسے جلوہ گاہ قدرت
جو ہے تاج سر شرافت

زینہ ہے یہی ترقیوں کا
اور ہے یہی شاہراہ عزت

## راہ امید

ٹھیک اترتی نہیں کسی کی فال
جو کھلے عمر کے سفر کا حال

ہاں مگر اس قدر چلا ہے پتہ
کہ یہ دنیا ہے اک طلسم کدہ

یاں کی کوتاہی و درازی راہ
سمجھے انسان کیسے خاطر خواہ!

جانے کیا کیسی ہے رہ ہستی
ہے بلندی کہاں کہاں پستی

پھر بھی سارے مسافران رہ کے
متفق ہوں گر ایک دوسرے سے

نیک دل اور راست باز ہوں سب
ایک کے ایک چارہ ساز ہوں سب

متنفر نہ ہو بشر سے بشر!
ایک پہنچائے ایک کو نہ ضرر

بعد منزل کی فکر پاس نہ آئے
راستہ ہنستے بولتے کٹ جائے

لیکن آئے کہاں سے تجربہ میں بات
کہ ہے قسمت میں تلخی اوقات

تجربہ پہ ثروت کا ہے تصرف گاہ
ہے رعونت کبھی ترے ہمراہ

ابھی ہنستی ہے تجھ پہ نادانی
دیکھ کر تیری اشک افشانی

اور کسی دن خدا نہ کردہ اگر
روز تیرہ ہو تیرا ابتر سے بتر

آشنا دیں گے عہد الفت توڑ
موج طوفانیں تجھکو جائیں گے چھوڑ

حسد و کینہ اور بغض و نفاق
تجھ پہ کردیں گے زندگانی شاق

اوس گھڑی نیکیوں پہ کر تکیہ
ساتھ مت چھوڑ عزم ہمت کا

پشت گرمی تری کرے جو امید
آئیگی فاستجب لکم کی امید

## رفارمر اور شاعر

کہنے لگے یہ مجھ سے کل اک میرے مہرباں
اک بات میں کہوں گا نہ مانو اگر برا

میں ہوں تمھارا دوست بھی اور خیرخواہ بھی
لازم ہے منہ پہ کہہ دوں جو دیکھوں کوئی خطا

پہلے تو آپنے کیا وہ کام اختیار
کچھ جس سے فائدہ نہیں جز خشک واہ وا

باعث اسی کا ہے یہ جو حضرت کو رات دن
رہتا ہے مفلسی و فلاکت کا سامنا

لیکن نہیں ہے اس سے مجھے کوئی خاص بحث
ہے یہ بھی اک مذاق طبیعت کا مقتضا

کہتے ہو تم غزل یہ ہے بیشک مرے خلاف
اس کو برا سمجھتے ہیں تعلیم یافتہ

وہ دن گئے کہ جھوٹ تھا ایمان شاعری
حالی کا قول تم نے یہ شائد نہیں سنا

مینا و جام و ساقی و صہبا و مے فروش
کرتے ہو جن کا ذکر تمھیں ان سے واسطہ

طاؤس و کبک و قمری و دراج و فاختہ
صحرا و باغ و خار و گل و صرصر و صبا

موج و حباب و قطرہ و گرداب و مد و جزر
اشک و سرشک و خون دل و گریہ و بکا

گلفام و گلعذار و گل اندام و گل بدن
خورشید و ماہ چہرہ و خوش رو و خوش لقا

سفاک و کینہ خواہ و ستم کیش و تند خو
بے مہر و بے مروت و پرکار و پر دغا

رخسار و زلف و گیسو و چشم و لب و ذقن
ناز و کرشمہ شرم و حیا شوخی و ادا

اندوہ و یاس و درد و غم و حسرت و ملال
روز فراق شام مصیبت شب بلا

فرہنگ شاعری ہیں یہ گنتی کے چند لفظ
جن پہ ہے ناز آپ کو شاباش مرحبا

سو سال پہلے آپ کو آنا تھا خلق میں
انگریزی پڑھ کے نام ڈبویا یہ کیا کیا

ہیں کھلتے جاتے پھول نئے شاخ نظم میں
اب چل رہی ہے اور ہی اس باغ میں ہوا

آگاہ ہیں جو لوگ زمانہ کے رنگ سے
دیکھی ہے ہیں نے حال میں اک نظم بے بدل
حد سے زیادہ دونوں میں تھی دوستی مگر
یہ بُعد بس کہ شاق تھا دونوں کیواسطے
اک ڈوری اپنے پیروں میں دونوں نے باندھ لی
باہر نکل کے گھر سے ملاقات کے لئے
اک روز کا ہے ذکر کہ باہر تھا موش
چوہے کو لیکے چیل ہوئی جس گھڑی بلند
آخر میں نقل کے یہ نتیجہ نکالا ہے
اس رنگ کا کلام اگر ہو تو دیکھئے
اخبار والے شوق سے ہیں لیکے چھاپتے
پر آپ کا ہے وہ سخن آبدار جو
جزو پیمبری ہے بلاشبہ شاعری
جب تک نہ واقعات مفید ایسے نظم ہوں
کس کام کی یہ بندش پر لطف آپ کی
اب کوئی چیز کام کی تصنیف کیجیے
جب لعن طعن کر چکے یہ وہ بزرگوار
بیٹھے تھے ایک اور وہاں مرد نکتہ سنج
**ضامن** کے شعر آپ کو کیوں آئینگے پسند
مینڈک کی غائیں غائیں کے دلدادہ ہیں جب آپ

کرتے نہیں کبھی گل و بلبل کا تذکرہ
اک مینڈک اور چوہے کی ہے نقل بامزا
اوس کا مقام کوہ تھا اور اس کا بحر تھا
تھا حصر اتفاق پہ ملنے ملانے کا
اس طرح وصل کا کیا مضبوط سلسلہ
آتا جب ایک ہوتا تھا آگاہ دوسرا
اک چیل نے جھپٹ کے زمیں سے اٹھا لیا
مینڈک بھی ساتھ ساتھ اوس کے لٹک گیا
ہے ساتھ غیر جنس کا ہر حال میں برا
ہوتی ہے کیسی شہرت و قدر اوسکی جابجا
اور پڑھنے والے اس سے اٹھاتے ہیں فائدا
بزم نشاط ہی میں ہے گو نیک کام کا
اُس میں اگر شریک نہ ہو کذب و افترا
تشبیہ و استعارہ ہے بیکار آپ کا
مضمون جسمیں کچھ نہیں الفاظ کے سوا
دکھڑا تو ہم نے بلبل و گل کا بہت سنا
اور میں بھی کچھ نہ اون سے مروت میں کہہ سکا
آخر کو بول اٹھے نہ اون سے رہا گیا
اردو مارکٹ کا ہے اُنہیں کہاں مزا
کیا لطف دیگا آپ کو بلبل کا چہچہا

"تحسین ناشناس و سکوت سخن شناس
صائب دو چیز می شکند قدر شعر را"

## تہنیت عطائے خطاب نواب منظور جنگ بہادر
## بہ عزیزی مرزا منظور احمد خان صاحب

ہے برج خم میں لال پری کیوں مقید آج
ساقی ہو دور بادۂ عشرت مجدد آج

ہولی ہے ہر طرف شفق فرح و انبساط
رنگ فضائے ملک دکن ہے مورد آج

نحس کی فلک سے ہیں آنکھیں لڑائی لی
ظاہر ہوا کہ ماہ رجب کی ہے آمد آج

شاہ دکن کی سالگرہ کا دن آیا ہے
افراط جوش عیش و طرب کی نہیں حد آج

وں کا شور اور سلامی کی شلکیں
کر ہو رہے ہیں گوش سپہر مشید آج

نوں کے غل سے گونج اٹھے شہر و دور
ہیں تار ساز سلسلۂ شوق ممتد آج

یوان خسروی میں ہے سامان جشن کا
تزئین بزم دہر ہیں گردوں کو ہی کد آج

کی خوشی کے ساتھ رعایا کی ہے خوشی
لٹتی ہے مفت دولت شادی سرمد آج

تقسیم ہو رہے ہیں زر و خلعت و خطاب
دریائے فیض خسرو گیہاں کو ہے مد آج

ادسوز رشک سے جل بھن کے ہو کباب
احباب کے دلوں کا بر آیا ہے مقصد آج

ضامنؔ دعائیں شاہ کو دو ان کو تہنیت
منظور جنگ ہو گئے منظور احمد آج

# مثنویات

## نقش قدم

میں کون ہوں کیا ہوں کیا بتاؤں
اک موج ہوا ہوں کیا بتاؤں

اک موج ہوا تو ہے بڑی شے
ہستی مری اتنی بھی نہیں ہے!

اک موج ہوا چمن میں گر آئے
سو رنگ سے لاکھ گل کھلا جائے

غفلت کے ماتوں کو جگا دے — تھک کر جو پڑیں انہیں سلا دے
آنکھوں میں سمائے نیند بن کر — جاں تازہ کرے میان پیکر
ہو زلف صنم کے حق میں شانہ — دیوانوں کو ہو تازیانہ
لے جائے اڑا کے بادلوں کو — شاداب کرآئے جنگلوں کو
بھڑکا کے شرر کو شعلہ کر دے — بے بال و پری کو بال و پر دے
پردے میں سمائے ساز کے گر — نغموں سے دل کرے مسخر
آہن میں دکھائے شان داؤد — ہر تار بنے زبان داؤد
قوت بخشے تو اس بھی بخشے ! — عیسی کا نفس ہو جاں بھی بخشے
پانی نہ ملے تو وقت ٹل جائے — دانہ نہ جڑے تو کام چل جائے
اک موج ہوا بغیر لیکن — اک پل نہ کٹے کہاں کا اکدن
میں کیا ہوں بھی اگر تو کیا ہوں — نقش قدم رہ فنا ہوں
اک سیل کی رو جسے بہا دے — اک موج ہوا جسے شادے
لیکن آنکھیں ہوں گر کسی کے — دیکھے مجھے وہ بغور دیکھے
ان خاک نشینیوں پہ کیا ہوں — کلک قدرت کا نقش پا ہوں
میں نقش قدم تو ہوں بہر رنگ — پر ہوں سر لوح نقش ارژنگ
اوس نور کی مجھ میں ہے تجلی — جو طور پہ بھی نظر نہ آئی
ہمسر کیوں کر ہو طور میرا — ہے شمع شعور نور میرا
وہ شعلہ فروش بیخودی تھا — میں شمع فروز ہوں خودی کا
اوس لو سے تھی خیرہ چشم موسی — وا ہو مری ضو سے چشم اعمی
ہے یوں تو جہاں نگار خانہ — نقاش ازل کا کارخانہ
یہ کوکب و مہر و ماہ و افلاک — یہ چادر آب و بستر خواب
بحر و گرداب و قطرہ و موج — یہ منظر ہائے پستی و اوج
تصویریں یہ چلتی پھرتی ساری — باطل کن ادعائے مانی

اک شکل سے ایک شکل افضل
ہم بھی اسی باغ کا ہوں گو پھول
ہو کوئی گلاب یا ہو خیری
میں میں ہوں بھلا ہوں یا برا ہوں
بس ضامن بس خموش کیا ہے
تو اور یہ لن ترانیاں بس
جو شان خلیفۂ الٰہی ہے
تھے اور ہی وہ نفوس قدسی
تو کیا تیری بساط کیا ہے
اے رہرو شاہ راہ غفلت
ہر وہم پہ جان دینے والے
نا واقف رسم آدمیت
منزل کے نشاں سے بھی ہے آگاہ؟
بند آنکھ کئے چلا کہاں دیکھ
یہ تیز روی! ذرا ٹھہر جا
جس دشت کو کر رہا ہے تو طے
جتنے ہوئے آگے جانیوالے
اس دشت سے سب گذر چکے ہیں
کاٹا جو کچھ تھا جس نے بویا
ٹھوکر کھائی چلے جو بے راہ
حق لے گردی ہے چشم عبرت
گو شکل دہان بے زباں ہے
گر ہو جویائے حسن انجام

اک نقش سے دوسرا ہے اول
ہیں میرے مقابلہ میں سب دھول
الفضل لنا ولا لغیری
آئینۂ ذات کبریا ہوں
آ ہوش میں کیوں بہک رہا ہے
اے مورِ ضعیف و ناتواں بس
کیا تیرے لئے وہ اٹھ رہی ہے
انساں کے بدن میں شان باری
ادنیٰ اک بندہ ہوا ہے
اے بارکش گناہ غفلت
کشتی خشکی میں کھینے والے
گم کردۂ جادۂ سعادت
کچھ تجھ کو خبر ہے ہے کدھر راہ؟
نقش قدم گذشتگاں دیکھ
اگلے ہیں جدھر گئے ادھر جا
واں خضر بھی اور غول بھی ہے
پچھلوں کو ہیں رہ بتانیوالے
طے عمر کی راہ کر چکے ہیں
کھویا گیا جو خود اوس نے کھویا
جویا ہوئے جو وہ پا گئے راہ
ہر نقش قدم سے لو ہدایت
داستاں زن حال رفتگاں ہے
سیکھو ان سے درستی گام

ان کو نقش قدم نہ سمجھو
ہر خاک نشیں کو کم نہ سمجھو

## گردباد

کل طبیعت جو بہت گھبرائی
سوئے صحرا مجھے وحشت لائی
دور تک دشت خزاں دیدہ تھا
نہ کہیں پھول تھا نے پتہ تھا
نظر آتا تھا عجب عالم ہُو
خاک اڑتی تھی ہوا سے ہر سو
دھوپ میں ذرے چمکتے تھے کہیں
ریت سے شعلے لپکتے تھے کہیں
بادِ صرصر کی جو موج آتی تھی
ایک بجلی سی چمک جاتی تھی
آگ کی طرح دہکتی تھی زمیں
کوئی چشمہ تھا نہ سایہ تھا کہیں!
جی میں آیا کہ پلٹ ہی نہ چلو
جیتے جی کس لئے دوزخ میں جلو
ناگہاں جا پڑی اک سمت نظر
اک کف پا کا نشاں آیا نظر
میں نے جھک کر جو ذرا غور کیا
عجب اوس نقش کا دیکھا نقشا
تھا جو وہ نقش وہیں کیسو رست
اوس سے گویا یہ سنی کیفیت
دیکھو ہے دشت طلب یہ صحرا
کام ہمت کا ہے اسمیں چلنا
اس کے آگے ہے بلند ایک مقام
نام مقصود ہے اوس ٹیلے کا نام
دیکھنے میں تو ہے چھوٹا سا کوہ
لیکن اوس کی ہے عجب شان شکوہ
ڈھاتے ہوئے سبزہ کی لہک!
اطلس چرخ سے جس کو چشمک
ہر طرف پھول کھلے رنگا رنگ!
ایک سے ایک کا ہے چوکھا رنگ
چہچہے طائروں کے شاخوں پر
لحن داؤد کا رکھتے ہیں اثر
صاف و شفاف ہیں شیریں چشمے
ابرو آب خضر کی جن سے ہے!
بیچ میں ایک مسطح ہے چٹان
جو کہ ہے معدن یاقوت کی جان

ہے یہاں تخت بچھا بیٹھا کار
تخت طاؤس ہو جس پہ نثار

و دسپہ سونے کی ہر نصب اک مورت
جس پہ صدقے ہوں وہ پاری صورت

یوں تو کہنے کے لیے ہے یہ جہاں
اور سچ پوچھو تو ہے جان جہاں

کامیابی ہے لکھانا تھے پہ !
لاکھ زیور کا ہے جو اک زیور

حسن سا حسن ہے اللہ اللہ
قیمت ہر دو جہاں ایک نگاہ

عشاق شیدا ہے زمانہ عاشق
غیر عاشق ہے یگانہ عاشق

جاں فدا کرنے پہ سب آمادہ
ایک سے ایک سوا دلدادہ

جس کو دیکھو وہ چلا آتا ہے
اک کشش ہے کہ کھنچا آتا ہے

ان میں کوئی ہے جواں پیر کوئی
ناتواں کوئی ہے کوئی ہے قوی

پست ہمت یہ وہ ہمت والا
ایک سے ایک نئی ہمت والا

راستہ ایک ہی ہے لیکن
جو ہے دشوار گذار اور کٹھن

دشت حرماں ہے اسی دشت کا نام
یہیں ہو جاتی ہے ہمت ناکام

تا بہ سرحد تو سبھی آتے ہیں
اکثر اس دشت سے پھر جاتے ہیں

کم ہیں ایسے جو کڑی سہہ جائیں
طے کریں راہ کو منزل پائیں

ایک ہم بھی ہیں جو یاں آئے تھے
ساتھ ارمان بہت لائے تھے

گرچہ ہمت سے بہت کام لیا
کیا کریں ساتھ نہ طاقت نے دیا

وصل قسمت میں نہ تھا کیا کرتے
گھر پلٹ جاتے تو اچھا کرتے

لیکن اس ننگ کا یارا نہ ہوا
پیٹھ پھیریں یہ گوارا نہ ہوا

عشق صادق کا تقاضہ یہ ہوا
یہیں رہ جاؤ پلٹنا کیسا!

لے کے بس نام خدا بیٹھ گئے
بن کے نقش کف پا بیٹھ گئے

خاک اب تفتہ جگر اٹھیں گے
مٹ کے اٹھیں گے اگر اٹھیں گے

یہی باندھی ہے کہ رنگ اور ہوا
یک بیک آگئی چوبائی ہوا

کشمکش میں وہ بیاباں آیا
دشت کی ریت نے چکر کھایا

چوکھی سے چلنے لگی جب کہ ہوا — حلقہ نقش وہ گرداب بنا
کھا کے چکر ہوئی مٹی جو بلند — بن گیا چرخ کا صحرا پیوند
پہلے ہم اس کو تماشا سمجھے — سرسری ایک بگولا سمجھے
مگر اک آن میں وہ مشت غبار — یعنے وہ نقش سر راہگذار
قلہ کوہ پہ جا کر پہنچا! — آرزو جس کی تھی واں پر پہنچا
حزم و ہمت نے یہ دن دکھلایا — رتبہ خواہش سے زیادہ پایا
پہلے جب گھر سے نکالا تھا قدم — پائے بوسی کا فقط بھرتا تھا دم
شوق کامل نے یہ بخشی معراج — کامیابی کے بنا سر کا تاج
کون کہتا ہے بگولا تھا وہ — ایک ہمت کا کرشمہ تھا وہ

ہر کہ جاں در رہ ہمت بازد
نیز خاکش بفلک پردازد

# حسین ساگر

کل میں بستر پہ اپنے سوتا تھا — ناگہاں اک ہوا دھماکا سا
کھل گئی آنکھ سن کے یہ آواز — چشم غفلت ہوئی یکایک باز
میں نے دیکھی وہیں اٹھا کے گھڑی — ہوا ظاہر گجر کی توپ وہ تھی
تھے گھڑی نے بجائے ساڑھے چار — صبح کے تھے فلک پہ سب آثار
ہو چلا تھا سفید کچھ کچھ چاند — پڑ گئی تھی چمک ستاروں کی ماند
آتا تھا جو نسیم کا جھونکا — شمع انجم بجھا کے جاتا تھا
چادر نور مہ فلک سے اٹھی — ہوا فرش سپیدۂ سحری!
تخت عاج قمر تھا شب کو جہاں — تخت یاقوت اب شفق کا تھا واں
آمد بادشاہ خاور تھی! — فوج انجم میں ایک بھگدر تھی

دیکھ کر یہ سماں نہ تاب رہی ۔ تھی بے اختیار چاہا جی !
کہ چلو سیر دشت و باغ کریں ۔ تازہ دم بھر دل و دماغ کریں
سوچ کر یہ اٹھا میں بستر سے ۔ پہنے کپڑے رواں ہوا گھر سے
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا جو آتی تھی ۔ تازگی تن میں روح پاتی تھی
جاں فزا تھی ہوائے صحرائی ۔ بادہ نوشی تھی بادہ پیمائی
الغرض چلتے چلتے تھک جو گیا ۔ آ کے تالاب کے قریں ٹھہرا
کون تالاب جو ہے شہر کی جاں ۔ جس کا آب آب چشمۂ حیواں
اس سے دوڑے ہیں شہر میں جو نل ۔ رگ جاں خلق کے ہیں وہ بالکل
اس پہ سب اہل شہر جیتے ہیں ۔ سب بڑے چھوٹے اسکو پیتے ہیں
اس کے آگے ہے آگ آب صبوح ۔ کہ ہے سرسبز اس سے مزرع روح
کیوں نہ وہ آب آب کوثر ہو ۔ جس کا منبع حسین ساگر ہو
یاں جو پہنچا میں آئی تن میں جان ۔ نہ تھکن راہ کی رہی نہ تکان
آنکھ میں کھب گئی وہاں کی بہار ۔ ہوئی پیش نظر جناں کی بہار
آنکھ میری لڑی تھی چار طرف ۔ فوج مضموں کھڑی تھی چار طرف
پہلے پورب طرف جو ڈالی نگاہ ۔ شاہد فکر بولا بسم اللہ
پاؤں رکھنا یہاں سنبھل کے ذرا ۔ اس طرف ہے نشیب حد سے سوا
جھانک کے نیچے جس گھڑی دیکھا ۔ ڈھال تھا ڈھائی تین سو گز کا
تھا مگر کیا وہ اک ذرا سا ڈھال ۔ کہیں رکتا ہے شاعروں کا خیال
اس نے طے کی نہیں ہے کونسی راہ ۔ فرش سے عرش تک ہے جولانگاہ
آنکھ میری ادھر ہوئی جونہی بند ۔ طبع موزوں کا اسطرف تھا سمند
جا کے دیکھا سماں وہ فطرت کا ۔ جلوہ تھا اک خدا کی قدرت کا
تھی زمرد کی کان ساری زمیں ۔ سبزہ پر نظریں لوٹی جاتی تھیں
تھا بچھا فرش مخملی یکسر ۔ پھسلا جاتا تھا صاف پائے نظر

بکھرے تھے اوس پہ گوہر شبنم
ادن کا جلوہ نظر جو آتا تھا
کہ فلک نے جو دیکھ لی یہ بہار
جا بجا پھول سبزہ سے تھے عیاں
تارے تھے آسمان قدرت کے
زرد کوئی سفید کوئی تھا
موتیا تھا نہ تھا گلاب ادن میں
دور تک جھنڈ تھا ببولوں کا
کہیں پھولا ہوا تھا سنکیسر
کٹے کے نیچے اک سڑک ہے بنی
اس سڑک پر ہے اک مکان بنا
اب بھی لکھا ہے آہن نیکٹری
کیا خبر کیا بنا ہی آئی ہے ا
تھوڑی دور اس کے ہے زنانہ
کہتے ہیں اس کو کپڑے کی گرنی
کام کرتے ہیں سارا دن مزدور
برکت ہے یہ سارے دون کی
بیچ میں ایک نہر ہے جاری
دھوبی دھوتے ہیں جا بجا کپڑے
کوٹ پتلون سارے لاثانی
سب یہ اوضاع ملک کے ہیں نشان
دیکھ کر یہ نظارۂ جاں بخش
دور تک سامنے تھا عالم آب

آب میں جو تھے موتیوں سے نہ کم
شب کے تاروں پہ دھیان جاتا تھا
اپنے اختر کئے زمیں پہ نثار
سبزہ رنگوں کے ماتھوں کی افشاں
پیارے تھے مخمل بند فطرت کے
تھا کوئی سرخ اور کوئی اودا
پھر بھی تھی ایک آب تاب ادن میں
وہ سماں زرد زرد پھولوں کا
کہیں پر گرد میں آرہے تھے ثمر
جس پہ چلتے ہیں جھٹکے اور ٹبڈی
جو کسی وقت برف خانہ تھا
مگر اب رہتے ہوں گے دیو و پری
ہر طرف سے اداسی چھائی ہے
یہ مکان ہے بڑا رفیع الشان
اس جگہ کی ہے جس سے آبادی
یاں سے پلتے ہیں سیکڑوں رنجور
واہ کیا بات ہے تجارت کی
یاں سے واں تک بنی ہیں گھاٹ کئی
کیسے خوش رنگ خوشنما کپڑے
کرتی ساڑی چولی شیروانی
جن سے ظاہر ہے جامہ زیبی کی شان
اپنے مرکز پہ آیا فکر کا رخش
تھا جو تسکیں دہ دل بیتاب

(۱) کٹہ بند تالاب - (۲) جھنکلہ کرنکل - (۳) بنڈی کا چھکڑا۔

ہو چکا تھا بلند مہر فلک
لطف باقی نھی اس سماں کا نگاہ
موجیں چوگاں تھیں شہسوار سبا
جا بجا جو شعاعیں گرتی تھیں
چادر آب رواں کی سے نیلی
خم گردوں سے گرتی تھی جو شراب
پر تنک ظرف چونکہ از حد تھے
ٹیلے کچھ تھے میان آب بلند
کشتیاں چند اک طرف تھیں پڑی
فرش سے عرش تک تھا عالم نور
گرچہ آتی ہے شہر سے یہ سڑک
کٹے پر لیکن اہتمام ہے خاص
اس سڑک کی بیاں ہو خوبی کیا
ایک جانب ہے مہندی کی ٹٹی
دوسری سمت اک روش سے بنی
جا بجا بنچیں آہنی ہیں بچھی
دو مکاں ہیں سہ منزلہ
ایک منزل ہے جن کی آب سے بلند
چھت پہ ان میں سے ایک کی جو چڑھا
اک طرف شہر اک طرف لشکر
ہٹ کے لشکر سے اک عمارت تھی
جا کے پہنچا وہاں جو بیک خیال
کیا بتاؤں میں کس کا وہ گھر تھا

جس کے پرتو کی آب میں تھی جھلک
سطح پانی کی تھی کہ بازیگاہ
عکس خورشید گنبد سونے کا
ہوتا تھا اون کے دیکھنے سی یقین
کہ سنہری دھنک ہے جس میں لگی
ساغر سے بنے تھے جام حباب
ٹوٹے جاتے تھے جوشش مے سے
رخ لیلی کے خال کے مانند
تھے ہلال ایک آسماں پہ کئی
قدرت حق کا ہر طرف تھا ظہور
اور جاتی ہے منزلوں ہی تک
یاں صفائی کا انتظام ہے خاص
مانگ ہے مہ جبینوں کی گویا
خوشنما بیلیں پھولوں کی ہے چڑھی
شارع عام سے ذرا اونچی
جن پہ دم لیتے ہیں تماشائی
[illegible] جن کو اک عالم
ایک منزل ہے بند سے بھی بلند
سامنے شہر تھا کھڑا سا
تھے عجب خوشنما وہ دو منظر
شاہ عظمت و جلالت تھی
ہوا دل کو عجب طرح کا ملال
قبلہ گاہ مراد جو در تھا

۱ میونسپلٹی ۔ ۲ شہزادہ حیدرآباد ۔ ۳ لشکر بچھا ہوا، نام سکندرآباد ۔ ۴ ایوان بیگم پیٹھ

یعنے وہ آستانۂ اجلال — جو کہ تھا برج نیّر اقبال
جس میں رہتا تھا افتخار دکن — مایۂ عزت و وقار[علہ] دکن!
جس کا دست سخا تھا ابر کرم — جس کی بزم طرب تھی محفل جم!
نیک دل نیک نفس نیک نہاد — خوش سیر خوش صفات راد جواد
سیرت اوس کی کمال کا مظہر — صورت اوس کی جمال کا منظر
آپ لائق تھا اور لیاقت دوست — آپ اشرف تھا اور شرافت دوست
مِس کو مَس کر کے کرتا تھا وہ طلا — آدمی کا ہے کو تھا پارس تھا
کون تھا جو پہنچ کے اوس در تک — نہ ہوا ہو رہین حق نمک
پر یہاں کس کو ہے نمک کا پاس — بد بہت اور کم ہیں نیک اساس
مدعی اوس کے ہمنشیں نکلے! — دوست ہی مار آستیں نکلے
یہی سب باعث فتور ہوئے — وجہ ناراضی حضور ہوئے
نہ رہا شہ کو اعتبار اوس کا — خاک میں مل گیا وقار اوس کا
اسی اندوہ نے اوسے مارا — گر کے اس کوہ نے اوسے مارا
گردش روزگار پر افسوس — ایسے لیل و نہار پر افسوس
بادشہ یا کہ ہو گدا کوئی — نہیں اس دم کا آسرا کوئی
گنج قارون ہو اوس کا سرمایہ — قیصر و جم سے ہو فزوں پایہ
نوح کی عمر بھی اگر مل جائے — اور سکندر کا بخت بھی ہاتھ آئے
مثل حاتم سخا ہو اوس نے کی — نیک ہوتا ہو وسعت نیکی
اک جہاں تابع حکومت ہو — خلق ساری رہین منت ہو
فوج انجم سے ہو فزوں لشکر — اوس کے زیر نگیں ہوں سب کشور
زور چلتا نہیں قضا سے کوئی — نہیں ممکن لڑے خدا سے کوئی
کوئی نیکی بھی آڑے آ نہ سکی — دولت اقبال کو بچا نہ سکی
ظاہرا تھا مرض نہ بیماری — مرض الموت سے ہے ناچاری

علہ نواب اقبال الدولہ سر وقار الامرا مرحوم سابق وزیر اعظم حیدرآباد دکن

دن تو سارا شکار میں کاٹا
ہو ا ساتھی نہ کوئی کربت میں
کوئی خویش و عزیز پاس نہ تھا
گرچہ شہ بعد مرگ کن نیکوں
پھر بھی ہونے کے امر ہو نہ سکے
کس طرح سے نہ دل مکدر ہو
فرد کامل تھا جو زمانے میں
گو کہ میں اوس کا حق گذار نہ تھا
کیسی عبرت کی یہ مگر جا ہے!
کس خواں تھے جو وہ اب ہوئے کیا
جو تھا مطلب کا اپنے ساتھی تھا
مدح تو تے کہی نہ تھی ضامن
گرچہ تو ہے فقیر وہ تھا امیر
پر یہی شان آدمیت ہے!
کر دعا حق سے یہ بعجز و نیاز
الغرض دل میں آیا جب یہ خیال
نہ گراں گذری دھوپ کی گرمی
کبھی دنیا کے حال پر تھی نظر
روح افزا تھا جو کہ وقت سحر
کھلنا تھا جس ہوا سے غنچہ دل
مردنی چھا رہی تھی پھولوں پر
گردنیں ڈالے دیتے تھے اشجار
گرمیاں مہر کی جلاتی تھیں

شب کو خود ہو گیا شکار قضا
موت بھی آئی عین غربت میں
چند واماندہ نوکروں کے سوا
ہوئی لاش آکے شہر میں مدفون
بیٹے میت پہ آ کے رو نہ سکے
چشم اشکوں سے تر نہ کیونکر ہو
نہ رہا ہائے وہ زمانے میں
گو کہ اوس در پہ مجھ کو بار نہ تھا
کیسی ناحق شناس دنیا ہے
نوحہ خواں بھی نہیں کوئی اوسکا
اس کا ایک آشنا نہ تھا گویا
نوحہ کہہ لے یہی سہی ضامن
ہے دعائے فقیر جنس حقیر
یہی اک دوستی میت ہے
در رحمت ہو اسپہ یارب باز
ہوا جی خود بخود کچھ ایسا نڈھال
گھر پلٹ کر چلیں یہ شد ہ نہ ہی
کبھی اپنے مآل پر تھی نظر
کاٹے کھاتا تھا اب وہی منظر
انقباض اب اوسی سے تھا حاصل
خاک اڑھاتی تھی سبزہ کو چادر
تمتمائے تھے چہرہ اشجار
موجیں مچھلی سی تڑپی جاتی تھیں

خون کیطرح کھولتا تھا آب
چشم پرنم بنی تھی چشم حباب

بدلے شبنم کے اڑ رہی تھی خاک
گرد آلود تھا رخ افلاک

لوگ سب اپنی اپنی حاجت سے
آنے جانے لگے تھے کثرت سے

ساتھ ان سب کے ہو لئے ہم بھی
تھا مقدر میں ایک یہ غم بھی

سیر سے بھی ہوا نہ تازہ دماغ
پھول چننے گئے تھے لائے داغ

## تقریظ ترجمہ مراۃ العروس مترجمہ جی۔ ای۔ وارڈ۔ ایم۔ اے

مہر عالمتاب جب پنہاں ہوا
پڑ گیا دنیا پہ پردہ رات کا

ہر طرف سے اک خموشی چھا گئی
لے کے جام بیخودی نیند آگئی

کر دیا ایک اک کو مست خواب ناز
اٹھ گیا نیک اور بد کا امتیاز

ہو کے فارغ سارے دن کے کام سے
بستروں پہ لیٹے لوگ آرام سے

تیرگی تھی سارے عالم پہ محیط
اور غفلت نیند کی ہم پہ محیط

ہوشیاری ایسی غفلت پہ نثار
تھی خودی کی بیخودی آئینہ دار

کیوں نہ ہو اللہ کی رحمت ہے نیند
دافع گرد غم و کلفت ہے نیند

نام میں اس کے ہے جادو کا اثر
کرتی ہے ہر باخبر کو بےخبر

نشہ اس کا نشۂ مے سے ہے تیز
کرتی ہے اس سے خودی کوسوں گریز

گہ غم افزا گہ طرب اندوز ہے
روح اس کی مرغ دست آموز ہے

اس پہ وا ہر ایک باب بستہ ہے
مایۂ راحت پئے ہر خستہ ہے

جیتے جی جنت میں یہ پہنچاتی ہے
خاکیوں کو عرش پر لے جاتی ہے

لیٹے لیٹے کرا دیتی ہے سیر
دونو عالم کی دکھا دیتی ہے سیر

تخت شاہی پہ کبھی پہنچا دیا
قعر نکبت میں کبھی پھکوا دیا

حور بن کر جلوہ دکھلایا کبھی
دیو بن کر جی کو دہلایا کبھی

نیند جبدم آنکھوں میں آنے لگی
طرفہ تر نیرنگ دکھلانے لگی

تھا عجب لطف تماشہ خواب میں
خضر فرخ پے کو دیکھا خواب میں

لائے ہیں تشریف وہ عالی صفات
ہاتھ میں ہے ساغر آب حیات

مجھ سے فرماتے ہیں پی لے اس کو تو
ہے جو عمر جاوداں کی آرزو

جام یہ بھی جام جم سے ہے دیکھنا
دوست رکھنا جان سے اسکو سوا

اس میں آئیں گے نظر اشکال وہ
تھے نہاں مراۃ اسکندر سے جو

کھل گئیں آنکھیں جونہی دیکھا یہ خواب
غرق حیرت تھا دل پر اضطراب

فکر تھی یارب یہ سب کیا ماجرا
دیکھیں ہے اس خواب کی تعبیر کیا

کون ہے خضر اور ہے کیا آب حیات
جام جم کیسا یہ سب کیا واردات

اتنے میں خورشید نکلا دن ہوا
شب کی تاریکی کا پردہ اٹھ گیا

خواب راحت سے ہوئے سب ہوشیار
خلق کا جاری ہوا پھر کاروبار

یوہیں جب سات آٹھ نو دس بجگئے
ڈاکیہ وارد ہوا کچھ خط لئے

اون خطوں میں ایک بک پاکٹ بھی تھا
دیکھتے ہی جس کے جی خوش ہوگیا

تھا عیاں سرنامہ سے رنگ وداد
نور افزائے نظر خط کا سواد

کس طرح کہیے کہ وہ تحریر تھی
مشفق نادیدہ کی تصویر تھی!

الغرض دل کو زیادہ کب تھی تاب
جب لفافہ کھولا نکلی اک کتاب

پڑھ کے ٹیٹل پیج ظاہر ہوگئی
تھی جو کچھ تعبیر شب کے خواب کی

یعنے وہ جو خضر صورت تھی بزرگ
مجھ جو ہیں مہرباں جیسے بزرگ

ہیں وہ جی۔ ای۔ وارڈ صاحب ذی ہنر
فاضل نامی اردو بالغ نظر

جو ہیں اُستاد علوم مشرقی!
بلکہ نقاد علوم مشرقی!

ہیں ادیب کامل اردو زباں
جیسے کوئی فاضل ہندوستاں

آب حیواں ہیں وہ ان کا عجیب
جن کا سرچشمہ ہے اک ہندی ادیب

دل ہے بہر قوم جس کا دردمند
جس کی ایک اک بات ہی اک ایک پند

کر کے ظاہر فائدہ تعلیم کا!
جس نے کی ہے فکر بہبود نسا

کر دیا ہے جس نے یہ گر آشکار
عورتوں پر ہے ترقی کا مدار

عورتیں گر قوم کی جاہل رہیں
مرد لائق ہو سکیں ممکن نہیں!

جام وہ جسمیں یہ آب صاف تھا
ساغر جم سے ہے رتبہ میں سوا

یعنے شرح باب عادات العروس
نسخہ نایاب مراۃ العروس!

جو توجہ سے بنا ہے وارڈ کی
شمع فانوس زبانِ انگلسی

روشنی کا جس کی ہوگا یہ اثر
عورتیں یورپ کی جو ہیں باخبر

دیکھیں خط و خال محبوبان ہند
سمجھیں کچھ کچھ حالت خوبان ہند

جس سے پیدا ہوگا ربط باہمی
آئے گی بیگانگی میں کچھ کمی!

گرچہ بُعد ظاہری رہ جائیگا
ہوگا قائم باطنی اک سلسلہ

مل گئی تعبیر جب یہ خواب کی
پھر تو دل کی کچھ عجب حالت ہوئی

ہو گیا بیخود خوشی کے جوش میں
مست جیسے ہو نہ اپنے ہوش میں

وہ مئے ہندی جو تھی چکھی ہوئی
سامنے یورپ کے خم میں تھی دھری

یعنے پہلے جو کتاب اردو میں تھی
اب وہ انگریزی میں چھپ کر آ گئی

پھر خیال استفادہ ہو گیا!
شوق پابند ارادہ ہو گیا

کیا کہوں پڑھ کر ملا کیسا مزا
ہر ورق پر کرتا تھا شکر عطا

یوں تو انگلش کی ثنا ممکن نہیں
اس سے بہتر ترجمہ ممکن نہیں

صاف ہے سنجیدہ ہے آسان ہے
پھر بھی پوری ترجمے کی شان ہے

وارڈ سا فاضل کہاں ضائع کہاں
ذرہ نتواند رسد تا فرقداں

آپ کی تعریف اور میرا دہن
اس میں ہے خود مجھ کو بھی جائے سخن

# تقریظ ترجمۂ رباعیات حالی

## مترجمہ جی۔ ای۔ وارڈ۔ ایم۔ اے

الا اے ساقی صہبائے معنی!

خم و خمخانہ و ساغر کا صدقہ!

رہوں آخر یونہیں ناکام کب تک

کہاں میں اور کہاں یہ وحشتستاں

سخن فہم اور نہ ہے کوئی سخن سنج

نہ وہ صحبت نہ وہ احباب ہیں یاں

کلب کوئی نہ کوئی انجمن ہے

خمار بادۂ لطف شبانہ!

لبوں پر دم ہے تھوڑی سی پلا دے

میں ہوں میخانۂ ناسخ کا خمار

وہ مے دے دو جس سے درد دل ہو

وہ مے دے جو کہ ہو پروردۂ ذوق

وہ مے دے جو کہ ہو صاف اور بےغش

وہ مے طالب ہے جسکا محرم راز

وہ مے اعشیٰ و دعبل کے تھے جو

وہ مے دے پی چکا ہے جسکو سعدی

وہ مے جس مے کا خاقانی تھا خمار

وہ مے جس مے کا متوالا تھا جامی

وہ مے دے جس پہ تھا خیام کو ناز

وہ مے جو تھی خم خسرو میں باقی

بہت بےکیف ہے شیدائے معنی

خبر لے ساقی کوثر کا صدقہ

نہ دیگا روح پرور جام کب تک

کہاں بلبل کہاں شور دلستاں

ہوں تنہا کنج عزلت میں سخن سنج

نہ دلچسپی کے کچھ اسباب ہیں یاں

نہ لکچر روم نے بزم سخن ہے

ہوا ہے سرگرانیکا بہانہ

دل مردہ کو مے دے کر جلا دے

مجھے ہے آتش سیال درکار

وہ دارو دے کہ امرت بھی خجل ہو

کہ دل میں شعلہ زن ہو آتش شوق

کرے جو صیقل مرآت دانش

وہ مے پیمانہ جس کا ہے خدا ساز

وہ مے سحبان وائل پیتے تھے جو

جو ہے فردوسی و حافظ کی جھوٹی

وہ مے جس مے کا شائق تھا سرشار

وہ مے عاشق تھا جس مے پر نظامی

وہ مے جس سے ہو کشف ترمذی از

ولی اللہ تھا جس مے کا ساقی

وہ مے پیتے تھے جس کو میر و سودا
وہ مے دے ذوق کو تھا ذوق جسکا
وہ مے رکھتی تھی غالب کو جو سرشار
وہ غالب نازش ہندوستاں تھا
دوات اوس کی تھی اور نغمہ خامہ اوسکا
اوسی غالب کا حالی جانشیں ہے
الا اے خواجہ تا خواجہ حالی
چگویم من چنینی یا چنانی!
ترے دم سے ہے اب رونق سخن میں
ثنا میں تیری یہ کہنا ہے کافی!
دکھائی شاعری کی اک نئی راہ
یہ کیا کم ہے کہ تیری فکر روشن
نہ کیوں کر اس خوشی سے شادماں ہوں
سنا جب مجھ سے یہ افسانہ شوق
جسے پیتے ہی گویا جی اٹھا میں
وہ مے کیا تھی؟ نہ تھی صہبائے خلر
نہ تھا وہ بادہ آب پرتگالی
نہ شیری تھی نہ وسکی تھی نہ رم تھی
وہ مے تھی طاہر و صافی و بے کیف
غلط ہے تھی مے کوثر کی ثانی
وہ قطرے ریزش خون جگر سے تھے
ثمر وہ جو دوائے علت جہل
اور اس صہبائے جاں پرور کا ساقی

تبرک جانتے تھے جس کو آتش
وہ مے مومن کو بھی تھا شوق جسکا
وہ غالب فکر سے جسکی فلک پست
وہ غالب تاج فرق شاعراں تھا
ذلالت کیسے وہ فخر اسلاف تھا
سپہر نظم کا مہر مبیں ہے
زہے حکم پایہ ات گردنہ عالی
کہ گویم ہر چہ بالاتر از انی
ہے تجھ سے تازگی حرف کہن میں
کہ تو نے کی گزشتہ کی تلافی
کہ تا آئندہ نسلیں ہوں نہ گمراہ
ہوئی یورپ میں جا کر پرتو افگن
سخن میں میں بھی تیرا ہم زباں ہوں
دیا ساقی نے اک پیمانہ شوق
کہ گو مردہ نہ تھا دل مردہ تھا میں
وہ مے کیا تھی؟ نہ تھی وہ آتش تر
نہ تھی وہ مے شراب یا محالی
زباں سے کیا بیاں ہو لذت اسکی
مے کوثر کی ثانی بے کم و کیف
وہ تھی افسردہ روح معانی
کہ حالی کی ریاضت کے ثمر تھے
اثر ہے جس کی ہوں نااہل بھی اہل
ہے یورپ کی مثال خوش مذاقی

یہ تحفہ وارڈ کا بھیجا ہوا ہے!
ہے یہ گرچہ وہی سرجوش معنی
وہی معشوق ہے یہ جس کا ہردم
پر اب شکل اور ہی پیش نظر ہے
ملے جب صورت ایسی وضع ایسی
مترجم ہے رباعیات حالی
مصنف شمس چرخ علم و دانش
ہے جیسی وارڈ نے دی داد تحقیق
انہیں کا کام ہے دانش پرستی
انہیں کو دی ہے حق نے یہ کرامت
یہی ہیں آج حلال دقائق
یہی ہیں قدردان علم و ادب کے
یہی ہیں جوہری دُرِّ شرف کے
یہی ہیں فاتح باب فضیلت
انہیں کا ہے عمل خدا صفا پر
نمونہ جس کا یہ اک ترجمہ ہے
یہ ہے اس ترجمہ میں خاص خوبی
معانی من و عن سمجھا دیے ہیں
پھر اوس پر شرح ہے نور علیٰ نور
لکھے ہیں جو تلفظ کے قواعد
جو انگریزی بھی ہو جائیں یہ رائج
غلط ہونے نہ پائے گا تلفظ
لکھی ہیں مختصر تلمیحیں جتنی!

یہ جام بادۂ خدا صفا ہے!
زباں پہلے بھی جس سے آشنا تھی
بھرا کرتے ہیں ابنائے وطن دم
لباس یورپی میں جلوہ گر ہے
نہ کیونکر ہو عیاں قدرت خدا کی
ہیں گویا گنج یاقوت و لآلی
مترجم فخر ایوانِ انگلس
ہے اس کی اہل یورپ ہی کو توفیق
انہیں پر رحمت حق ہے برستی
بنا دیتے ہیں ہر رائی کو پربت
انہیں پر وا ہیں ابواب حقائق
یہی ہیں راہبر راہ طلب کے
پرکھنے والے ہیں لعل و خذف کے
یہ ہیں دنیا میں ارباب فضیلت
خذف ریزوں سے چن لیتے ہیں گوہر
جو انگریزی میں اردو سے ہوا ہے
کہ مثل اصل ہے ترتیب رکھی
مطالب مو بمو سلجھا دیے ہیں
ہیں جس سے آشکارا رمز مستور
نہیں پوشیدہ کچھ ادن کے فوائد
تو نکلیں گے بہت اچھے نتائج
سمجھ میں جلد آئے گا تلفظ
تحقیق پر ادن میں ہے مبنی

ضروری وزن بہتر بنے ہیں
کہ یورپ والے موزوں شعر پڑھیں
غرض جو بات ہے ہے قابل داد
بجا ہے چشم خوباں سے ہو گر صاد
بس اے ضامن قلم کو روک بس کر
سخن کو ختم کر شکر عطا پر

# رباعیات

چھوا، جو، گاڈ، ایشور، کیا ہے تو
اللہ ہے یا علت اولی ہے تو
سب کچھ کوئی کہتا ہے کوئی کچھ بھی نہیں
ہے پر مصداق ما عرفنا ہے تو

گر نور زمین و آسماں ہے تو وہ ہے
پیدا ہے تو وہ ہے اور نہاں ہے تو وہ ہے
دیر اور کعبہ میں ہے فقط راہ کا پھیر
یاں ہے تو وہ ہے اور وہاں ہے تو وہ ہے

ہے جس سے یہ معمورۂ ہستی آباد
معدوم وہاں عدم کی ہے جڑ بنیاد
حقا کہ فنا نہیں ہے عین بقا
تبدیل صور ہے معنی کون و فساد

بطحا میں تو نے جب ولادت پائی
اس خاک نے آسماں کی رفعت پائی
کب تجھ سے شرف عرب نے تنہا پایا
گیتی نے ترے قدم سے عزت پائی

آثار جہاں ہیں دل دکھانے والے
اسلام پہ ہنستے ہیں زمانے والے
منجدھار میں ہے پھنسا جہاز امت
اے کشتی نوح کے بچانے والے

کفر و اسلام کچھ بہت دور نہیں
بندہ کو خدا کہوں یہ مقدور نہیں
ہاں بندۂ حق نما علیؑ ہے ضامن
ممدوح خدا کے وصف مستور نہیں

ساغر سے ہے کچھ کام نہ صہبا سے غرض
گو مست ہوں ساقی پہ نہیں بادہ پرست

خم سے مطلب ہے اور نہ مینا سے غرض
مجھ کو ہے فقط تری تولا سے غرض

لیتے نہیں کام عقل سے خانہ خراب
پھر اوس پہ یہ شوخ چشمیاں تو دیکھو

کرتے ہیں خطا چھوڑ کے خود راہ صواب
دیتے ہیں خدا کو فاعل شر کا خطاب

خالق نے عبث نہیں دیے عقل و شعور
کرتے نہیں ہم آپ تمیز بد و نیک

ناداں ہے بتائے جو بشر کو مجبور
اور تھوپتے ہیں خدا کے سر اپنا قصور

بار دنیا ہی ہم سے جب اٹھ نہ سکا
سنگینی خشت سے گریزاں ہوئی جو

اٹھے گا بوجھ کس طرح عقبیٰ کا
اوس خاک سے خاک ہوگی کعبہ کی بنا

قلب روشن خدا نے جس کو ہے دیا
افسوس ہماری زشت اعمالی سے

اوس کی شب تار میں بھی ہے نور صفا
روز روشن بھی ہے نظر میں تیرہ

گذرا ماضی عبث ہے اب اوسکا ملال
کرنا ہے جو وہ جلد کرے ضامن

موہوم ہے آمد آمد استقبال
کچھ قابل اعتبار گر ہے تو یہ حال

گو دولت و وقت دونوں ہیں بیش بہا
مل جاتی ہے کھوئی ہوئی دولت ضامن

دولت سے کہیں وقت کی قیمت ہے سوا
کھویا ہوا وقت پھر نہیں ہاتھ آتا

آخر سستی و جہل تا کے ضامن
دنیا کی فکر اور نہ عقبیٰ کا خیال

غفلت کی کوئی انتہا ہے ضامن
یہ بے خبری خیر تو ہے اے ضامن

تقدیر پہ تکیہ وہ کیا کرتے ہیں !
بیماری جہل کا نہیں کوئی علاج
فطرت کے خلاف جو سدا کرتے ہیں
کرنی ہو دوا جب تو دعا کرتے ہیں

قسمت کا گلہ فلک کا شکوہ کب تک
جس ہاتھ سے کر سکتے ہو سب کچھ ضامنؔ
غیبی امداد کی تمنا کب تک
اوس ہاتھ کو سر پہ رکھ کے رونا کب تک

ہر چند کہ تقدیر سے انکار نہیں
ضامنؔ اسلام پھر کہاں گر یہ کہیں
اسباب و علل کی بحث بیکار نہیں !
تدبیر سے قسمت کو سروکار نہیں

ہر کوشش کا ہے چونکہ مخفی انجام
سوچو تو سہی مخبر صادق کا ہے قول
تقدیر نتائج علل کا ہو اتمام
مجھ سے ہے سعی اور خدا سے انعام

یک لحظہ سمند سعی ساکن نہ ہوا
تقدیر تھی تدبیر غلط کی دشمن !
پھر بھی جیا اٹھتا جو وہ ممکن نہ ہوا
قائم بالنار یار وہ اک دن نہ ہوا !

الٹی ہے زبسکہ اپنی ہر اک تدبیر
ہے نقص تسلسل علل وہ در اصل
ہو جاتی ہے دلیا جو پکاتے ہیں کھیر
یاروں نے ہے جس کا نام رکھا تقدیر

جس طرح کا ربط جسم اور جان میں ہے
دیکھا نہیں جس کو سب ہیں جویاں اوسکے
نسبت وہی مذہب اور انسان میں ہے
ہر دل میں وہی ہے گو کسی شان میں ہے

لاعلمی حق سے ہے گو ہنگامہ بپا
ممکن ہی نہیں خیال مذہب سے نجات
ہے فکر بشر ازل سے حق کی جویا
عبد شیطاں ہے جو نہیں عبد خدا

آتے ہیں نظر جبہ و دستار کہیں ! ہے سوٹ کہیں جامہ و شلوار کہیں
قوم ایک سا ہو کیسے جب ہوں قومیں اتنی دیکھی نہیں پھوٹ کی یہ پھٹکار کہیں

کوٹ اور پتلون کے پہننے والو گوروں کی شکل بننے والے کالو
تقلید نے فیشن کی کیا تم کو تباہ اپنی حالت پہ اک نظر تو ڈالو

ہرگز نہیں بد وضع فرنگستانی اچھے کو برا کہوں یہ ہے نادانی
لیکن فیشن کا بھوت سر پہ چڑھ پاؤ آخر کس برتے پہ یہ تتا پانی

ہو صحن چمن جلوۂ جانانہ ہو ساقی ہو مے ہو اور پیمانہ ہو
سب جائیداد و ذکر عیش ہے نصف ابتیں پر وہ بھی جبھی کہ پیٹ میں دانہ ہو

آخر ہے شباب جوش مستی کب تک ذوق رندی و مے پرستی کب تک
ضامن یہ بیخودی عیاذاً باللہ سمجھے گا تو نہ اپنی ہستی کب تک

ہے کون سی بات جس کا امکان نہیں مشکل ہے وہ کیا مجھ پہ جو آسان نہیں
پھر بھی کوئی مجھ سے بڑھ کے نادان نہیں پہچان ہے سب کی اپنی پہچان نہیں

گو بے ہنری اور تہی دستی ہے غفلت ہے جہل ہے بے مستی ہے
افلاس کا غم کچھ نہیں ہم کو ضامن جب تک دارو ئے بیخودی سستی ہے

پیرایہ عروج و پستی ہے تو رونق افزائے بزم ہستی ہے تو
سب تیرے لئے گرم تماشا گہ دہر افسوس ہے گر رہین مستی ہے تو

| | |
|---|---|
| اسپ ہمت کبھی بدی کرتا ہے<br>امید و رضا سعی و تحمل کو نہ چھوڑ | نفس سرکش کہیں خودی کرتا ہے<br>جو کرتا ہے فضل ایزدی کرتا ہے |
| جنس عشرت نہ ہوتی سستی کب تک<br>آنی تھی بہار آگئی آخر کار | توبہ دیتی نہ اذن مستی کب تک<br>میخانہ پہ رحمت نہ برستی کب تک |
| صوفی کو کمال خرقہ پوشی سے ملا<br>کیونکر نہ منائیں خیر میخانے کی | واعظ کو عروج خود فروشی سے ملا<br>ہم کو دل صاف بادہ نوشی سے ملا |
| میخانہ میں آؤ مے پرستی دیکھو<br>**ضامن** توبہ! یہ گوشہ گیری کب تک | ہنگامۂ بیخودی و مستی دیکھو<br>کچھ لطف بہار باغ ہستی دیکھو |
| گو کیسے ہی معیوب ہوں افعال بشر<br>گر قید ہے بیگم کے شرافت کی دلیل | ممدوح ہیں سب ہیں داخل رسم اگر<br>اخبار کے ساتھ رقص میڈم ہے ہنر |
| جس کے ہیں زبان و مذہب و مسکن ایک<br>لیکن مالک ایک اور اغراض ہوں ایک | کہتے ہیں وہ گروہ ہے نیشن ایک<br>ہے قوم کا یہ صحیح ڈفنیشن ایک |
| جس گھر میں ہو اختلاف چلتا نہیں کام<br>ہیں مشترک اغراض تمدن کی بنا | ہو جاتی ہے گھر والوں کی وال زیست تمام<br>مجموعۂ افراد ہی کا قوم ہے نام |
| ہوں لاکھ زبان و مذہب و مسکن ایک<br>افراد کے اغراض مخالف ہیں جہاں | مشکل ہے کہ ہوں راہبر و رہزن ایک<br>کیونکر وہ گروہ بن سکے نیشن ایک |

ہے بغض و حسد نے ہر طرف سے گھیرا
کرتا نہیں اتفاق ہم تک پھیرا
کیسی قوم ایک ہو جبتک اغراض
یارب کہیں دور ہو یہ بسیرا تیرا

ہندی ہیں عرب عجم میں گر جاتے ہیں
اور ہند میں رہ کے ترک کہلاتے ہیں
لیں گے کس منہ سے ملک اور قوم کا نام
ہم اپنے تئیں سب سے جدا پاتے ہیں

ہمدردی ملک اون میں ہو کیا پیدا
ہے جن کی ادا ادا سے کینہ پیدا
بھائی کو بھائی کھائے جاتا ہے جہاں
دنیا سے وہ قوم کاش ہو ناپیدا

ہندو ہیں کہ مسلم کو ملیچھ جانتے ہیں
مسلم ہیں کہ ان کا کفر گردانتے ہیں
کس طرح سے ایک قوم ہوں گے ہندی
جب گھر ہی میں روز جنگ کی ٹھانتے ہیں

کیوں لڑتے ہو گر ہیں رسم و آئین جدا
مٹی تو ہے ایک ہوں جو ہیں دین جدا
کچھ بھی یہ مآل کار کو سمجھیں گر
عبدالحق سے نہ پھر ہوں شیودین جدا

آئی ہے بہار سبز ہیں دشت و جبل
جنت کو رشک دے رہا ہے جنگل
گردوں سے لگی ہے زد باران کہسار
حوریں بھی تو اب آئیں گی بن ٹھن کے نکل

خامی ہے یہ غرور خاکساری کب تک
دریوزہ گری و ہنروکاری کب تک
ہے فقر میں جھوٹ دعوئے خلق حسن
عیب ظاہر کی پردہ داری کب تک

وہ مرد نہیں جو معرکہ سے ہٹ جائے
جو کام کرے بشر اوسی پہ ڈٹ جائے
نامردی و مردی میں بہت فرق نہیں
پیچھے جو پڑے ایک قدم سر کٹ جائے

| | |
|---|---|
| بچے چڑیا کے اڑنے لگتے ہیں جہاں<br>لیکن ہے جہاں معاشرت مشترکہ | کرنی نہیں پھر ان کی خبرگیری ناں<br>وہ قوم دبی ہے زیر بار اخوان |
| میراث اب وجہ کی توقع ہے جہاں<br>دولت کی فراہمی کا انجام یہ ہے | بیٹوں کو فلاح کی نہیں فکر وہاں<br>آپس کی مخالفت سے گھر ہو ویراں |
| میراث میں مال اور نہ زر چھوڑ کے جاؤ<br>دختر سے بھی ناخلف پسر بدتر ہے | ممکن ہو تو کچھ علم و ہنر چھوڑ کے جاؤ<br>گر چھوڑتے ہو خلف پسر چھوڑ کے جاؤ |
| انگلش کا اگرچہ مرحلہ ہے درپیش<br>یہ جامہ عاریت مبادا چھن جائے | اردو کا خیال چاہیے بیش از بیش<br>بایر پیراستن کہن خرقہ خویش! |
| درپیش ہے کیسی سخت مشکل دیکھو<br>اردو میں عوام کو دیا گر نہ رواج | ہشیار ہو یونیورسٹی بل دیکھو<br>رہ جائے گی ساری قوم جاہل دیکھو |
| اس تنگی نظام سے غلامی اچھی<br>اعلیٰ تعلیم کو کہاں [illegible] ہیں | ان قیدوں سے ہے قید غلامی اچھی<br>تھی ہم کو ہماری شرح جامی اچھی |
| کہتے ہو گورنمنٹ نے یہ پاس کیا<br>تم خود کوئی فکر اپنی کرتے نہیں کیوں | تعلیم کا لے کے ستیاناس کیا<br>اچھا کیا کرزن نے جو بل پاس کیا |
| اقلیم سخن کو ملک جم جانتے ہیں<br>آئینہ فکر مظہر قدرت ہے | اس فخر سے اور فخر کو کم جانتے ہیں<br>اس جام جہاں نما کو ہم جانتے ہیں |

| | | |
|---|---|---|
| مر ہوں کرم اگر طبیعت ہوتی<br>اکرتا نہ کبھی کسی کے سجدہ سے گریز | | اس درجہ نہ سرکشی کی عادت ہوتی<br>شیطاں کو جو آدمی کی صحبت ہوتی |
| ہے مد نظر دل کی خرابی کب تک<br>حیراں ہوں نگاہ مست کی شوخی سے | | با وصف حجاب بے حجابی کب تک<br>کعبہ میں رہے گا یہ شرابی کب تک |
| جز سنگ ملامت اور کیا ہاتھ آیا<br>دیوانگی عشق کو شہرت دے کر | | اطفال کو اک شغل نیا ہاتھ آیا<br>کھویا جو اعتبار تھا ہاتھ آیا |
| انسان کا فرض زندگی ہے محنت<br>تکلیف اٹھائی جس نے ڈھونڈا آرام | | وجہ آسائش دلی ہے محنت<br>راحت پائی ہے جس نے کی ہے محنت |
| کہتے ہیں جس کو اعتبار اہل نظر<br>منظور جو ہو خلق میں عزت پانا | | موقوف نہیں وہ جاہ اور منصب پر<br>ضامن آپ اپنی پہلے تو عزت کر |
| یہ خط و محیط و مرکز امکانی<br>یعنے کہ ازل سے تا ابد بحر وجود | | یہ قطرہ و موج و شورش و طغیانی<br>ہے حاصل ضرب نقطہ حیرانی |
| نیکی و بدی جہاں میں یوں ہیں توام<br>نیکی کی جھلک سے کب بدی ہے خالی | | دریا دو جیسے مل کے بہتے ہوں بہم<br>جز خیر اتم نہیں کوئی خیر اتم |
| مانا یہ مانگنا خطا ہے نہ ثواب<br>لیکن ہے دنائت سے بھی بدتر وہ کرم | | یہ بھی مانا کہ ہے برا تلخ جواب<br>ہوں قوم کے جس کرم سے عادات خراب |

اک منعم جز رس سے کسی نے یہ کہا
بولا وہ ہنسیں مجھ پہ مگر ادن کے لئے
ہنستی ہے ترے بخل پہ ساری دنیا
ہر دم ہوں میں آٹھ آٹھ آنسو ر

کون ان کو گدا کہے گا جو سنڈ مسنڈ
ان ڈاکوؤں کے مربیوں کو دیکھو
کھا کھا کے حرام لقمہ ہیں پھیلتے ڈنڈ
کیا ان ہوں کو خیرات پر اپنی ہے گھمنڈ

آغوش ہے ماں کی درس گاہ جمہور
عورت ہی سے ہے مرد کی ہستی قائم
ملتا ہے یہیں [illegible] لا درس شعور
تعلیم نساء ہے اصل تعلیم ذکور

کوشش وہ چاہیے کہ نا اہل ہوں اہل
کہہ دو کہ نہ گھبرائیں محبانِ [illegible]
[illegible] ہے پردہ جہل
کر دیگا [illegible] ہی مشکل کو سہل

سچ بات کے کہنے میں [illegible] پیش نہ کر
آزادیٔ رائے کی سپر ہاتھ میں لے
ملا سے نہ ڈر خیال درویش نہ کر
تیغ اوہام سے جگر ریش نہ کر

صحت کے لئے دوا کی تدبیر نہ کر
محنت کو بنا کلید ابواب مراد
دولت کے لئے شکوہ تقدیر نہ کر
اکسیر یہی ہے فکر اکسیر نہ کر

ہرچند کہے کوئی کہاں مانتے ہیں
ناصح انہیں سمجھانے سے حاصل کیا ہے
کرتے ہیں وہی دل میں جو ٹھانتے ہیں
ضامن کو تو آپ اچھی طرح جانتے ہیں

ضامن مذہب ہے گر تعصب کا نام
جنت میں جائے یا کوئی دوزخ میں
ایسے مذہب کو دور سے اپنا سلام
ہم ساتھ ہیں جس کے ہم کو اس سے کیا

| | | |
|---|---|---|
| .ی پائے ہوئے لیاقت والے<br>مغرور نہ ہوں کتب کی حالی پر ا | | باشمار بمقدار فضیلت والے<br>ہیں اور ہی چیز علم کے متوالے |
| داغ دل بیتاب دکھایا نہ گیا<br>خودداری و عشق ! کوئی نسبت ہے بھلا | | حرف مطلب زباں پہ لایا نہ گیا<br>رونے کے سوا کچھہ اور آیا نہ گیا |
| گرد شہر کی دور ہیسے ہو بیتاب بہت<br>محبوب نگر کے بھی مناظر دیکھو | | یاد آتی ہے وہ صحبت احباب بہت<br>حس ہوں تو ہیں تفریح کے اسباب بہت |
| دہقاں جو چراتے ہیں مویشی اکثر<br>کیا باعث ننگ ان کی یہی محنت ہے | | ہل جوتتے ہیں کرتے ہیں اوقات بسر<br>جس سے سلطان کا ہے خزانہ پُرزر |
| کیا غم ہے اگر منصب و جاگیر نہیں<br>کہتے ہیں جو مفت خوردہ کہتے دو | | اہل دولت ہیں کوئی توقیر نہیں<br>پیشہ ہیں کسی طرح کی تحقیر نہیں |
| کاندہے پہ جو صرف ایک کمل ڈالے<br>ہے ! وہ کسب ہنر ان ہیں بھی | | پھرتے ہیں برہنہ جسم کالے کالے<br>سمجھیں گر قوم کے دو تنا سے والے |
| ذرات خلا میں چند تھے سرگرداں<br>دنیا کا ہے اتفاق پر دار و مدار | | یک جا ہوئے آراستہ کی بزم جہاں<br>پڑ جائے اگر پھوٹ قیامت ہو یہاں |
| صوفی کہتا ہے رنج و غم کچھہ بھی نہیں<br>مانا کہ خیال و خواب دنیا ہے ۔ گر | | جاہ و حشم و طبل و علم کچھ بھی نہیں<br>جب ہم ہیں تو کیسے کہیں ہم کچھ بھی نہیں |

| | | |
|---|---|---|
| رد ما ہیں ہر اک چیز کا دیوتا تھا جدا<br>لیکن کیا تہ کی بات تھی اس میں جو | | مندر ایک اک کا آسماں فرسا تھا<br>تھا پست ہر اک سے بتکدہ عزت کا |
| جوہر نہ ہوں ذات میں جہاں کچھ بھی نہیں<br>کچھ کر کے دکھاؤ یا کچھ ہو کے دکھاؤ | | شیخ و مرزا و میر و خاں کچھ بھی نہیں<br>یاں قدر فلاں ابن فلاں کچھ بھی نہیں |
| شادی ہے جہاں غم بھی وہاں ہوتا ہے<br>ہر چند کہ گل ہے صاحب مال و منال | | ہنستا ہے جو بہت وہی روتا ہے<br>شبنم کے آنسوؤں سے منہ دھوتا ہے |
| مفلس ہے لباس صاف اور پاک نہیں<br>دہقاں ہیں یا اور ایسے لاکھوں ہیں عیب | | تقریر فصیح شستہ ۔ بیباک نہیں<br>پر شہریوں کیطرح سے چالاک نہیں |
| یہ گوہر معنی کے پرکھنے والے<br>سچ ہے انہیں کیا ملے سخن کی لذت | | ایک واہ کو ہیں عزیز رکھنے والے<br>جو خود نہیں خون دل کے چکھنے والے |
| ناقدری احباب کا غم کیا ضامن<br>یاد آئیں گی تیرے بعد تیری باتیں | | ان لوگوں کا ہے یہی طریقہ ضامن<br>ہیں مردہ پرست اہل دنیا ضامن |
| حاصل کیا کیسی محنتوں سے یہ کمال<br>شاید دے کوئی اوس کے ابرو سی مثال | | لیکن نہ ہوا نصیب عارض کا جمال<br>اسواسطے بدر گھٹ کے بنتا ہے ہلال |
| عیاری و مکر کی ہیں جتنی گھاتیں ا<br>لیکن جو کرو کبھی دیانت کا ذکر | | رکھا ہے اون کا نام میٹھی باتیں<br>یاروں کی تلخ ہوتی ہیں اوقاتیں |

| | |
|---|---|
| ہوتا ہے کہیں گرا جو ٹیوں کا شمار<br>لیکن اپنا ہے یہ وظیفہ ضامن | بندھتی ہے فضیلت کی کہیں پہ دستار<br>افلاس پہ لاکھ بار شیطان کی مار |
| سر سے سودائے یار کیونکر نکلے<br>کیا جانتے تھے عشق میں ہوگی یہ خلش | دل سے مژگاں کا خار کیونکر نکلے<br>نشتر ہے جگر کے پار کیونکر نکلے |
| ثابت ہے اصول ارتقا گر بہ سند<br>ہے اپنے تنزل سے ہمیں اندیشہ | قائل ہیں تقہقر کے بھی ارباب خرد<br>پھر ابن قرد کہیں نہ ہو جائے قرد |
| بزم کون و فساد ہے دشت وغا<br>ادنیٰ کے لئے کہیں نہیں جائے قرار | ہر دم ہے جہاں بقا کی خاطر جھگڑا<br>فطرت کو پسند ہے بقائے اولیٰ |
| کیسا ہی حقیر کیوں نہ ہو کوئی کام<br>ہر شے ادنیٰ ہی سے ہوئی ہے اعلیٰ | لازم ہے سلیقہ سے کرو اسکو تمام<br>خوبی آغاز کی ہے حسن انجام |
| کہتے ہیں کہ مقراض محبت ہے قرض<br>ممکن ہے کہ یہ ہو پہ شک اسمیں نہیں | ہم چشموں میں باعث ندامت ہے قرض<br>دولت کا عدو دشمن راحت ہے قرض |
| عاشق ہوا دل دیا بہت خوب کیا<br>بدتر زگنہ عذر گنہ ہے ضامن | بادہ سر رہ پیا بہت خوب کیا<br>جو اس کے سوا کیا بہت خوب کیا |
| سہو و نسیاں سے ہر بشر ہے مجبور<br>بھول گئے کہ خود سراپا ہیں خطا | کیوں ہنستے ہیں نکتہ چیں خدا کے مقہور<br>کرنے لگے دوسروں کا اظہار قصور |

کھوتی ہے وقار جس طرح سے عسرت
یارب نہ ہو منظور مٹانا جو ہمیں !

کرتی ہے یوہیں سلب شرافت دولت
دے فقر و غنا کی درمیانی حالت

الفت میں آبرو گنوائی ضامن
اس پر بھی نہیں وفا کے قائل وہ اگر

کیا کیا نہ جہاں کی خاک اڑائی ضامن
یہ ہے ترے قسمت کی برائی ضامن

کیوں داغ بدل ہے لالہ معلوم نہیں
سب ایک طرف غم رقابت ان کا

کیوں گرد قمر ہے ہالہ معلوم نہیں
مجھ کو ہوا کیوں حوالہ معلوم نہیں

دیوار پہ زنداں کی ہوں گر نقش و نگار
آرائش ظاہری سے حاصل ضامن

قیدی کو نہ ہوگی اس سے فرحت زنہار
جب دل کو نہیں نصیب اک لحظہ قرار

جس کو نہ تامل کی ہو عادت مطلق
ناصح کیطرف سے پنبہ در گوش ہی جو

ہے کاغذ باد اوس کو حکمت کا ورق
وہ جہل کا لیتا ہے فلاطوں سے سبق

کب عاریتی حشم سے ارماں نکلا
گو تخت صبا و منطق طیر نہ تھے

جب چھن گئی پوشاک تو عریاں نکلا
ناٹک میں ہر اکٹر سلیماں نکلا

آساں ہے عاقلوں پہ ہر درس دقیق
اک ذرۂ ناچیز سے تا شمس و قمر

پتے کے کھڑکنے سے یہ لیتے ہیں سبق
دیکھو جسے ہے نسخہ قدرت کا ورق

شہرت ہے کمال کی وطن کے باہر
ضامن نکلی ہوئے جو کستوری سے

گوہر کی ہے آبرو عدن کے باہر
پھر قدر کہاں چلو دکن کے باہر

| | |
|---|---|
| رو نیکا مرشد عیب نہ پوچھو ہرگز<br>بیٹھا ہوں شاہ راہ مایوسی پر | کیا حال ہے دل کا اب نہ پوچھو ہرگز<br>منزل سطے ہوگی کب نہ پوچھو ہرگز |
| کچھ غم نہیں گر طاعت واجب ہے قضا<br>ضامن ہے مگر حسرام جنت اوس پہ | غفار ہے بے نیاز ہے اپنا خدا<br>ہو خدمت قوم کا نہ جس کو چسکا |
| رہتے نہیں ایک حال پر لیل و نہار<br>صد شکر کہ گھٹ رہی ہے تاریکی جہل | آتا ہے خزاں کے بعد ہی دور بہار<br>ہیں صبح ترقی کے نمایاں آثار |
| آب حیواں سے خضر نے کیا پایا<br>ہے علم میں بھید زندگی کا مخفی | کیا لطف حیات جاوداں کا پایا<br>سب کچھ پایا اگر یہ چشمہ پایا |
| ہے کوئی صلہ خوب نہ انعام اچھا<br>اعمال کا ہے خلوص نیت پہ مدار | شہرت اچھی ہے اور نہ ہے نام اچھا<br>سب کام اچھے ہیں گر ہو انجام اچھا |
| ضامن دل خود کام سے ہے ناکام اچھا<br>تم نیک نہ بن سکو تو بد بھی نہ بنو | وہ کام کر جس کا ہو انجام اچھا<br>دنیا میں ہے بدنام سے گمنام اچھا |
| غور نہ گر حقائق اشیا میں<br>[illegible] حباب چشم بن جا ہمہ تن | کیا فرق ہے بے بصر میں اور بینا میں<br>اک دم کی بھی فرصت ہو گر اس دنیا میں |
| اک حال پہ قائم کوئی صحبت نہ رہی<br>ضامن پھر ہم ہیں اور غم تنہائی | مرغوب ہوئی جو وہی صورت نہ رہی<br>چندے یکجائی شہامت[ہ] نہ رہی |

ہ مولوی سید شہامت حسین کنتوری سلمہ برادر خالہ زاد مصنف۔

تعلیم مدارس میں بہت دن پائی
مدت تک خاک افسوں کی چھانی

پھر پاس کیا کوئی بصد رسوائی
یوں دس کی کہیں سے نوکری ملی تو آئی

کیوں پیر فلک نے آج بدلا ہے رنگ
کیا موت کو اور کوئی حیلہ ہی نہیں تھا

کیوں ہم سے زمانہ ہو گیا برسر جنگ
کیوں حلقہ گرداب بنے کام نہنگ

رود موسی کہاں یہ طوفان کہاں
مرضی جو کچھ تیری رضینا بقضا

نالے کو سمندر کی ملی شان کہاں
خالق سے بشر لڑے یہ امکان کہاں

جب شہر کی وہ بہار یاد آتی ہے
چھاتی پر سانپ لوٹنے لگتا ہے

یاروں کو لہو کے اشک رلواتی ہے
رود موسی پہ جب نظر جاتی ہے

آفت دیدہ ہوں اور دل افسردہ ہوں
حیران ہوں خود کون ہوں کس حال میں ہوں

زخم تیغ غم نہاں خوردہ ہوں
بس اتنی خبر ہے کہ پدر مردہ ہوں

ہر حال میں راضی برضا رہ ضامن
غم شہ کا غم پدر میں بھولے نہ کہیں

پیش آئے جو سرد و گرم وہ سہہ ضامن
یا ابن علی خذ بیدی کہہ ضامن

صنعت صنعت ہے اور خلقت خلقت
تصویر انسان کی نہ ہوگی انساں

حکمت حکمت ہے اور فطرت فطرت
سلک معنی نہ ہوگا کلک قدرت

سارے عالم میں یہ مثل ہے مشہور
ضامن اوس کو تو ہم نے دیکھا بھی نہیں

جو آنکھ سے دور ہے وہ ہے دل سے دور
پھر دل کا سرور وہ ہے وہ آنکھ کا نور

ہ طغیانی رود موسی سنہ ۱۹۰۸ء کیطرف اشارا ہے۔

| | |
|---|---|
| اللہ کسی کے سر پہ نہ آفت لائے<br>پھندے میں بُرے پھنسے تھے ضامن تم بھی | دل کو نہ کسی کے زلف میں الجھائے<br>بچ کر کیا آئے سمجھو لاکھوں پائے |
| اے دل ہے اگر خواہش حُسن انجام<br>ہو جلد بھی اچھا بھی ہو یہ مشکل ہے | چھوٹے نہ تحمل اور تامل کی لگام<br>جلدی کا کام تو ہے شیطاں کا کام |
| جلدی نہ کرو سوچ لو کچھ کرنا ہے<br>پکا کر لو ارادہ پھر کام کرو | چلتا ہے بہت دوڑ کے جو گرتا ہے<br>کچا جا تو کڑی پڑے کرتا ہے |
| دور اندیشی کی گر نہ عادت ہوگی<br>اڑدوگے جو تیر بے نشانہ تاکے | حاصل ہر آرزو سے حسرت ہوگی<br>چڑیا اڑ جائے گی خجالت ہوگی |
| دردی کشِ جامِ خوش کلامی ہوں میں<br>دو پشت سے ہوں نظام کا مدح سرا | صہبا کدۂ سخن میں جامی ہوں میں<br>اس عہد میں دوسرا نظامی ہوں میں |
| کیا جانئے کیا جنوں میں کہہ جاتے ہیں<br>ہے جذبۂ شوق ایک موج طوفاں | منہ دیکھ کے سننے والے رہ جاتے ہیں<br>لے جائے جدھر یہ سیل بہ جاتے ہیں |
| فارغ غم زندگی سے ہو بیٹھے ہیں<br>دنیا اندھیر ہو رہی ہے ضامن | تھا ایک پسر اوس کو بھی رو بیٹھے ہیں<br>جب سے نور نگاہ کھو بیٹھے ہیں |
| دنیا میں ہزار حیف اصغر نہ رہا<br>بھائی کے داغ پر ملا داغ پسر | تھا قوت بازو جو برادر نہ رہا<br>کیا لطفِ حیات کاظم اکبر نہ رہا |

سینہ مرا داغ داغ اکبر نے کیا — بیکار دل و دماغ اکبر نے کیا
نام اب وجد کون کریگا روشن — گل اس گھر کا چراغ اکبر نے کیا

مالک میرے مجبور ہے نام ترا — دے صبر مصیبت میں یہ ہے کام ترا
تسلیم و رضا کی راہ دکھلا دے اسے — ضامن بھی ہے ایک عبد ناکام ترا

اپنے تھے جہاں سے جلد جانیوالے — گھر چھوڑ کے قبر کے بسانیوالے
جینے سے تھی امید لاش اٹھانیکی ہائے — ہم شہر سے ہیں اونکی لاش اٹھانیوالے

حالات زمانہ سے نہ انجان ہو — کیوں اپنے عدو آپ مری جان ہو
دنیا بھی خراب عاقبت بھی برباد — اسلام کا دعویٰ ہے مسلمان ہو

داغ غم عاشقی کو گل سمجھا ہوں — دل خون ہوا ہے جام مل سمجھا ہوں
ہر چیز میں دیکھتا ہوں جلوہ تیرا — ہر جزو کو میں مظہر کل سمجھا ہوں

# قطعات تاریخ

## تاریخ کتاب یادگار دربار مرتبہ مطبع اخبار صدائے ہند لاہور

چھپ کر مطبع سے جب کہ نکلی تاریخ — دلشاد ہوا وہ جس نے دیکھی تاریخ
ضامن یہ سال طبع لکھا ہم نے — دربار کی یادگار اچھی تاریخ

۱۳۱۹ھ

## تاریخ وفات امیر الشعرا حضرت منشی امیر احمد امیر مینائی لکھنوی

نوحہ خواں دل ہے امیر احمد مینائی کا — صبر کا ہاتھ سے اب چھٹتا ہے دامن افسوس
[illegible] دکن میں ہوا راہی عدم — مولد اوس کا تھا کہاں کیا ہوا مدفن افسوس
اوس کی رحلت کی کہی ہم نے بھی ضامن تاریخ — از سر حسرت و یاس و غم و شیون افسوس
۱۳۱۹

## تاریخ طبع دیوان صاحبزادہ محمد عالمگیر محمد خاں صاحب عالم

چھپ گیا دیوان عالم باصد آب و تاب ضامن — جسکی اک اک بیت موج بحر خوبی بیگماں ہے
بہر سال طبع تم یہ مصرع برجستہ لکھدو — عالم معنی کلام عالم آتش زباں ہے
۱۳۱۹ھ

## تاریخ وفات حضرت حاجی مولوی سید کاظم حسین شیفتہ نقوی کنتوری

حضرت شیفتہ ہوئے افسوس — سوے دار السلام راہ گرائے
سال رحلت کہا یہ ضامن نے — واے کاظم حسین شیفتہ واے
۱۹۱۸ء

## دیگر

سید ذی مرتبہ کاظم حسین! — اہل حسب اہل نسب شیفتہ!
[illegible] نثار سعد [illegible] نقیہ — تاج سر علم و ادب شیفتہ!
ذات سے تھا آپ کی اک [illegible] — [illegible] شعر کے تھے سبب شیفتہ
عمر تجرد میں گذاری تمام — رہن علائق ہوے کب شیفتہ
راہی فردوس بریں ہو گئے — وا اسفا ہائے غضب شیفتہ
لکھا ضامن نے یہ سال وفات — جانب جنت گئے اب شیفتہ
۱۳۳۶ھ

## تاریخ وفات حسرت آیات جدی ومولائی حجۃ الاسلام وفقیہ اہل بیت اطہار علیہم الصلوٰۃ والسلام مولانا حکیم سید غلام حسنین الشہیر بعلامہ کنتوری

| | |
|---|---|
| ہجر میں علامۂ کنتور کے | جی کو ہو کس طرح سے چین آہ آہ |
| بزم جہاں کے لئے اوسکا وجود | تھا سبب زینت و زین آہ آہ |
| ناصر ملت تھا وہ ملت کرے | کیوں کے دل شیون نشین آہ آہ |
| دین کی نصرت میں قلم اوسکا تھا | تیغ حبیب و بن قین آہ آہ |
| حجت اسلام حکیم و فقیہ | ہادی راہ ثقلین آہ آہ |
| خسرو اقلیم کمال و شرف | ذاکر لب تشنہ حسینؑ آہ آہ |
| زبدۂ سادات بنی فاطمہ | نسل شہ بدر و حنین آہ آہ |
| قبلہ و کعبہ تھا مرا جد مرا | کیوں نہ کروں درد سے بین آہ آہ |
| آتی ہے دل سے یہی ضامن صدا | سید غلام حسنین ااہ ااہ |
| | ۱۳۳۷ھ |

## تاریخ طبع دیوان ہذا از مصنف

دیکھیں احباب آ کے نیرنگ خیال
صورتکدۂ معنی و ارژنگ خیال
تدوین کا سال نام سے ظاہر ہے
ہی طبع کا سنہ "چھپا ہی ارتنگ خیال"

۱۳۳۸ھ